چادر اور چار دیواری

عورتوں کی عزت و ناموس سے متعلق احکام و ہدایات پر مشتمل شمع فروزاں

سُوْرَۃُ النُّوْر

ترجمہ

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ

تفسیر و تشریح مسمّٰی بہ

چادر اور چار دیواری

مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی مارہری

صدر المدرسین دار العلوم احسن البرکات حیدرآباد سندھ
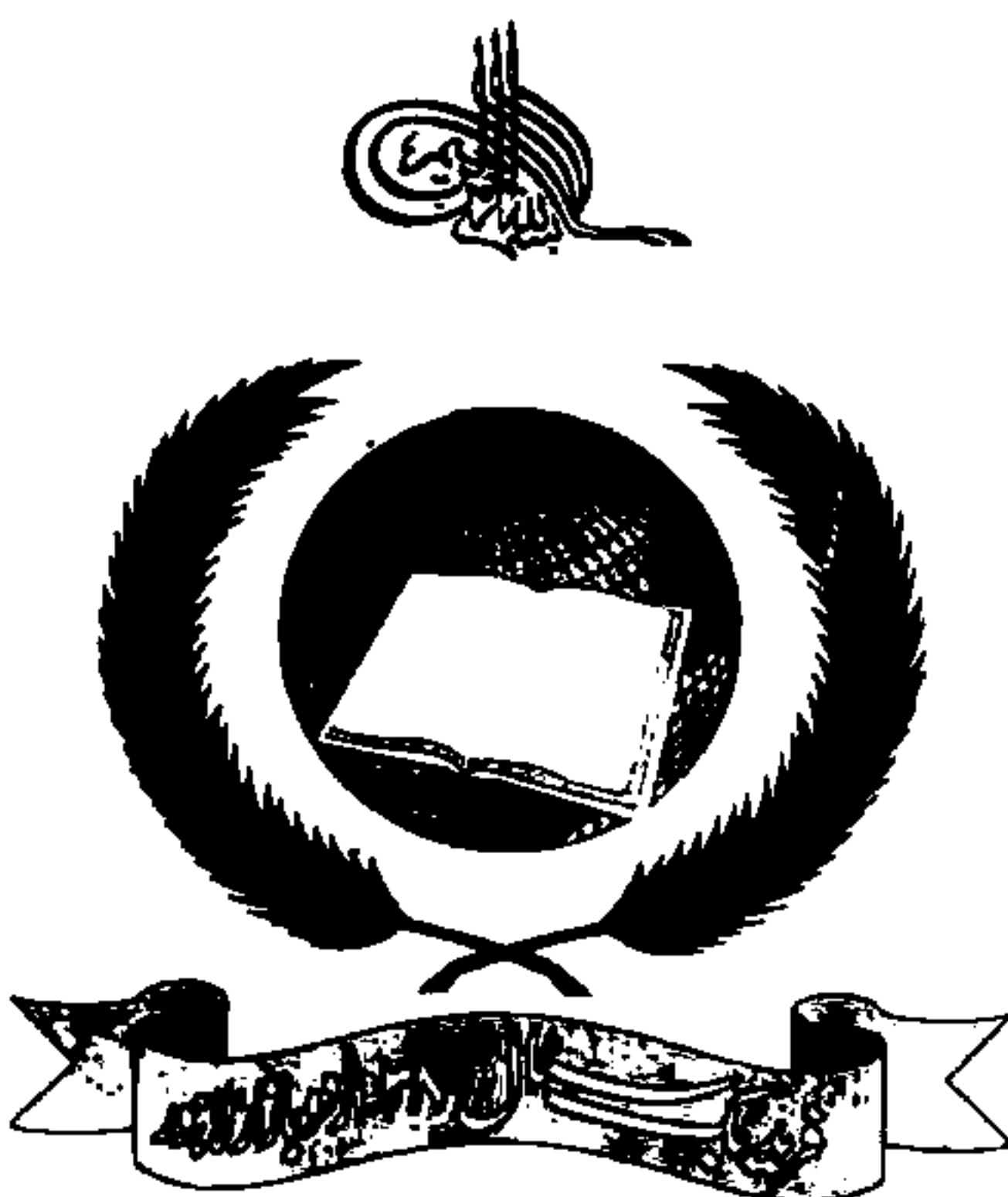
مطبع : روی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
طبع بار اوّل : 1406ھ /1986ء
طبع بار دوم : ربیع اوّل 1425ھ / 2004ء
قیمت : -/125 روپے

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

انتساب

قوم کی اُن پاکدامن، پاک طینت اور عصمت مآب بیبیوں ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے نام!

جنہیں اس پُر آشوب دور میں بھی، اسلامی اقدار اپنی جان برابر عزیز ہیں، اور جن کی عزت و عصمت اور پاک دامنی و پارسائی کی قسم کھائی جاسکتی ہے جو اپنی آبرو اور ناموس پر حرف نہیں آنے دیتیں اور اپنی شرافت و نظافت کو چادر و چار دیواری کے حصار میں سینوں سے لگائے بیٹھی ہیں مولائے کریم اپنے مزید فضل و کرم سے نوازے اور انہیں اور ہمیں حق و حقانیت پر ثابت قدم رکھے۔

آمین بجاہ النبی الامی الامین
علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم

ناچیز مؤلف

آئینہ

آیت و حاشیہ و صفحہ نمبر		معلومات و مفہومات	نمبر شمار
۲۵۹	۶۳، ۱۴۵	بارگاہِ نبوی میں حاضری کے آداب	۱۶۳
〃	〃 ۱ 〃	دُعاء الرسول کی تین توجیہات	۱۶۴
۲۶۱	۱	تنبیہِ جلیل	۱۶۵
۲۶۱	〃 : ۱۴۵	آپ کے معظم القاب کے ساتھ حرف یا بڑھا کر آپ کو ندا کرنا،	۱۶۶
〃		جسے وہابیہ شرک کہتے ہیں ایسا جائز و ثابت ہے کہ نماز میں واجب ہے	
۲۶۲	〃 : ۱۴۷	خدا و رسول کے احکام کی خلاف ورزی کے ہولناک نتائج	۱۶۷
۲۶۳	〃 : ۱۴۸	کافروں اور منافقوں کے دائمی عذاب کی نوعیت	۱۶۸
۲۶۴	۶۴، ۱۵	حق تعالیٰ سے کسی کا کوئی حال کسی وقت پوشیدہ نہیں	۱۶۹

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

وافضل الصلوٰۃ واکرم السلام علیٰ سید الانام

سیدنا و مولانا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

تمت

حمد و ثنا

حمد و ثنائے کبریا!

نعتِ حبیبِ دوسرا!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی؛ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی؛ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی؛ فَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی؛ وَاِنَّهٗ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی؛ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِدِیْنِ الْحَقِّ وَالْهُدٰی؛ فَمَا ضَلَّ عَنِ الْحَقِّ وَمَا غَوٰی؛ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی؛ فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلٰی حَبِیْبِهِ الْمَحْمُوْدِ فِی الْاِیْجَادِ وَالْوُجُوْدِ؛ اَلْفَاتِحِ لِكُلِّ شَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ؛ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی؛ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْبَرَرَةِ التُّقٰی؛ ذَوِی الْمَجْدِ وَالْعُلٰی؛ فَاُولٰٓئِكَ كَسَفِیْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰی وَهٰٓؤُلَاءِ كَالنُّجُوْمِ لِمَنِ اهْتَدٰی؛ وَعَلَیْنَا بِهِمْ وَلَهُمْ وَمَعَهُمْ وَفِیْهِمْ بِرَحْمَتِكَ یَا مُجِیْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّ اِذَا دَعَاهُ

یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم

صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

اغثنی یا رسول اللہ

ز سرتا پا خطا کارم اغثنی یا رسول اللہ　　گنہ گارم گنہ گارم اغثنی یا رسول اللہ

شکستہ پا، شکستہ بال و پر، خاطر پراگندہ　　ز حالِ زار بیزارم اغثنی یا رسول اللہ

خدارا سوئے من بنگر، بنہ دستِ کرم بر سر　　کہ بر دوشِ زمیں بارم اغثنی یا رسول اللہ

تہی دست و تہی داماں گدایم بے سر و ساماں　　ذلیل و رسوا و خوارم اغثنی یا رسول اللہ

بلطفت شادیٔ مرگم بخاکِ طیبہ کن مولیٰ　　بانجامے رسد کارم اغثنی یا رسول اللہ

نہ زادِ راہ می دارم، نہ منزل را شناسایم　　پریشانم پئے کارم اغثنی یا رسول اللہ

بہر سنگے گنہ گارم، بہر سوئے سیہ کارم　　بہر لطفِ تو حقدارم اغثنی یا رسول اللہ

توئی مولیٰ، توئی ملجا، توئی ہادی توئی ملتجا　　توئی یاور، توئی یارم اغثنی یا رسول اللہ

غریقِ بحرِ عصیاں شد، متاعِ عزّ و ناموسم　　سراپا ننگِ ابرارم اغثنی یا رسول اللہ

تو خود احوال ما بیچارگاں را خوب تر دانی　　چہ پیشت مدعا آرم اغثنی یا رسول اللہ

خلیلِ قادریم ردّ مکن دستِ سوالم را
ترا از تو طلب گارم اغثنی یا رسول اللہ

نذرِ عقیدت

جلوۂ قدرتِ خدا ہے رضا — پرتوِ شانِ مصطفےٰ ہے رضا
ظلِ آیاتِ کبریا ہے رضا — سایۂ فضلِ مرتضےٰ ہے رضا
صبحِ ایمان کی ضیاء ہے رضا — شامِ عرفان کی جلا ہے رضا
کعبۂ عشقِ اصفیاء ہے رضا — قبلۂ شوقِ اذکیاء ہے رضا
اعلیٰ حضرت، مجددِ ملت — اہلِ سُنت کا مُقتدا ہے رضا
وارثِ وارثانِ علمِ نبی — مظہرِ مجموعۂ ھُدا ہے رضا
فقۂ حنفی کا بے مثال فقیہہ — بوحنیفہ کا لاڈلا ہے رضا
منتہی، مبتدی ہیں جن کے حضور — ایسے لاکھوں کا منتہا ہے رضا
راہِ عرفاں کا مردِ حق آگاہ — چشمِ حق بیں کا مدعا ہے رضا
آبگینہ فقد رائی الحق کا — سچ تو یہ ہے کہ حق نما ہے رضا
شاہِ بغداد کی توجہ سے — قادریوں کا رہنما ہے رضا
اچھے اچھوں سے نسبتوں کی طفیل — اچھے اچھوں کا پیشوا ہے رضا
باغِ برکات کی بہارِ نَو — ہاں رضا، ہاں رضا، رضا ہے رضا
کوئی مشکل نہیں، مجھے مشکل — میرا مشکل کشا رضا ہے رضا

ایں ہم از فیض مرشدست خلیل
جلوہ فرمود گاہے گاہے رضا

ہر شخص کو یہ بات معلوم ہے کہ

ہر محکوم اپنے حاکم کی اطاعت و فرمانبرداری کے سبب اس کا منظورِ نظر ہو کر، ذی فہم، ذی تمیز اور ہر دل عزیز سمجھا جاتا ہے۔

ہم مسلمانوں کا سرتاج، والی، حامی، ہم بےکسوں کا سہارا، نجاتِ آخرت کا وسیلہ، بخشش و غفران کا حیلہ، ہمارا رفیع الشان سلطان، ہمارا عالم پناہ بادشاہ، جانِ عالم، جانانِ عالم، نبی مکرم، روحِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم وشرّف ومجّد وکرّم ہے۔ اگر ہماری ان روز و شب کی سیہ کاریوں، نافرمانیوں اور یہود و نصاریٰ کی آنکھ میچ کر تقلیدوں کے باعث مجوسیوں، ملحدوں کی سی صورت و روش دیکھ کر کل بروزِ حشر کسی کراہیت و بیزاری سے نگاہِ مرحمت پھیر لی، تو اے مسلمان! یقین جان کہ تیرا ٹھکانا کہیں نہ رہا۔

مسلمان کی پناہ، امان، نجات، رستگاری جو کچھ ہے، ان کی نظرِ رحمت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ اس بری گھڑی سے کہ وہ نظر فرماتے کراہیت لائیں۔

شرم بادت از خدا و از رسول

صحیح مسلم شریف میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں،

" دوزخیوں میں دو جماعتیں ایسی ہوں گی جنہیں میں نے (اپنے اس عہدِ مبارک میں) نہیں دیکھا (آئندہ پیدا ہونے والی ہیں) ان میں پہلی وہ عورتیں ہیں، جو بظاہر پوشاک پہنتی ہیں، مگر در حقیقت ننگی ہیں۔ (کہ ایسی باریک پوشاک پہننا جس سے بدن کی رنگت جھلکے، نہ پہننے کے برابر ہے) پھر ان کی کچھ بیہودہ روشیں بیان فرمائیں کہ لوگوں کو (اپنی حرکات سے) اپنی جانب راغب کرتی ہیں اور خود بھی اُن کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ اُن کے سر (ان کے ناز و ادا کے باعث) ایسے جھکے اور ڈھلکے ہوئے ہوں گے جیسے بختی اونٹوں کے کوہان۔ یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوسکیں گی، نہ اس کی خوشبو پاسکیں گی۔"

اس حدیث حمیدہ کے آئینے میں اپنے خدوخال کا آپ بھی نظارہ کرلیں۔

بصیرت افروز اقتباس

پردہ یا حجاب ایک قرآنی قانون ہے، جو امتِ اسلامیہ کے طبقۂ نسواں کو حق تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے اس لیے سپرد کیا گیا ہے کہ اس قانون کے ذریعے سے وہ اپنی قدرتی عزت و وقار کی واقعی قدر و قیمت اور اس کی اعلیٰ خصوصیات و کمالات اور قیمتی جذبات و سعادات کی حفاظت و تعظیم کر سکیں جو بطور پیدائشی حقوق کے، ان کو خدائے تعالیٰ کی جانب سے ملے ہیں۔

آج اسلامی گھرانوں میں زوجین کے تعلقات کی باہمی تعمیریں، اعتماد و اطمینان کی جن مضبوط چٹانوں پر قائم ہیں۔ ایسا اعتماد و اطمینان جو ہر قسم کی آلائشوں اور بدگمانیوں سے مصفّٰی اور پاک ہے۔ زیادہ تر وہ اسی الٰہی قانون کے پاکیزہ نتائج ہیں۔

الحاصل چند در چند روحانی، اخلاقی، معاشرتی، بلکہ جسمانی و طبعی اغراض و مقاصد کو سامنے رکھ کر کسی مرد و عورت نے نہیں، بلکہ عورتوں اور مردوں کے خالق اور بنانے والے نے قانون کا ایک مجموعہ عطا فرمایا ہے، جس کی اجمالی تعبیر پردہ یا حجاب سے کی جاتی ہے۔

آبرو بیگم صاحبہ، ہمشیرہ محترمہ ابوالکلام آزاد

گزارشِ احوالِ واقعی

"سورۃ النور" کے موضوعات کی تفسیر و تعبیر اور اس کے مندرجات کی توضیح و تشریح میں عربی، فارسی اور اردو کی معتبر و مستند تفاسیر کے علاوہ ان اردو تفاسیر و تراجم سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، جو انگریزی طبقہ میں فی الجملہ کسی نہ کسی نہج پر پسندیدہ خیال کی جاتی ہیں۔ اگرچہ ہمیں اور ہمارے علمائے اہلِ سنت کَثَّرَهُمُ اللہُ تعالیٰ کو ان کے خود ساختہ "نظریات و معتقدات" سے اختلاف رہا ہے اور آج بھی ہے کہ ان کی راہ جمہورِ اہلِ اسلام کی راہ سے الگ تھلگ ہے۔

ناظرین کرام! اس سعی و کاوش کو "منتخب التفاسیر" کا نام دے سکتے ہیں۔ مولا کریم بزرگانِ دین و ملت کے طفیل، اس خدمت کو شرفِ قبولیت سے مشرف فرمائے اور اسے نیز فقیر کی دوسری تصنیفات و تالیفات کو اس بے نوا و بے توقیر کی مغفرت کا ذریعہ بنائے آمین!

ناظرین باتمکین سے التماس ہے کہ وہ اس سیہ کار و سیاہ روزگار کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ سفرِ آخرت درپیش ہے اور سر پر گناہوں کا بار بیش از بیش۔ راہ دشوار ہے اور یہ فقیر بے مایہ، بے یار و مددگار۔ ہاں ربِ کریم عزوجل کی رحمت اور شافعِ محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے لو لگی ہے اور یہی سرمایہ ہمارا بڑا سرمایہ ہے وعلی اللہِ التکلان۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے،

عَلِّمُوْا هُنَّ الْمِغْزَلَ وَسُوْرَةَ النُّوْرِ

(ترجمہ) "اپنی عورتوں کو کاتنا (سینا پرونا وغیرہ امور خانگی) سکھاؤ اور انہیں سورۂ نور کی تعلیم دو۔" (خازن وغیرہ)

مدارک شریف میں فرمایا: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سورۂ نور کو موسم حج میں منبر پر تلاوت فرمایا اور اس کی ایسے نفیس پیرایہ میں تشریح فرمائی کہ اگر رومی اسے سن لیتے، تو مسلمان ہو جاتے۔"

الغرض چونکہ یہ سورۂ مبارکہ اسلامی تہذیب و معاشرہ اور اصلاح و تعمیر اخلاق کے لیے ایک جامع دستور العمل ہے۔ اس لیے فقیر مسلمانوں کی اصلاح و تعمیر کے لیے اپنی اس کاوش کو پیش کرتا اور مستدعی دعائے خیر ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔

العبد:

محمد خلیل خاں القادری البرکاتی

دار العلوم احسن البرکات حیدرآباد

سندھ۔ پاکستان

دِیبَاچہ

اَمَّا بَعدُ۔ جاہلیتِ قدیمہ ہو یا جدیدہ (یعنی زمانۂ ماقبلِ اسلام کی روح اپنے اندر سمیٹے ہوئے، اور جس کی یورپ کے بازاروں میں خصوصاً بڑی گرما گرمی اور زور اندوری ہے) دونوں میں نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ، اور باغوائے شیطانِ رجیم ہر ناکردنی و ہر ناگفتنی کی تعمیل میں پیش پیش رہنے کا وسیلہ۔

فرق ہے تو صرف اتنا کہ ایامِ جاہلیت کے وہ "دیوانے" جو اپنے جہل مرکب پر نازاں تھے، اپنے اتباعِ نفس کو، کوئی خوبصورت و دل پذیر نام نہ دے سکے، جبکہ "تہذیبِ جدید" کے فرزانے (کہ حقیقۃً عقل و خرد سے بیگانے ہیں) ان جاہلیتوں کو "آزادیٔ نسواں" کا نام دے کر شہر شہر، قریہ قریہ، اپنی تہذیب اور "حمایتِ حقوق نسواں" کا علی الاعلان ڈھنڈورا پیٹتے پھر رہے ہیں ؎

پنبہ کجا کجا نہم ہمہ داغ داغ شد

تاریخی اوراق اور روزمرہ کے مشاہدات، شاہدِ عدل ہیں،

(۱) اگر اُس زمانہ میں عورتوں کی عزت وعصمت کا نیلام عام سرِ بازار ہوتا تھا، تو آج بھی عورتیں، مردوں کی ہوس رانیوں کا سسکتا ہوا شکار ہیں۔

(۲) اگر زمانہ جاہلیت میں قحبہ گری اور عصمت فروشی کا کھلے بندوں بھاؤ تاؤ ہوتا رہا تھا، تو آج بھی کسی نہ کسی ثقافت کے نام پر اِس کاروبار کا بازار گرم ہے۔

(۳) ایامِ جاہلیت میں عورتوں کا بے حجاب بے نقاب، غیر مردوں اور اجنبیوں کے ساتھ "خلط ملط" رہنا، اگر ان جاہلیت کے ماردوں کی تہذیب کا ایک وقیع حصہ تھا تو آج بھی رقص و سرود کی محفلوں میں "یا بدستِ دیگرے دست بدستِ دیگرے" جیسی حیاسوز

حرکتوں کی موجودگی، آخر کون سی تہذیب کا آئینہ ہے۔

(۴) زمانہ جاہلیت میں جذبات کو مشتعل کرنے والے نظارے عام اور سرِ راہ تھے تو آج بھی نیم عُریاں لباسوں اور تنگ و چست لبادوں میں ملبوس و ملفوف، اپنے حسن و آرائش کی کھلے بندوں نمائش کرنے والی بے حمیت لڑکیاں، جنہیں مغربی یلغار میں بہہ جانے والے مرد اپنے اشاروں پر ننگی کا ناچ نچا رہے ہیں۔ کوئی بتلائے تو سہی کہ آخر یہ کس قدر تہذیبِ شائستگی کی یادگاریں ہیں۔

(۵) جاہلیت کے ان ایام میں اگر عورتیں کسبِ مال اور تحصیل زر کا وسیلہ تھیں اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنیوں سے بہت سوں کا بھلا ہوتا تھا، تو آج بھی "نائٹ کلبوں" اور مخلوط محفلوں کی رونقیں آخر کس کے دم سے ہیں؟ اور خصوصاً "جہانِ مشتری" کا بھرم کس کے دم قدم سے قائم ہے؟

(۶) بلا واسطہ خواہ بالواسطہ، جاہلیت کی تاریکیوں میں، اگر معصومیت سے بھرپور جانیاں، زبردستی کے جبر و ظلم کا نشانہ بنائی جاتی تھیں، تو آج بھی زندگی کی مسرتوں سے سرشار جانیاں، چیرہ دستی اور انتہائی بے دردی سے "تاریک اجالوں" میں ذبح کی جا رہی ہیں۔

غرض وہ کونسا اندازِ زندگی تھا جسے آج نہیں اپنایا گیا اور وہ کونسی "بہارِ جاہلیت" تھی، جس سے آج کے ماحول کو سنوارا نہیں گیا۔ کیا یہی وہ تہذیب و ثقافت ہے جس سے بھاگنے والے چہرے، اس روشن خیالی کے دور میں غیر مہذب کہے جاتے ہیں؟ کوسا جاتا ہے اور جی بھر کر کوسا جاتا ہے، گالیاں دی جاتی ہیں اور برملا دی جاتی ہیں۔ ان غریبوں کو جو کہ انسانیت سوز ان گندگیوں سے اپنا دامن بچا جاتے ہیں۔

مگر سُن لیں اور بگوشِ دل سُن لیں! یہ مغربی تہذیب کے فرزانے کہ یہ صرف اسلام ہی کی عدل گستریاں اور شریعتِ اسلامیہ ہی کی جلوہ سامانیاں ہیں، جن کے ظلِ رحمت، اور سایہ عاطفت میں پناہ لینے والی عورتیں، اپنی عزت و آبرو اور عصمت و ناموس کو جابر و ظالم کی

دستبرد سے بچا سکتی ہیں۔ قرآن کریم کی قندیل فروزاں کی تابانیوں میں ہر ہوسناک کا پنجہ مروڑ سکتی ہیں اور ہر بوالہوس کی ہوسناکیوں کو خاک میں ملا سکتی ہیں۔ اسلام ان کے ساتھ ہے۔ حق کا علمبردار، حق کا حمایتی۔ حق پرستوں کا یار و مددگار اور حق کوشوں کا ساتھی۔

قرآن کریم کی (۱۱۴) سورتوں میں سے یہ ایک سورۂ مبارکہ جس کا نام سورۃ النور لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے، واضح طور پر رہنمائی فرماتی ہے۔ اس دستور العمل اور نصب العین کی جانب، جس کی اطاعت گزاری، خانگی و خاندانی اور معاشرتی زندگی کو جانِ بہار بناتی اور اسلامی معاشرہ کو ان پاکیزگیوں اور پارسائیوں سے ہمکنار اور منور و معمور کرتی ہے، جو اسلام کے لیے مرنے والے جینے والے مردوں اور عورتوں کا طرۂ امتیاز ہے۔

سورۂ مبارکہ کا یہ نام مبارک ہی ہمیں صاف و اشگاف بتا رہا ہے کہ اس کی بدولت وہ ماحول اور معاشرے وہ خاندان اور گھرانے ہمیشہ ان سرشاریوں سے شاد کام فائز المرام اور ان روشنیوں سے منور و بہرہ ور رہیں گے۔ جو گلستانِ زیست کو بہارِ جاوداں بخشتی اور زندگی کے ہر شب و روز کو تابناک بناتی ہیں۔ آئیے ہم اس سورۂ مبارکہ کے بعض اہم پہلو آپ پر واضح کر دیں تاکہ اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کی اہمیت آپ پر واضح سے واضح تر ہو جائے:

(۱) اسلامی معاشرہ کی تمام رونقیں موقوف ہیں، خانگی زندگی کے خوشگوار حالات اور خانگی زندگی کی ساری مسرتیں، عورتوں کی نیک چلنی پر مبنی ہیں اور نیک چلنی کی نشستِ اول ہے۔ نظر کی تربیت اور سورۂ مبارکہ میں یہ سب کچھ مذکور ہے۔

(۲) مرد و عورت کا بے حجابانہ، ایک دوسرے کے سامنے آنا جانا، فتنوں کی راہیں کھولتا ہے۔ اسلام نے پردہ کو رواج دے کر ان فتنوں کا قلع قمع کر دیا۔

(۳) زناکار مردوں اور عورتوں کے لیے عبرتناک سزائیں تجویز کی گئیں اور ان کا اجرا برسرِ عام رکھا تاکہ دوسروں کے لیے سامانِ عبرت ہو۔

(۴) مرد و عورت کا بے نکاح رہنا اخلاقی نظام کے لیے ایک خطرہ بھی بن سکتا ہے۔ اسلام نے اس سلسلہ میں بھی واضح ہدایات دیں تاکہ معاشرہ پاک صاف رہے۔

(۵) چادر و چہار دیواری کی اہمیتوں کو واضح فرمایا۔

(۶) استیذان یا اجازت طلبی کے بغیر کسی کے گھر میں بلا روک ٹوک داخل ہو جانا ممنوع قرار دیا گیا تاکہ کسی سے شرمندگی نہ ہو اور فتنے پیر نہ پھیلائیں۔

(۷) گھروں میں رہ کر خدمات انجام دینے والوں پر بھی پابندیاں لگائیں تاکہ اپنا گھر نمونۂ سقر نہ بن جائے کہ آدمی یہاں بھی سکون کا سانس نہ لے سکے۔

(۸) امہات المومنین کے مراتب اور ان کے حقوق، مسلمان مرد و عورت کو سکھاتے

(۹) بھولی بھالی سیدھی سادی، لڑکیوں کو خواہی نہ خواہی بدنام کرنا، ان پر کیچڑ اچھالنا نکموں اور بدچلنوں بلکہ منافقوں کا شیوہ قرار دے کر، ہر مسلمان پر لازم کیا کہ وہ ایسی باتوں پر کان نہ دھریں، بلکہ ان کی پُر زور تردید کریں تاکہ ان نازک آبگینوں کو ٹھیس نہ پہنچے اور وہ بدنام نہ ہوں۔

(۱۰) خاص اپنی بیویوں پر تہمت لگانے والے بھی پہلے تول پیچھے بول پر عمل پیرا رہیں۔

(۱۱) ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جناب پاک میں گستاخانہ زبان کھولنے والوں کو جہنم کا مژدہ سنایا گیا۔

(۱۲) مسلمان کو بتایا گیا کہ نورِ ہدایت سے فیضیاب ہونا بغیر توفیقِ الٰہی ممکن نہیں، تو اپنے حسنِ عمل پر نہیں، بلکہ فضلِ الٰہی پر نظریں رکھیں۔

(۱۳) مسلمانوں کو تعلیم دی گئی کہ اجتماعی تعلقات کی بنیاد باہمی حسنِ ظن پر ہونی چاہیے، بدگمانی زہرِ قاتل ہے اسلامی معاشرہ کی پاکیزگی کے لیے۔

(۱۴) کسبِ مال کی حیا سوز حرکت کو باعثِ لعنت قرار دیا۔

(۱۵) اندھے لولے لنگڑوں کو خصوصی رعایتیں دی گئیں۔

(۱۶) بوڑھی عورتوں کو بعض رعایتیں دی گئیں، لیکن انہیں پابند بنایا گیا کہ بن ٹھن کر دوسروں کے سامنے آنے سے انہیں بھی پرہیز کرنا لازم ہے۔

(۱۷) قریبی عزیزوں اور بے تکلف دوستوں کو آسانیاں فراہم فرمائیں۔

(۱۸) منافقوں اور مخلص مسلمانوں کی نشانیاں بیان فرمائیں تاکہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز رہیں اور یہ اُن سے محتاط، بلکہ دُور و نفور رہیں۔

(۱۹) معاشرے کے افراد کو قریب سے قریب تر رہنے کی راہیں بتائیں۔

(۲۰) مسلمانوں کو آگاہ فرمایا گیا کہ اصلِ ایمان، جوہرِ ایمان، رُوحِ ایمان، بلکہ عین ایمان یہ ہے کہ حضور پُرنور سرورِ عالم رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں باادب باملاحظہ ہوشیار رہیں اور ان کی ذاتِ گرامی کو اپنے اوپر قیاس کرکے کوئی حکم نہ لگائیں، ورنہ ایمان کی خیر نہیں۔

(۲۱) خدا و رسول کی سچی اطاعت و فرماں برداری کے نتیجہ میں امن و امان قائم رہتا اور خلافتِ ارضی کا انعام ملتا ہے۔

(۲۲) خلفائے راشدین کی خلافتِ راشدہ اور اس کی برکات کی طرف ضمنی اشارے وغیرہا۔

مسلمان مردوں اور عورتوں کی نمایاں خصوصیات

پر مشتمل ایک آیۂ کریمہ کا اجمالی بیان

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ .... اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (الاحزاب پ ۲۲)

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرماں بردار اور فرماں برداریں، اور سچے اور سچیاں، اور صبر والے اور صبر والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں اور اپنی پارسائی پر نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے والیاں اور اللہ تعالیٰ کی بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

شانِ نزول

اسماء بنت عمیس جب اپنے شوہر جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ سے واپس آئیں تو ازواج نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مل کر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا عورتوں کے باب میں بھی کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے فرمایا "نہیں"

تو اسماء نے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ "حضور عورتیں بڑے ٹوٹے میں ہیں" فرمایا "کیوں؟" عرض کیا "ان کا ذکر خیر کے ساتھ ہوتا ہی نہیں جیسا کہ مردوں کا ہوتا ہے"

اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور ان کے دس مراتب مردوں کے ساتھ ذکر کیے گئے اور ان کے ساتھ [illegible] مدح فرمائی گئی۔ ان دس مراتب کا قدرے بیان حسب ذیل ہے :

اَلْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ : ان مراتب میں پہلا مرتبہ اسلام ہے جو خدا و رسول کی فرمانبرداری ہے، یعنی وہ مرد و زن جو اسلام کے اعمالِ ظاہری پر قائم ہوں اور جنہوں نے اسلام کو اپنے لیے ایک ضابطۂ حیات کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے اور ان کی زندگی اسی کی پیروی میں بسر ہوتی ہو۔

وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ : دوسرا مرتبہ ان مراتب میں ایمان کا ہے کہ وہ اعتقادِ صحیح [illegible] ظاہر و باطن کا موافق ہونا ہے۔ یعنی وہ مرد و زن جو صحیح عقائد کے پابند ہوں، یعنی ان کی اطاعت محض ظاہری نہیں، یا دلِ ناخواستہ نہیں، بلکہ وہ دل سے اسلام کی حقانیت پر یقین رکھتے اور اسلام ہی کی رہنمائی کو حق مانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اسلام ہی سیدھا [illegible] ہے۔

وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ : تیسرا مرتبہ ان مراتب میں قنوت یعنی فرمانبرداری کا کہ وہ جو [illegible] ہیں براہِ تابعداری بلا کراہت اور کسی پس و پیش کے بغیر کرتے ہیں۔ کسی بھی حکم شرعی کی تعمیل میں کوئی دنیاوی مصلحت ان کے لیے سدِ راہ نہیں بنتی۔

وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ : یہ چوتھا مرتبہ ہے ان دس مراتب سے کہ وہ صدقِ نیات اور صدقِ اقوال و اعمال ہے، یعنی ان کا وہ صدق جامع ہے۔ صدقِ قول، صدقِ عمل، صدقِ نیت، صدقِ ایمان، ہر قسم کے صدق کا۔ یعنی ان کی زبان وہی بولتی ہے، جس کی سچائی پر ان کا ضمیر، اُن کا ایمان گواہی دیتا ہے اور وہی کرتے ہیں جو راستبازی و صداقت کے مطابق ہوتا ہے۔

وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ : پانچواں مرتبہ صبر کا ہے کہ طاعتوں کی پابندی کرنا اور ممنوعات سے احتراز کرنا، خواہ نفس پر کتنا ہی شاق اور گراں ہو، محض رضائے الٰہی

کے لیے اختیار کیا جائے، یعنی کوئی خوف کوئی لالچ اور خواہشِ نفس کا کوئی تقاضا ان کو راہِ حق سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ، چھٹا مرتبہ خشوع کا ہے جو طاعتوں اور عبادتوں میں قلوب و جوارح کے ساتھ متواضع ہونا ہے۔ یہ خشوع شامل ہے عبادات میں توجہِ قلبی کو عادات میں تواضع و فروتنی کو، یعنی وہ مرد و زن جو تکبر و استکبار اور غرورِ نفس سے خالی ہیں، اس لیے ان کے دل اور جسم دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے آگے جھکے رہتے ہیں اور خوفِ خدا ان کے تمام احوال میں ان پر غالب رہتا ہے۔ مراد اس خشوع سے یہاں نماز بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ ہے خشیتِ الٰہی کا، جبکہ اس کے بعد ہی صدقے اور روزے کا ذکر آ رہا ہے۔

وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ، ساتواں مرتبہ ہے ان مراتب میں تصدق کا۔ یعنی وہ مرد و زن جو اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے مال و متاع سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اور اس تصدق میں زکوٰۃ و صدقہ و نفل سب ہی آ گئے۔ مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کھلے دل سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور راہِ حق میں حسبِ استطاعت خرچ کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند رکھنے کے لیے کسی قربانی سے پیچھے نہیں ہٹتے۔

وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ، یہ آٹھواں مرتبہ صوم کا ہے اور اس میں فرض و نفل دونوں قسم کے روزے شامل ہیں۔ منقول ہے کہ جس نے ہر ہفتہ ایک درم صدقہ کیا، وہ متصدقین میں سے ہے اور جس نے ہر مہینہ ایامِ بیض کے تین روزے رکھے، وہ صائمین میں شمار کیا جاتا ہے۔

وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ: یہ بیان ہے عفت و عصمت کا۔ اور وہ یہ ہے کہ مرد و زن اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور جو حلال نہیں ہے، اس سے

بچتے رہیں، یعنی زنا سے پرہیز کریں۔

دوسرا مفہوم اپنی پارسائی پر نگاہ رکھنے کا یہ بھی ہے کہ وہ برہنگی اور عریانی سے اجتناب کریں۔ اور برہنگی و عریانی صرف اسی چیز کا نام نہیں کہ آدمی کسی لباس کے بغیر بالکل مادر زاد ننگا ہو جائے، بلکہ ایسا لباس پہننا بھی برہنگی ہے جو اتنا رقیق ہو کہ اس میں سے جسم جھلکتا ہو یا اتنا چست ہو کہ جسم کی ساخت، اور اس کے نشیب و فراز سب اس میں سے نمایاں نظر آتے ہوں۔ حدیث شریف میں ایسے لباس کو "نما بے لباس" فرمایا گیا۔ آیت میں مردوں کے لیے اَلْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ (اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے) فرمایا گیا اور عورتوں کے لیے صرف اَلْحٰفِظٰتِ (نگاہ رکھنے والیاں) فرمایا۔ گویا عورتوں کو اشاروں کنایوں میں یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ مردوں کے لیے چند اعضائے مخصوصہ کا تحفظ کفایت کرتا ہے۔ برخلاف عورتوں کے ان کے لیے صرف اتنا ہی تحفظ کافی نہیں، بلکہ عورت کی ہر چیز عورت ہوتی ہے، تو اسے اپنی پارسائی کی حفاظت کے لیے اپنے رفتار و گفتار، لباس و آواز اور ہر طور طریق میں، ہر چیز میں ہر وقت احتیاط لازمی ہے۔

وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ، سب سے آخر میں دسویں صفت یعنی کثرتِ ذکر کا بیان ہے اور اس کثرتِ ذکر میں تسبیح و تہلیل (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد کرنا) تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا) تلاوتِ قرآن کریم، قرأتِ حدیث شریف اور علمِ دین کا پڑھنا پڑھانا، نماز وعظ و نصیحت، میلاد شریف، نعت شریف پڑھنا سب داخل ہیں۔ کہا گیا ہے کہ بندہ ذاکرین میں اس وقت شمار ہوتا ہے، جب وہ کھڑے بیٹھے، لیٹے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

(۱) ذکر الٰہی وہ نعمتِ الٰہی ہے جس کا حکم دیا گیا، حکم مطلق بھی مقید بھی۔

(۲) غفلت و نسیانِ ذکر سے نہی فرمائی گئی۔

(۳) فلاح و نجات کو کثرتِ ذکر پر معلق فرمایا گیا۔

(۴) اہلِ ذکر کی مدح وثنا، فرمائی گئی۔

(۵) اس نعمت سے غفلت برتنے والوں کے خسران ونقصان کو بیان فرمایا گیا۔

(۶) اسی ذکر کو جملہ اعمالِ صالحہ سے افضل واعلیٰ بتایا گیا کہ یہی رُوحِ اعمال ہے

(۷) ذاکرین کو ہی صاحبانِ عقل وہوش فرمایا گیا۔

(۸) جملہ اعمالِ صالحہ کا اختتام، بیانِ ذکر پر فرمایا گیا۔

(۹) یادِ الٰہی میں مشغول رہنے والوں ہی کو زندگی سے بہرہ ور فرمایا گیا۔

(۱۰) ذاکرین ہی کے بارے میں فرمایا گیا کہ جو میرا ذکر چپکے چپکے کرتا ہے، میں بھی اُس کا ذکر اپنی ذات سے کرتا ہوں۔ اور جو کوئی میرا ذکر کسی مجمع کرتا ہے، میں بھی اس کا ذکر ایسے مجمع میں کرتا ہوں، جو اس کے مجمع سے بہتر ہوتا ہے۔

الٰہی ہمیں اور تمام مسلمان مردوزن کو اسلام وایمان کی دولتوں سے مالامال فرما اور ہمیں اسی پر ثابت قدم رکھ، اور ذاکرین کے ساتھ ہمارا حشر فرما صدقہ اپنے محبوب پاک کا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

سورۃ النور مدنیۃ وھی اربع وستون آیۃ وتسع رکوعات
سورۃ نور مدنی ہے اور اس میں ۶۴ آیتیں اور ۹ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

یہ ایک سورت ہے کہ ہم ﷻ نے اتاری اور ہم نے اس کے احکام فرض کیے، اور ہم نے اس میں روشن آیتیں اتاریں کہ تم دھیان کرو ①

تشریح الالفاظ

سُوْرَةٌ کے لغوی معنی ہیں رفعت و بلندی یا مقام رفیع و بلند منزل۔ دوسرے معنی شہر پناہ کی دیوار کے بھی ہیں۔ قرآن کریم کے مضامین، دنیا کی دوسری کتابوں کے مضامین کی طرح مختلف ابواب پر تقسیم ہیں اور ہر باب کو سورۃ کہتے ہیں۔ گویا ہر سورت ایک منزل رفیع اور بلند منزل کا نام ہے اور دوسرے معنی کا لحاظ کیا جائے، تو سورۃ قرآنی کو سورت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ گویا کسی شہر کی فصیل کی مانند، اپنے مضامین کو محیط اور ان کا احاطہ کیے ہوتے ہے۔

قرآن کریم کی (۱۱۴) سورتیں ہیں اور ان سورتوں نیز آیاتِ کریمہ کی ترتیب زمانۂ اقدس حضور پرنور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں باہرالہٰی حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بیان اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد و تعلیم و تبیان کے مطابق واقع ہوئی تھی۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پھر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سُن کر صحابہ کرام اسی ترتیب پر اُسے نمازوں اور تلاوتوں میں پڑھتے رہتے اور اسی ترتیب جمیل پر بحمدہٖ تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں اور ان کے سینوں میں قرآن کریم محفوظ ہے اور ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

مَدَنِیَّۃ: وہ سورتیں جو ہجرتِ نبوی کے بعد یعنی قیامِ مدینہ منورہ کے زمانے میں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں، اگرچہ ان کا نزول مدینہ طیبہ کے حدود سے باہر ہی ہوا ہو۔

رکوع: سورت کے اندر کی ایک بڑی تقسیم کا نام رکوع ہے اور سب سے چھوٹی تقسیم کا نام ہے۔

آیۃ: قرآن کریم کی جملہ آیات کی تعداد بقول اصح (۶۶۱۶) ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قرآن کریم کا یہ افتتاحی فقرہ بجز ایک سورت یعنی سورۂ توبہ کے، ہر سورت کی ابتدا میں دہرایا گیا ہے یعنی (۱۱۳) بار۔ اسلامی آدابِ معاشرت میں اس بسم اللہ کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ہر جائز و مباح کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے کی بڑی فضیلتیں احادیثِ کریمہ میں وارد ہیں اور خود حضور اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ کریمہ بھی یہی تھی اور مسلمانوں کو بھی یہی سبق اسلام نے دیا کہ وہ اپنے ہر جائز کام کی ابتدا بسم اللہ سے کریں، بلکہ یہاں تک فرمایا کہ دروازہ بند کرو تو اللہ تعالیٰ کا نام لو، چراغ بڑھاؤ تو اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ برتن ڈھانپو تو اللہ تعالیٰ کا نام لو، اور اپنی مشک کا منہ باندھو تو اللہ تعالیٰ کا نام لو۔

مقصد یہ ہے کہ ہر چھوٹے بڑے جائز و مباح کام کی ابتدا میں، مسلمان اپنے حقیقی کارساز کا نام لینے کی پابندی کرے، تو اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے بڑھ کر جسم و جان کو توانائی بخشنے اور روح و اخلاق کو پاکیزہ کرنے والا نام اور کونسا ہو سکتا ہے۔ خدائے پاک کی تائید اس سے حاصل ہوگی اور توفیقِ الٰہی اس سے نصیب ہوگی اور اس سے نہ صرف یہ کہ ہر کام میں برکت آئے گی۔ ہر بات سنور جائے گی، بلکہ بگڑی ہوئی بھی بن جائے گی۔

انزلنٰـ: انزال سے ماخوذ ہے، یعنی نازل کرنا۔ اتارنا۔ تنزیل بھی اسی کا ہم معنی ہے فرق صرف یہ ہے کہ تنزیل کے مفہوم میں تدریج داخل ہے اور اِنزال سے دفعۃً نزول مراد لیا جاتا ہے۔

فرضنٰھا: یعنی ہم نے ان تمام احکام کی تعمیل اور بجاآوری فرض کر دی ہے اور اُن پر عمل کرنا بندوں پر لازم کر دیا ہے۔

اٰیٰت: جمع ہے آیۃ کی۔

بیّنٰت: روشن و واضح، یعنی ایسی آیتیں جو اپنے مضامین و احکام پر کھلی ہوئی دلالت و رہنمائی کرنے والی ہیں۔

تذکّرون: تاکہ تم دھیان دو اور راہِ راست پر چل کر اپنی منزلِ مقصود پا سکو۔

مطالب و مباحث

ف ۱ قرآن عظیم ظاہر ہے کہ سارا کا سارا اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کا نازل کیا ہوا ہے اور اس کے تمام احکام بھی اسی کے فرض کیے ہوئے ہیں۔ پھر یہاں خصوصیت سے ان چیزوں کو اپنی جانب منسوب کرنے اور جمع متکلم کے صیغے میں لانے کا واضح مطلب یہی ہے کہ اس سورت میں جتنے احکام مندرج ہیں، وہ ہر مسلمان مرد و عورت کے ذہن نشین رہنے چاہئیں اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کوئی مشورہ نہیں، بلکہ احکام ہیں۔

اور رب العالمین کے احکام ہیں، جن میں کسی قسم کا کوئی ابہام، کوئی التباس نہیں، لہذا اگر صاحب ایمان اور مسلمان ہو تو تمہارا فرض ہے اور قطعی طور پر تم پر لازم کیا جاتا ہے کہ ان احکام کی بجا آوری سے غافل نہ رہو۔ اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اپنی عورتوں کو سورۃ نور کی تعلیم دو۔

سورۃ مبارکہ کے مرکزی مطالب کا تعلق بھی عورت کی عزت و ناموس کی حفاظت سے ہے کہ یہی خانگی زندگی کی روح رواں ہے۔ اگر خاندان کا نظام اسلامی معاشرہ اور صحیح اسلامی اصول پر مبنی ہے، تو خاندان کا ہر فرد اصلاح پذیر ہوگا اور اصلاح سارے معاشرہ کی ہو کر رہے گی۔

رحمتِ الٰہی ساری کائنات پر ہمہ اوقات سایہ فگن ہے، مگر اس رحمت سے محروم کرنے والی یا کہنا چاہیے کہ اس نور کا حجاب دو ہی چیزیں ہیں، ایک حقوق اللہ کی ادائیگی سے غفلت اور سرکشی۔ دوسرے حقوق العباد کی بجا آوری میں کوتاہی، اور ان کی جان و مال، عزت و ناموس کی بربادی و پردہ دری۔ ظاہر ہے کہ کسی کی آبروریزی فتنہ و فساد کی موجب اور تمدن و معاشرے کے اصول کے سراسر خلاف، بہت بڑا ظلم اور مردم آزاری ہے۔ سورۃ مبارکہ میں اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرے کا دستور العمل بتایا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کا معاشرہ اور ان کا خاندانی ماحول پاک سے پاکیزہ تر رہے اور کسی کی عزت و ناموس سے کھیلنا محض ایک تماشہ نہ بن کر رہ جائے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾

ف[۲] جو عورت بدکار ہو اور جو مرد، تو ان میں سے ہر ایک[۳] کو سو کوڑے لگاؤ۔ اور تمہیں ان پر ترس[۴] نہ آئے اللہ کے دین میں۔ اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ اور پچھلے دن پر۔ اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو۔[۲]

تشریح الالفاظ

اَلزَّانِیَۃُ: زناکار عورت۔ اَلزَّانِیْ: زناکار مرد۔ فَاجْلِدُوْا: کوڑے لگاؤ۔ یہ لفظ جَلْدٌ سے ماخوذ ہے۔ یعنی تازیانے برسانا۔ کوڑے مارنا۔ اور جَلْد کا لفظ جِلْد (یعنی کھال) سے ماخوذ ہے جس سے یہ حکم مستفاد ہوتا ہے کہ مار ایسی ہونی چاہیے کہ جس کا اثر جلد یعنی جسم کی کھال تک رہے، گوشت تک نہ پہنچے۔ مِائَۃَ جَلْدَۃٍ۔ سو کوڑے۔ رَاْفَۃٌ: رحمت شفقت۔ کسی پر ترس کھانا۔ وَلْیَشْھَدْ: شہود سے ماخوذ ہے۔ حاضر رہنا۔ موجود ہونا۔ عَذَابَھُمَا۔ یعنی اُن کی سزا کے وقت اس مقام پر موجود ہونا جہاں حد قائم کی جارہی ہے۔ طَائِفَۃٌ: گروہ۔ مُؤْمِنِیْنَ۔ ایمان والے مرد۔ عورتیں ان میں تبعاً داخل ہیں۔

مطالبُ مباحث

ا۔ زنا کا عام مفہوم جس سے ہر شخص واقف ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی جائز رشتۂ ازدواج کے نہ ہونے کے باوجود باہم مباشرت و ہم بستری کے مرتکب ہوں اور وہ زنا جس میں حد واجب ہوتی ہے یہ ہے کہ مرد کا مشتہاۃ و قابلِ شہوت عورت کے آگے کے مقام میں بطورِ حرام، بقدرِ حشفہ دخول کرنا اور وہ عورت نہ اس کی زوجہ ہو نہ باندی، نہ ان دونوں کا شبہ ہو، نہ شبۂ اشتباہ ہو اور وہ وطی کرنے والا

مکلف یعنی عاقل وبالغ ہو، گونگا نہ ہو اور مجبور نہ کیا گیا ہو۔ (درمختار۔ عالمگیری وغیرہ)

ولہٰذا: (۱) حشفہ سے کم دخول ہوا (۲) یا نابالغ اور مجنون نے وطی کی (۳) یا وطی کرنے والا گونگا ہو (۴) یا اتنی چھوٹی لڑکی سے منہ کالا کیا جو مشتہاۃ یعنی شہوت کے قابل نہ ہو (۵) یا اسے اس بدکاری پر مجبور کیا گیا ہو (۶) یا جس عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور اس سے وطی بھی کی (۷) یا جس عورت کو تین طلاقیں دیں اور عدت کے اندر اس سے وطی کی اور گمان کیا کہ یہ وطی حلال ہے تو ان تمام صورتوں میں حد واجب نہیں (عالمگیری۔ ردالمحتار)

۲۔ **زنا کا ثبوت** ، یا تو چار مردوں کی گواہی سے ہوتا یعنی حاکم کے نزدیک زنا اس وقت ثابت ہوگا، جب چار مرد ایک مجلس میں، لفظِ زنا کے ساتھ شہادت ادا کریں، یعنی یہ کہیں کہ اس نے زنا کیا ہے۔ اگر وطی یا جماع کا لفظ بولیں گے تو زنا ثابت نہ ہوگا۔ یا پھر زنا کرنے والے کے چار مرتبہ اقرار کر لینے سے کہ قاضی کے سامنے چار بار، چار مجلسوں میں، ہوش کی حالت میں، صاف اور صریح لفظ میں زنا کا اقرار کرے۔

پھر بھی قاضی بار بار سوال کرے گا کہ زنا کس کو کہتے ہیں ؟ جب گواہ اس کو بتا میں گے اور کہیں گے کہ ہم نے دیکھا کہ اس نے اس کے ساتھ وطی ایسے کی جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ تو قاضی ان سے دریافت کرے گا کہ کس طرح زنا کیا ؟ یعنی اکراہ و مجبوری میں تو نہ ہوا ؟ جب یہ بھی بتا لیں گے تو پوچھے گا کہ کب کیا ؟ کہیں زمانہ دراز کی بابت تو بیان نہیں کر رہا ؟ پھر پوچھے گا کہ کس عورت کے ساتھ کیا ؟ ممکن ہے کہ وہ عورت ایسی ہو جس سے وطی پر حد نہیں۔ پھر پوچھے گا کہ کہاں زنا کیا ؟ کہ شاید دارالحرب میں ہوا ہو تو حد نہ ہوگی۔

اگر چاروں گواہ یکے بعد دیگرے آکر مجلسِ قضا میں بیٹھے اور ایک ایک نے اٹھ اٹھ کر قاضی کے سامنے گواہی دی تو گواہی قبول کر لی جائے گی اور اگر دارالقضا کے باہر سب

مجتمع تھے اور وہاں سے ایک ایک نے آکر گواہی دی تو گواہی مقبول نہ ہوگی اور ان گواہوں پر تہمت کی حد لگائی جائے گی۔ (عالمگیری۔ ردالمحتار)

لواطت یعنی اِغلام یعنی پیچھے کے مقام میں وطی اور اپنی خواہشِ نفسانی پوری کی تو یہ زنا میں داخل نہیں، لہٰذا اس فعل سے حد واجب نہیں ہوتی، لیکن تعزیر واجب ہوتی ہے اور اس تعزیر میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے چند اقوال مروی ہیں:

(۱) اس کے اوپر دیوار گرادیں۔

(۲) اونچی جگہ سے اُسے اُوندھا کر کے گرائیں اور اس پر پتھر برسائیں۔

(۳) اُسے قید میں رکھیں، یہاں تک کہ مر جائے یا توبہ کرے۔

(۴) چند بار ایسا کیا ہو، یعنی وہ اس حرکتِ قبیحہ کا عادی ہو تو بادشاہِ اسلام اُسے قتل کرا دے۔

الغرض یہ فعل نہایت خبیث ہے، بلکہ زنا سے بھی بدتر ہے، اسی وجہ سے اس میں حد نہیں کہ بعضوں کے نزدیک حد قائم کرنے سے آدمی گناہ سے پاک ہو جاتا ہے اور یہ اتنا بُرا ہے کہ جب تک کہ توبۃ النصوح یعنی توبہ خالصہ نہ ہو، اس میں پاکی نہ ہوگی اور اغلام کو حلال جاننے والا کافر ہے۔ یہی مذہب جمہور فقہائے کرام کا ہے (درمختار۔ بحرالرائق وغیرہما)

۳- معیارِ شہادت، زنا کی شہادت کا نصاب چار گواہ ہیں۔ کم از کم چار عینی شاہد جنہوں نے خود اپنی آنکھوں سے بیک وقت ارتکابِ جرم کرتے ہوئے دیکھا اور وہ بھی ایسے جو عادل ہوں، یعنی اسلامی قانونِ شہادت کی رُو سے قابلِ اعتماد۔ مثلاً یہ کہ وہ پہلے کسی مقدمہ میں جھوٹے گواہ ثابت نہ ہو چکے ہوں۔ پہلے کے سزا یافتہ نہ ہوں۔ خائن و بیباک اور فاسق معلن نہ ہوں جنہیں حکم شرعی کا خلاف کرتے نہ کسی کا لحاظ ہوتا ہے نہ کسی کی مروّت اور پاس۔ اور یہ کہ جس پر زنا کا الزام لگایا جا رہا ہے، اس سے ان کی دشمنی اور ناچاقی نہ ہو۔

بہر حال ناقابلِ اعتماد شہادت کی بنا پر نہ تو کسی کو رجم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کی

پیٹھ پر کوڑے برسائے جاسکتے ہیں اور نہ قاضی اسلام شہادت معتبرہ کے بغیر محض اپنے علم واقفیت کی بنا پر اس پر حد جاری کرسکتا ہے، اگرچہ یہ واقعہ اس کی آنکھوں نے دیکھا ہو (عالمگیری وغیرہ)

اثباتِ زنا کے لیے اتنی احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا صاف بتاتا ہے کہ رجم یا تازیانوں کی سزا ایک انتہائی اقدام ہے، جو صرف ایسے شخص کے خلاف ہی کیا جائے گا۔ جس کے دل میں نہ خدا تعالیٰ کا خوف ہے نہ عذابِ آخرت کا ڈر، نہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کا پاس ہے، نہ اپنوں اور غیروں میں اپنی ذلت و رسوائی کا اندیشہ۔ اور اپنے اس فعل شنیع میں ہر طرف سے آنکھیں بند کیے، ایسا مصروف و مشغول ہے کہ چار چار آدمی اسے عین حالت ہم بستری میں دیکھ رہے ہیں۔

۴۔ زناکاری بدترین لعنت ہے اور انتہائی رذالت و کمینگی کی علامت۔ زمانۂ جاہلیت میں دوسری اور قباحتوں کے ساتھ ساتھ زنا کا رواج بھی عام تھا اور اس کا ارتکاب بے دھڑک کیا جاتا تھا۔ پیشہ ور عورتیں بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے اپنی اپنی دوکانیں سنوارتیں اور خود بن سنور کر لوگوں کو اس فعل شنیع کی دعوت دیا کرتی تھیں۔ اونچے اونچے جھنڈے ان کے مکانوں پر لہرایا کرتے تھے۔ نہ کسب کرنے والیوں کے دامن میں کوئی حیاء و شرم تھی اور نہ انہیں استعمال کرنے اور اپنی بربادیوں کا سامان کرنے والوں کو کوئی غیرت۔ یہ ان سے بڑھ کر بے غیرت۔ وہ ان سے بڑھ کر بے شرم و بے حمیت۔ اسلام نے روحانی اور اخلاقی تربیت کی تکمیل کے لیے اپنے ماننے والوں کو پہلے ہی روز سے جتا دیا

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ؁

(اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بُری راہ)

یعنی زنا بجائے خود بھی قبیح ہے اور بلحاظ دوسرے مفاسد کے قبیح تر اور ہزار بار لائق مذمت۔ افراد کی روحانی پاکیزگی اور اخلاقی طہارت کے بھی منافی ہے اور تمدن صالح اور معاشرہ کی اجتماعی صلاحیت سے بھی مزاحم۔ روحانیت اور عبودیت کے چہرے پر بھی ایک داغ ہے۔

اور جسمانی معاشرتی، معاشی مضرتوں اور خطروں کے اعتبار و لحاظ سے بھی قابلِ نفرت اسی لیے ارشاد یہ نہ فرمایا، لَا تَزْنُوْا (زنا مت کرو) بلکہ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی (زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو) لہٰذا جو چیزیں اس فعلِ شنیع اور حرکتِ قبیحہ کی معاون و ذریعہ ہو سکتی ہیں جیسے بوس و کنار بلکہ نظر بازی اور چوری چھپے کسی کو گھورنا، اپنی نگاہوں سے کسی ایسے کا پیچھا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان سے بھی دور و نفور رہنے کا حکم ہر مسلمان کو دیا۔ جا بجا اس کے بد انجام اور نتیجے سے ڈرایا اور اسے آخرت کی بازپرس کا احساس دلایا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس بستی میں زنا اور سود ظاہر ہو جائے تو انہوں نے اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو حلال کر لیا"۔

ایک حدیث شریف میں ہے: "ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں، اور زانیوں کی شرم گاہ کی بدبو، جہنم والوں کو ایذا دے گی۔"

نیز ارشاد فرمایا: "جس قوم میں زنا ظاہر ہو گا، وہ قحط میں گرفتار ہو گی اور جس قوم میں رشوت کا ظہور ہو گا، وہ رعب میں گرفتار ہو گی"۔ (دوسروں سے مرعوب اور خوفزدہ رہے گی)

بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو مومن نہیں رہتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے مومن نہیں رہتا اور شرابی جس وقت شراب پیتا ہے مومن نہیں رہتا۔"

اور نسائی کی روایت میں ہے: "جب کوئی ان افعال کو کرتا ہے تو اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیتا ہے۔ پھر اگر (سچے دل سے) توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "اس شخص سے نورِ ایمان جدا ہو جاتا ہے۔"

صحیح بخاری شریف کی ایک طویل حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، "رات میں نے دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے

اور مجھے زمین مقدس کی طرف لے گئے (اس حدیث شریف میں چند مشاہدات بیان فرمائے ان میں ایک بات یہ بھی ہے) ہم ایک سوراخ کے پاس پہنچے جو تنور کی طرح اوپر سے تنگ ہے اور نیچے کشادہ۔ اس میں آگ جل رہی ہے اور اس آگ میں کچھ مرد اور عورتیں برہنہ ہیں۔ جب آگ کا شعلہ بلند ہوتا ہے تو وہ لوگ اوپر آجاتے ہیں اور جب شعلے کم ہوتے ہیں تو شعلے کے ساتھ وہ بھی اندر چلے جاتے ہیں (یہ کون لوگ ہیں؟ ان کے متعلق بیان فرمایا کہ) یہ زانی مرد اور زانی عورتیں ہیں۔"

الغرض زنا وہ فعلِ شنیع ہے کہ اس کی شامت سے اور اس کی پاداش میں،

(۱) بلاؤں کا نزول ہوتا ہے (۲) دشمن غلبہ پاتا ہے
(۳) رزق میں تنگی آتی ہے (۴) عزت و ہیبت کا زیاں ہوتا ہے
(۵) عمر سے برکت جاتی ہے (۶) ملک و ملت میں بربادی آتی ہے
(۷) نت نئی بیماریاں فروغ پاتی ہیں (۸) دعائیں قبولیت سے محروم رہتی ہیں
(۹) عذابِ خداوندی کسی نہ کسی شکل میں تباہی پھیلاتا ہے
(۱۰) رُوح کی نورانیت پر نفس کی ظلمت و تاریکی غلبہ پا لیتی ہے
(۱۱) اور بلا توبہ مر جائے تو عذابِ آخرت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ وغیرہا

مولائے کریم بجاہ محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تمام مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے اور ان پر عمل پیرا رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں دارین میں عزت و سرخروئی سے نوازے۔ آمین!

ف۲ اس جرمِ شنیع کا ارتکاب کرنے والوں کے متعلق سزا کا حکم تو پہلے ہی آچکا تھا، البتہ چونکہ اس کی حیثیت ایک معاشرتی یا خاندانی جرم کی سی تھی۔ اس لیے اس پر اہلِ خاندان ہی کو بطورِ خود سزا دینے کا اختیار تھا۔ اور حکم یہ تھا کہ اگر چار مرد اس امر کی شہادت دے دیں کہ انہوں نے ایک مرد اور ایک عورت کو اپنی آنکھوں سے زنا کرتے دیکھا ہے تو دونوں

کو گھُر کا جائے، جھڑکا جائے، بُرا بھلا کہا جائے، شرم دلائی جائے اور مارا پیٹا جائے اور اس کے ساتھ ہی اُس عورت کو گھر میں قید کر دیا جائے اور ان کے گھروں کو اُن پر قید خانہ بنا دیا جائے۔" (سورۃ النساء، رکوع ۲)

لیکن گھروں کے اندر دائمی نظر بندی کی یہ سزا دائمی نہ تھی جیسا کہ خود قرآن کریم کا اشارہ ہے کہ آئندہ کوئی اور سزا تجویز ہونے والی ہے۔ چنانچہ کچھ ہی روز بعد سورۃ النور کی ان آیاتِ کریمہ نے ایک دائمی سزا تجویز فرما دی، یعنی زانی مرد اور زانی عورت دونوں کے لیے سَو سَو تازیانے۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ کریمہ نے مزید تشریح فرما دی کہ یہ سزا ناکتخدا کے لیے ہے۔ زنا بعدِ احصان یعنی شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کے ارتکاب کی سزا یہ نہیں ہے جو اسلامی قانون کی نگاہ میں سخت تر جرم ہے۔ بلکہ بیاہے ہوؤں کے لیے اس جرمِ شنیع کی سزا رجم ہے، یعنی سنگساری۔

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحکم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رجم کیا گیا۔ لہٰذا جو آزاد و مکلّف یعنی عاقل بالغ مسلمان نکاحِ صحیح کے ساتھ ہم بستری کر چکا ہو۔ خواہ ایک ہی مرتبہ، ایسے شخص سے زنا ثابت ہو تو رجم کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ سنگساری سے مر جائے اور یہ سخت سزا اس لیے دی گئی کہ اس کے پاس، اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کا ایک جائز ذریعہ موجود تھا، پھر بھی اس نے ناجائز ذریعہ اختیار کیا۔ اور اگر ان میں سے ایک بات بھی نہ ہو مثلاً آزاد نہ ہو، مسلمان نہ ہو یا عاقل بالغ نہ ہو یا بن بیاہا ہو، یا نکاح تو کر چکا لیکن اس نے اپنی بی بی سے صحبت نہ کی ہو، یا جس کے ساتھ کی ہو، اس کے ساتھ نکاح فاسد ہوا ہو تو یہ سب بن بیاہوں میں داخل ہیں اور ان سب کا حکم کوڑے مارنا ہے۔

جس مسلمان میں یہ پوری صفتیں جمع ہوں یعنی وہ آزاد ہو۔ عاقل ہو، بالغ ہو، نکاح و ہم بستری کر چکا ہو، اس کے لیے شریعت میں اصطلاح محصَن (مرد کے لیے)

یا محصنہ (عورت کے لیے) ہے اور اس کے لیے سزائے زنا رجم یا سنگساری ہے تاآنکہ مر جائے۔ یہ سزا خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل سے، تعامل صحابہ سے (کہ ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے) اور مجتہدینِ امت سے متفقہ طور پر بالاجماع ثابت ہے۔ خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی اور اسی کے قانونی سزا ہونے کا بار بار اعلان کیا۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ تھا۔ ان کے بعد تمام زمانوں اور تمام ملکوں میں فقہائے کرام اس بات پر متفق رہے کہ یہ ایک سنتِ ثابتہ ہے۔

ف۳ پھر آیت میں خطاب حکام کو ہے کہ وہ ثبوتِ زنا کے بعد اعراض و چشم پوشی کام میں نہ لائیں اور اس جرم کو معمولی سمجھ کر اس سے درگزر نہ کریں، بلکہ ایسے مجرم پر حد جاری کردیں اور کوئی اندیشہ، کوئی مصلحت، ان کو اس فعل سے باز نہ رکھے۔ اسلامی قانون حکومت کے سوا کسی اور کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ زانی اور زانیہ کے خلاف کارروائی کرے اور بطورِ خود اس کی سزا تجویز کرے۔ ورنہ ایسے فتنوں کو کچلنے کے لیے عامۃ الناس کو اختیارات مل جائیں، تو ہزار فتنے سر اٹھائیں گے اور خونریزی کا وہ سلسلہ شروع ہو گا کہ ڈھونڈھے سے پناہ نہ ملے گی۔ اسی لیے حدود جاری و نافذ کرنے کی ساری ذمہ داریاں اسلامی حکومت کے سپرد ہیں۔ عوام اس کے مجاز نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ حرام کاروں سے مقاطعہ کیا جائے تاآنکہ وہ توبہ کر کے نیک و صالح بن جائیں۔

احکامِ رجم سے متعلق چند مسائل

(۱) زنا بعد احصان کی حد صرف رجم ہے اور رجم کی صورت یہ ہے کہ اسے میدان میں لے جا کر اس قدر پتھر ماریں کہ وہ مر جائے۔

(۲) رجم کے لیے لوگ نماز کی طرح صفیں باندھ کر کھڑے ہوں۔ جب ایک صف مار چکے تو یہ ہٹ جائے اور اب اور لوگ ماریں۔

(۳) اگر زنا گواہوں سے ثابت ہوا ہے تو رجم میں شرط یہ ہے کہ پہلے گواہ ماریں اور اگر گواہ کسی وجہ سے مجبور ہوں، تو حکم ہے کہ وہ موجود رہیں اور ان کے سامنے پہلے پتھر مارے۔

(۴) زنا کا ثبوت اگر زانی کے اقرار سے ہوا ہو تو پہلے حاکم وقت پتھر مارے پھر اور لوگ۔

(۵) رجم کی سزا میں جب مجرم مر جائے تو پھر اس سے پوری طرح مسلمانوں کا سا معاملہ

کیا جائے گا، اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اس کے حق میں دعائے خیر کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے اور کسی کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ اس کی موت کے بعد اس کا ذکر برائی سے کرے اس نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی، تجہیز و تکفین و نماز جنازہ وغیرہا امور ہم پر فرض ولازم ہیں۔ اگر اس نے حکم الٰہی سے اعراض کیا، تو ہم اپنا فرض کیوں کر چھوڑ دیں۔ اس نے گناہ کمایا اور عذاب میں گرا، تو ہم احکام خداوندی کی خلاف ورزی کر کے کیوں گناہ گار ہوں۔

(درمختار۔ ردالمحتار وغیرہ)

مولائے کریم ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے صدقہ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔

ضربِ تازیانہ سے متعلق چند مسائل

(۱) اگر وہ شخص جس کا زنا ثابت ہوا محصن و شادی شدہ ہوا، تو اس کی حد سو تازیانے ہیں۔

(۲) مار کے لیے جو کوڑا یا دُرّہ استعمال کیا جائے، وہ اوسط درجے کا ہو، نہ بہت موٹا اور سخت۔ اور نہ بہت پتلا اور نرم۔ نہ اس کے کنارے پر گرہ ہو اور نہ اس کا کنارہ بہت سخت ہو۔

(۳) مار بھی اوسط درجے کی ہونی چاہیے، نہ بالکل آہستہ اور نہ بہت زور سے۔ نہ دُرّے کو پوری طاقت سے ہاتھ کو تان کر سر سے اونچا اٹھا کر ماریں اور نہ بدن پر پڑنے

(۴) بدن پر ایک ہی جگہ نہیں مارنا چاہیے بلکہ مار کو تمام جسم پر پھیلا دینا چاہیے۔ صرف منہ، شرمگاہ اور سر کو بچا لینا چاہیے۔ باقی ہر عضو پر کچھ نہ کچھ مار پڑنی چاہیے۔

(۵) دُرّہ مارنے کے وقت مرد کے کپڑے اتار لیے جائیں، مگر تہ بند یا پاجامہ اتارنے کی ضرورت نہیں۔ عورت کے کپڑے نہ اتارے جائیں۔ ضربِ تازیانہ کے وقت عورت اپنے پورے کپڑے پہنے رہے گی۔ ہاں پوستین یا روئی بھرا کپڑا اوپر پہنے ہوئے ہو تو اسے اتروالیں۔

(۶) مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر دُرّے ماریں۔ زمین پر لٹا کر نہ ماریں۔

(۷) اگر مرد کھڑا نہ ہو تو اسے ستون وغیرہ سے باندھ کر یا پکڑ کر دُرّے ماریں۔

(۸) بہتر یہی ہے کہ یک وقت پوری سزا دی جائے، لیکن اگر پہلے روز پچاس کوڑے مارے، دوسرے روز پھر پچاس مارے، تو کافی ہے۔ البتہ ہر روز ایک ایک دو دو کوڑے مارے اور یوں مقدار پوری کی تو کافی نہیں۔

(۹) زانی اگر مریض ہے تو رجم کر دیں گے، مگر کوڑے نہ ماریں گے جب تک کہ اچھا نہ ہو جائے۔ ہاں اگر ایسا مریض ہو کہ اس کے صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہ ہو تو بیماری ہی کی حالت میں کوڑے ماریں مگر بہت آہستہ، یا کوئی ایسی لکڑی جس میں سو شاخیں ہوں، یا سو تیلیوں والی جھاڑو لے کر اس سے ماریں کہ سب شاخیں اس کے بدن پر پڑیں اور قانون کا تقاضا پورا ہو جائے۔

(۱۰) عورت کو حمل ہو تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو لے حد قائم نہ کریں۔ نہ رجم نہ ضربِ تازیانہ۔ البتہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر رجم کرنا ہے تو فوراً کر دیں اور اگر کوڑے مارنے کا حکم ہو تو وضعِ حمل کے بعد اتنا انتظار کرنا ہوگا کہ مدتِ نفاس گزر جائے۔

(۱۱) بچہ کی تربیت کرنے والا کوئی نہ ہو اور حاملہ عورت پر حدِ رجم جاری کرنا ہو تو اس وقت تک اسے مہلت دیں کہ بچہ دو برس کا ہو جائے (عالمگیری، درمختار، ردالمحتار وغیرہا)

تنبیہ

حد ایک قسم کی سزا ہے جس کی مقدار شریعت کی جانب سے مقرر ہے، اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور اس کا نفاذ حاکم اسلام کے بغیر جائز نہیں اور اس میں تخفیف و ترحم کا حق حاکم اسلام کو بھی حاصل نہیں۔ اس سے مقصود لوگوں کو ایسے کاموں سے روکنا ہے، جن کی یہ سزائیں ہیں اور جس پر حد قائم کی گئی، وہ جب تک توبہ نہ کرے، محض حد قائم کرنے سے پاک نہ ہوگا اور شرط یہ ہے کہ جس پر حد قائم ہو، اس کی عقل درست ہو اور بدن سلامت۔ لہذا پاگل اور نشہ والا جب تک ہوش میں نہ آئے، اور بیمار جب تک تندرست نہ ہو، اس وقت تک حد قائم نہ کریں گے (عالمگیری وغیرہ)

ف ۴ حدِ شرعی کی مقدار بھی اور اس کی کیفیت بھی، خود شریعتِ مطہرہ کی معین کی ہوئی ہے، لہذا جس طرح حاکمِ اسلام کو اس میں کسی ترمیم و تخفیف کا حق نہیں، اسی طرح بے جا مروت اور بے محل نرمی برتنے کی بھی اجازت نہیں۔ حدودِ شرعیہ سے مقصود عامۃ الناس کی اصلاح اور اسلامی معاشرہ کو پاکیزہ تر بنانا ہے، اس لیے یہ حکم بھی دیا گیا کہ حدودِ شرعیہ کے نفاذ کے وقت حکومتِ وقت کی مصلحتوں کا آڑے آنا، مصالحِ شرعیہ کا قلع قمع کرنا ہے، لہذا کسی کو یہ اختیار نہیں کہ حدود کے اجراء میں کسی تساہل و تغافل کو کام میں لائے، چنانچہ مشاہدہ شاہدِ عدل ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی حدود کا نفاذ رہا یا اُن کا نفاذ حدودِ شرعیہ کے مطابق ہے، وہاں معاشرہ کو ناپاک و خراب کرنے والے جرائم اگر پائے بھی جاتے ہیں، تو بہت کم اور برائے نام۔

اور جہاں مسلمانوں کی حکومت ہونے کے باوجود ان حدود کا نفاذ نہیں، وہاں قتل و خونریزی، اغوا و آبروریزی، قمار و شراب نوشی اور ایسے ہی دوسرے جرائم میں روز بروز ہوشربا اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب مظلوم کی دادرسی نہ ہوگی تو وہ جوشِ انتقام

میں دیوانہ وار ایسی ہی حرکتیں کرے گا جس سے ظالم کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچے اور نتیجہ اس کا یہی ہوگا کہ ایک جرم کی طرف سے اعراض و چشم پوشی، دوسرے اور بڑے بڑے جرائم کو جنم دے گی۔ اس لیے شفقت و مروت اور رحمت و رافت، یہ نہیں کہ ایک جان کی خاطر بیسیوں جرائم کا دروازہ کھول دیا جائے۔

اور غور کیا جائے تو یہ سزائے سخت بھی مجرم کے لیے سرتاسر رحمت ہی ہے کہ یہاں سزا بھگتنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ وہاں پاک و صاف اٹھیں گے اور اس وقت قدر ہوگی کہ دنیا میں کیسے سستے چھوٹے۔

ف زنا چونکہ بہت گھناؤنا جرم ہے اور اسی لیے اس کی سزا بھی بہت سخت رکھی گئی ہے اور اس سزا کا مقصد و منشا یہی ہے کہ لوگ ایسے جرائم کے ارتکاب سے باز رہیں اور ان سزاؤں سے عبرت حاصل کریں، اس لیے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے تاکہ ایسے مجرموں کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہو کر اوروں کے لیے باعثِ عبرت ہے، اور اسی لیے یہ حکم بھی دیا گیا کہ تمہیں اُن پر ترس نہ آئے۔

احادیثِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا "کل بروزِ قیامت ایک حاکمِ وقت کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا جس نے حد میں کچھ کمی کردی تھی اور اس سے پوچھا جائے گا کہ "تو نے ایسا کیوں کیا؟" وہ کہے گا "محض بربنائے شفقت و ترس!" فرمایا جائے گا "کیا تو مجھ سے زیادہ ان بندوں پر رحم کرنے والا ہے؟" چنانچہ اسے دوزخ میں ڈال دیے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر دوسرا حاکم پیش کیا جائے گا، جس نے مقررہ تازیانوں سے ایک تازیانہ زیادہ مار دیا ہوگا اور اس سے دریافت کیا جائے گا کہ "تو نے ایسا کیوں کیا؟" تو وہ بھی ایسا ہی جواب دے گا اور کہے گا "اس لیے کہ لوگ تیری نافرمانی سے باز رہیں!" ارشادِ باری تعالیٰ ہوگا کہ "تو مجھ سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے؟" پھر اسے دوزخ میں ڈال دینے کا حکم دیا جائے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ چُپ چپاتے، عوام الناس کی نگاہوں سے دور، ایسے شدید جرائم پر اگر کوئی جسمانی سزا دی بھی جائے تو وہ مقاصدِ شرع پر پوری نہیں اترتی۔ نہ ایسی سزا سے ملزم کی تشہیر ہوتی ہے اور نہ اس سے دوسروں کے لیے سامانِ عبرت فراہم ہوتا ہے۔ یہ تو کسی حاکمِ اسلام کو زیب نہیں دیتا کہ اپنی خودساختہ مصلحتوں کو ایسے احکام پر ترجیح دیں اور مقاصدِ شرعیہ سے آنکھیں بند کرلیں جو یہ ہیں :

(۱) مجرم سے اس زیادتی کا بدلہ لیا جائے جو اس نے ایک مسلمان عورت پر روا رکھی۔

(۲) [illegible] عادۃً جرم سے باز رکھا جائے کہ دوبارہ اس کے قریب نہ پھٹکے اور معاشرہ نہ بگڑے

(۳) اس [illegible] کو عبرت بنا دیا جائے تاکہ اس جیسا میلان رکھنے والے مردوں بلکہ عورتوں کو اس کی ہمت نہ پڑے اور وہ ایسے جرم کی جرأت نہ کرسکیں۔

(۴) اس کے علاوہ علانیہ سزا دینے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں حکام سزا دینے میں نہ کسی کے ساتھ بیجا رعایت برتیں گے نہ کسی پر بے جا سختی کی جرأت کرسکیں گے۔

اسی لیے فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ ارشاد فرما کر یہ امر بھی ذہن نشین کرا دیا کہ یہ معاملہ شریعتِ الٰہی کے نفاذ کا ہے اور مصالحِ شرعیہ سے وہی خوب واقف ہے جس نے شریعت اتاری اور تمہیں اسلام قبول کرنے، صاحبِ ایمان ہونے کی توفیق بخشی، تو تمہارا کام ان حدود کو نافذ کرنا ہے۔ کوئی مروت اور بے جا نرمی تمہیں اجرائے حد سے باز نہ رکھے۔ تمہیں چاہیے کہ حدود کے پورا کرنے میں کمی نہ کرو اور دین میں مضبوط و متصلب رہو۔ زانی اور زانیہ پر اللہ تعالیٰ کی تجویز کردہ سزا نافذ کرنے میں مجرم کے لیے رحم اور شفقت کا جذبہ تمہارے ہاتھ نہ روکے۔

اور یہ خیال کرنا کہ کوڑوں کی سزا ایک وحشیانہ سزا ہے، کھلی ہوئی جرأت و بے باکی ہے، بلکہ یہ خدا اور رسول سے بغاوت اور کفرِ قطعی ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اور کوئی بھی صاحبِ ایمان رہتے ہوئے ایسا کہنے کی جرأت و ہمت نہیں کرسکتا۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ز وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ج وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾

بدکار مرد نکاح نہ کرے، مگر بدکار عورت یا شرک والی سے۔ اور بدکار عورت سے نکاح نہ کرے مگر بدکار مرد یا مشرک۔ اور یہ کام ایمان والوں پر حرام ہے۔ ﴿۳﴾

الفاظ و معانی

لَا یَنْکِحُ نکاح نہ کرے۔ مُشْرِکٌ وَّمُشْرِکَۃٌ شرک و کفر میں مبتلا مرد و عورت۔ لَا یَنْکِحُھَا بدکار عورت سے نکاح نہ کرے۔ اِلَّا مگر، بجز حرفِ استثنا۔ حُرِّمَ حرام کیا گیا۔ ذالک یہ۔ یعنی جو مرد و عورت مبتلائے زنا ہیں، انہیں پارسا مرد و عورت کے نکاح میں لانا حرام کر دیا گیا ہے۔

مطالب و مباحث

وہ مرد و عورت جن کا دامن اس بدکاری سے ملوث ہو چکا، ان کی سزا اوپر بیان کر دی گئی۔ اس آیتِ کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسے بدطینوں کو شرعی لحاظ سے اسلامی معاشرہ میں کبھی کوئی مقام نہیں ملا۔ ابتدائے زمانۂ اسلام میں زانیہ سے نکاح کرنا حرام تھا جو بعد میں منسوخ کر دیا گیا۔

شانِ نزول

مہاجرین کرام میں سے بعض نادار محض مسلمانوں نے جن کے پاس نہ کوئی مال تھا اور نہ کوئی ان کا مالدار عزیز و قریب۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس بات کی اجازت چاہی کہ "کسی دولت مند اور مالدار مشرکہ عورتوں سے اگر نکاح کر لیا جائے تو دوسری مصلحتوں کے علاوہ ان کی دولت بھی حاصل ہوگی جو مسلمانوں کے کام میں آئے گی۔" اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور انہیں اس سے روک دیا گیا۔

اس شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ مشرکہ سے مراد وہ مشرک عورت ہے جو حالتِ شرک میں ہو، نہ وہ کبھی زمانہ میں شرک میں مبتلا رہ چکی ہو اور اب توبہ کر کے مسلمان ہو چکی ہو اور اسلام قبول کر چکی ہو۔ اسی طرح زانیہ سے مراد بھی وہ عورت ہے جو فی الحال زنا جیسی شرمناک بیہودگی میں مبتلا ہو۔ نہ وہ جس سے کسی زمانہ میں یہ معصیت صادر ہوئی اور اب وہ تائب ہو کر پاکبازی کی زندگی گزار رہی ہو۔

ظاہر ہے کہ کوئی غیرت مند انسان ایسی پیشہ ور عورت کو جو شرم و حیاء کی چادر اتار کر بے حیائی و بے شرمی کا سراپا بن گئی ہو، اپنے نکاح میں لانا پسند نہیں کرے گا۔ پھر مسلمان کے لیے یہ کیسے حلال و جائز ہو سکتا ہے کہ ایسی بے عصمت عورت اس کے نکاح میں بھی رہے اور اپنا پیشہ بھی کماتی رہے۔ یوں بھی جس مسلمان کے دل میں ایمانی غیرت و حرارت ہے وہ ایسی عورتوں کو اپنے عقدِ نکاح میں لانا کیسے گوارا کر سکتا ہے، جو شرک و کفر کی باطنی نجاستوں سے ملوث ہے۔

آیۂ کریمہ کا ایک پہلو مسلمانوں کو یہ بتانا بھی ہے کہ باعتبارِ قباحت، زنا شرک کا عدیل ہے جبکہ ایمان، عفت و پاکدامنی کا قرین، تو اہلِ ایمان کو پیشہ ور عورتوں سے ایسی ہی نفرت و لاتعلقی کا اظہار کرنا چاہیے جیسا کہ وہ مشرکین سے روا رکھتے ہیں، اس لیے کہ

خبیثوں کی طرف میلان خبیثوں ہی کا ہوتا ہے۔ صالحین کو ان کی طرف کوئی رغبت نہیں ہوتی،
چونکہ جہاں طبیعتوں میں ایک دوسرے سے کھنچاؤ ہوگا وہاں باہمی الفت و رغبت کس طرح
پیدا ہوگی، تو مقصدِ نکاح بھی پورا نہ ہوگا۔

ف ابتدائے اسلام میں زانیہ سے نکاح کرنا حرام تھا اگرچہ وہ تائب ہوجاتے۔ بعد
میں یہ حکم آیۂ کریمہ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ سے منسوخ ہوگیا اور مسلمانوں کو اجازت
دی گئی کہ اصلاحِ احوال اور بدکاری سے توبۂ شرعیہ کے بعد زانی مرد کا نکاح، پاکدامن عفیفہ
عورت سے ہو سکتا ہے اور پیشہ ور عورت پاکدامن بن جائے اور اپنی اصلاح کرلے تو اس کا نکاح پارسا مسلمان مرد سے ہو سکتا ہے
اور فتاویٰ رضویہ میں فرمایا کہ زنِ فاحشہ سے (بھی) نکاح جائز ہے۔ اگرچہ تائب نہ ہوئی ہو،
ہاں اگر اپنے افعالِ خبیثہ پر قائم ہے اور یہ تا قدرِ قدرت انسداد نہ کرے تو دیوث ہے اور سخت
کبیرہ کا مرتکب، مگر یہ حکم اس کی بے غیرتی پر ہے۔ نفسِ نکاح پر اس سے اثر نہیں۔ حق سبحانہٗ
تعالیٰ نے محرمات گنا کر فرمایا "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ" گویا بدکار مرد کا پارسا
عورت سے نکاح ہو ہی جائے تو شریعت نے اسے بالکل باطل نہیں ٹھہرایا کہ سرے سے
نکاح منعقد ہی نہ ہو اور اس نکاح کے باوجود، فریقین بدکاروں میں شمار ہوں، ایسا نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا
بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً
وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ج وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں۔ پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو
انہیں اسّی کوڑے لگاؤ، اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں،
مگر جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور سنور جائیں تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۴)، (۵)

تشریح الالفاظ

یَرْمُوْنَ ۔ بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں، اس کا مادہ ہے، رَمْیٌ کے معنی ہیں
کسی پر تہمت لگانا، لیکن یہاں اس سے مراد ہے کسی پارسا بی بی پر زنا کی تہمت لگانا مُحْصَنٰتِ۔
سے مراد ہیں پاک دامن عورتیں، یعنی وہ عورتیں کہ آزاد ہوں، عاقل ہوں، بالغ ہوں اور کوئی
علامت زنا کی ان میں ظاہر نہ ہو۔ اَرْبَعَۃ چار۔ شُھَدَآءَ جمع ہے شاہد کی یعنی گواہ
اور یہاں مراد ہیں چشم دید گواہ۔ فَاجْلِدُوْا کوڑے لگاؤ۔ ثَمٰنِیْنَ اَسّی۔
جَلْدَۃً ضربِ تازیانہ۔ کوڑے کی مار۔ لَا تَقْبَلُوْا قبول نہ کرو۔ شَھَادَۃً کوئی گواہی۔
اَبَدًا ۔ کبھی۔ اُولٰٓئِکَ وہ لوگ۔ اَلْفٰسِقُوْنَ فسق میں گرفتار۔ مبتلائے گناہِ کبیرہ۔
تَابُوْا اس کا مادہ ہے توبہ۔ اَصْلَحُوْا۔ اصلاح سے بنایا گیا جس کے معنی ہیں اپنے
احوال و افعال کو درست کرلینا۔ غَفُوْرٌ بخشنے والا۔ رَحِیْمٌ مہربان، بندہ نواز۔

مطالب و مباحث

زنا کی قباحت و شناعت اور اس کا باعث لعنت الٰہی اور سخت ترین سزاؤں کا موجب
ہونا ابھی اوپر بیان کیا گیا۔ اب دوسرا حکم تہمتِ زنا کے بارے میں ہے اور اس کے بعد لعان
کا حکم آرہا ہے۔ ان دونوں حکموں کے درمیان، تہمتِ زنا کے بارے میں اس حکم کا آنا صاف
بتا رہا ہے کہ یہاں الزام سے مراد، مخصوص طور پر زنا کا الزام لگانا ہے جسے اصطلاحِ شرع

میں قذف کہا جاتا ہے۔ اس حکم کا منشا یہ ہے کہ معاشرہ میں اگر ڈھکے چھپے کوئی ایسی نامعقول حرکت دیکھنے میں بھی آجائے، تو ایسی ناجائز آشنائی اور تعلق کے چرچے کو پھیلایا نہ جائے۔ کیونکہ اس سے خود بے شمار برائیاں پھیلیں گی اور غیر محسوس طریقہ پر معاشرہ گندا ہوتا چلا جائے گا۔ گندگی جہاں ہے، وہیں پڑی رہے اور اس پر خاک ڈال دی جائے۔ یہ اچھا، یا اسے کرید کرید کر اور پھیلا دیا جائے یہ اچھا؟

ے پارسا عورتوں سے مراد وہ پاک دامن عورتیں ہیں جو آزاد و مکلف ہوں اور جن کا بدکار و بدچلن ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو اور کوئی علامت زنا کی ان میں ظاہر نہ ہو، اور وَالَّذِيْنَ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تہمت کی یہ سزا جو آیہ کریمہ میں بیان کی جا رہی ہے۔ صرف ان مردوں تک محدود ہے جو نیک چلن مسلمان بیبیوں پر تہمت لگائیں۔ بلکہ جو عورتیں دوسری نیک اور پارسا عورتوں پر، یا پارسا اور صالح مردوں پر تہمت لگائیں۔ یہ حکم انہیں بھی شامل ہے اور وہ بھی اس حکم میں داخل ہے اور ان پر بھی حد قذف کا اجراء لازم۔ پھر یہاں تہمت سے مراد ہر قسم کی تہمت نہیں، بلکہ مخصوص طور پر زنا کی تہمت لگانا ہے، مثلاً کسی کو زانی یا زانیہ کہہ دینا یا کسی سے یہ کہہ دینا کہ تو زانیہ کا بیٹا ہے جبکہ اس کی ماں ہے پارسا۔ یونہی حقیقۃً عورت کو رنڈی یا کسبی کہہ دینا، کہ یہ لفظ انہیں کے لیے ہیں جنہوں نے زنا کو بطور پیشہ اختیار کر لیا ہے۔

ے اللہ اللہ! شریعتِ مطہرہ نے جس قدر احتیاط اس بارے میں فرمائی۔ دوسرے معاملات میں آئی۔ یہ بات ثابت ہو جانے کے بعد کہ کسی مرد یا عورت نے کسی پارسا مرد یا عورت پر زنا کا الزام لگایا تو جو چیز اسے سزا سے بچا سکتی ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ وہ چار ایسے گواہ، حاکمِ اسلام کے روبرو پیش کرے جنہوں نے اپنی آنکھ سے مرد و زن کو زنا میں ملوث دیکھا ہو اور وہ بھی یوں کہ مرد کا اندام، عورت کے اندام میں اس طرح جیسے سرمہ دانی میں سلائی۔

اور یہ کہاں متصور؟ تو سلامتی کی راہ یہی ہے کہ بات جہاں ہے وہیں رہنے دیں۔ بالفرض اگر اس تہمت لگانے والے نے، اپنی آنکھوں سے بھی یہ معاملہ دیکھا، تب بھی اسے خاموش رہنا چاہیے تاکہ گندگی جہاں ہے، وہیں پڑی رہے آگے نہ بڑھے۔ ورنہ اگر چار گواہوں سے یہ تہمت ثابت نہ کر سکا، تو فریقِ ثانی کے مطالبہ پر اپنی پیٹھ پر، اَسّی کوڑے کھانے کے لیے تیار رہے۔

ذرا اندازہ تو لگائیے کہ شریعتِ مطہرہ کو مسلمان مرد و عورت کی عزت و آبرو، اور عصمت و پاک دامنی کتنی عزیز ہے اور ان کی ناموس کی حفاظت کا کس قدر اہتمام فرمایا گیا ہے۔

ف۱۰ کسی پارسا مسلمان مرد خواہ عورت کی طرف نسبتِ زنا کرنے والا، اگر چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکے، تو اس کے لیے شریعتِ مطہرہ سے تین حکم ثابت ہیں:

(۱) اس پر حد واجب ہے، یعنی مقذوف (فریقِ ثانی) کے مطالبہ پر اَسّی کوڑے مارے جائیں گے۔

(۲) وہ مردود الشہادۃ ہے کہ اس کی گواہی کسی معاملہ میں مقبول نہیں، اگرچہ وہ توبہ کر لیں، ہاں عبادات میں قبول ہے۔

(۳) وہ بڑے بے باک و جری اور فسق و نافرمانی کے مرتکب ہیں کہ اگر واقعۃً انہوں نے جان بوجھ کر یہ تہمت تراشی جب تو ظاہر ہے کہ ایسے خطاب ہی کے مستحق ہیں اور اگر یہ اپنے بیان میں سچے ہیں، لیکن جانتے ہیں کہ چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکیں گے تو پھر ایسی بات منہ سے نکالی کیوں؟ جس سے ایک پاک دامن کی آبرو ریزی ہوئی اور اس کی نیک نامی اور پارسائی و پاک دامنی پر حرف آتا ہے اور معاشرہ تباہ ہوتا ہے۔

ف۱۱ جو شخص کسی پارسا مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگاتے اور اس پر معائنہ کے چار گواہ پیش نہ کر سکے، اس کے لیے قرآن کریم نے تین باتیں بیان فرمائیں،

(۱) اس پر حد واجب ہوتی ہے ۸۰ تازیانے (۲) ایسے لوگ جو زنا کی تہمت میں سزایاب ہوچکے ہوں، وہ مردود الشہادۃ ہیں، ان کی گواہی کسی معاملہ میں قبول نہ کی جائے گی (۳) یہ کہ وہ فاسق و نافرمان ہیں۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ استثناء کا تعلق حکم اول سے نہیں کہ توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی اور نہ یہ استثنا حکم ثانی سے متعلق ہے کہ ایسے نفرت انگیز اتہام کے بعد اگر یہ شخص توبہ کر بھی لے، تاہم معاملات میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی، لہٰذا اس استثنا کا تعلق صرف حکم ثالث سے ہے، یعنی یہ لوگ جو شرعاً نہایت بیباک فاسق و فاجر، نافرمان و مرتکب کبائر ہیں۔ اگر اپنے احوال و افعال کو درست کرلیں اور اپنی اس ناگفتنی حرکت سے توبہ شرعیہ اور اپنی اصلاح کرلیں، تو اس توبہ و اصلاح حال کے بعد ان مجرموں کا شمار فاسقوں اور فاجروں میں نہ ہوگا کہ اللہ غفور، رحیم ہے، اگرچہ پہلے دونوں حکم اس کے باوجود برقرار رہیں گے۔ (مدارک و احکام القرآن)

تنبیہ

توبہ صرف اس کا نام نہیں کہ آدمی اپنی زبان سے "توبہ توبہ" کے الفاظ دہراتا رہے، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ میں نے توبہ کا حق ادا کر دیا، بلکہ توبہ کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنے پچھلے جرائم اور گزشتہ نا کردنیوں سے باز آ جائے، اس پر سچے دل سے نادم اور آئندہ کے لیے عزم بالجزم کرلے کہ اس جرم کے قریب نہ جائے گا۔ پھر جن گناہوں سے صرف حقوق اللہ کی خلاف ورزی ہوتی، مثلاً کوئی نماز چھوڑ دی، روزہ چھوٹ گیا، زکوٰۃ ادا نہ کی، تو ان کے لیے محض توبہ و استغفار کافی ہے کہ اس کا تعلق صفات رحمانیت و رحیمیت سے ہے، لیکن جن گناہوں سے بندوں کی حق تلفی لازم آتی ہے مثلاً قتل، چوری، رشوت، فساد و بدامنی تو ان کے لیے ضروری ہے کہ ہر گناہ کے ضرر کا عملی تدارک کرے اور پھر صاحب حق سے معافی مانگے تب کہیں جا کر معافی ہوگی کہ یہاں معاملہ حق تعالیٰ کی صفت عدل سے وابستہ ہے

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞

اور جو اپنی عورتوں کو عیب لگائیں اور ان کے پاس اپنے بیان کے سوا گواہ نہ ہوں، تو ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے۔ اللہ کے نام سے کہ وہ سچا ہے۔ اور پانچویں یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو۔ (۶) (۷)

تشریح الالفاظ

اَزْوَاج۔ جمع ہے زوج کی۔ اس کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر یکساں ہے، جبکہ زَوْجَۃ صرف عورت کے لیے مستعمل ہے۔ اَنْفُسْ جمع ہے نفس کی بمعنی جان۔ یہاں مراد ہے صرف اپنا بیان۔ وَلَمْ یَکُنْ شُھَدَآءُ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی بینہ، کوئی شرعی ثبوت اپنے دعویٰ پر موجود ہے۔ فبہا۔ یعنی اس پر لعان نہیں لیکن اگر ثبوتِ شرعی یعنی چار گواہ پیش نہ کر سکے تو پھر خود اس کی اپنی چار بلکہ پانچ گواہیاں، ان کے قائم مقام قرار دی جائیں گی۔ الصّٰدِقِیْنَ جمع ہے صادق کی۔ یہ لفظ مشتق ہے صدق سے بمعنی سچائی۔ اَلْکَاذِبِیْنَ جمع ہے کاذب کی، جو کذب سے مشتق ہے۔ یہ لفظ صدق کا

مقابل ہے یعنی جھوٹ - خلافِ واقعہ قصداً کسی بات کا زبان سے نکالنا - لَعْنَة رحمتِ الٰہی سے دوری و محرومی - اسی کا مفعول ہے مَلْعُوْن بمعنی مردودِ بارگاہِ الٰہی۔

مطالب و مباحث

اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ کا یہ تیسرا حکم ہے۔ عادۃً کسی غیر عورت پر کسی دنیاوی عداوت یا دوسروں کی رسوائی و فضیحت کے باعث ایسی تہمت جڑ دینا تو کسی ناخدا ترس کے لیے کوئی دشوار و مشکل نہیں، لیکن خود اپنی بیوی کو اس فعل بد سے متہم کرنا خود اس کے اپنے لیے بھی بدنامی اور بے عزتی کا موجب ہے، اس لیے جب تک کوئی سبب قوی اور محرک واقعی نہ ہو، آدمی اس پر جرأت نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم اس آیہ کریمہ میں اس مشکل کو حل فرماتا ہے۔

لے غیر مرد اور غیر عورت کی بدچلنی دیکھ کر آدمی تو صبر کر سکتا ہے کہ زبان پر قفل چڑھا لے اور اس معاملہ کو نظر انداز کر کے خاموشی اختیار کر لے، لیکن اگر خود اپنی بیوی کی بدچلنی دیکھ لے تو کیا کرے ؟ قتل کر دے، تو الٹا سزا کا مستوجب ہوگا۔ گواہ ڈھونڈتے جاتے تو ان کے آنے تک مجرم کہاں ٹھہرا رہے گا اور صبر کرے تو آخر کیسے کرے ؟ طلاق دے کر عورت سے چھٹکارا تو حاصل کر سکتا ہے، مگر ایسے ناخدا ترس مردوں اور عورتوں کو کسی قسم کی مادی یا اخلاقی سزا نہ ملی تو یہ مرض معاشرہ کو فاسد کر دے گا۔ بے باکوں کی جرأتیں بڑھیں گی اور خانگی نظام تباہ و برباد ہوگا۔ شوہر بیوی سے کشاں کشاں رہے گا تو خانہ بربادی ہوگی۔ پھر وہ سکون کہاں نصیب ہوگا جس کے لیے ازدواجی بندشیں وقوع میں آتی ہیں۔

اسلام نے "ناجائز آشنائی" کا بھی سدِ باب کیا اور ایسے مرد و عورت کو حکم دیا کہ اپنا اپنا حلفیہ بیان دیں۔ اس بیانِ حلفی کا نام اصطلاحِ شریعت میں لعان ہے۔ قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ میں اسی لعان کا ذکر ہے۔

لے الزامِ بدکاری کے عام ثبوت کا تو قاعدہ یہی ہے کہ تہمت لگانے والا چار چشم دید گواہ

پیش کرے، لیکن شوہر جب اپنی عورت پر زنا کی تہمت لگائے۔ اس طرح پر کہ اگر کسی اجنبیہ عورت پر لگاتا، تو حدِ قذف (تہمتِ زنا کی حد) اس پر لگائی جاتی، یعنی عورت عاقلہ بالغہ آزاد مسلمان اور پارسا ہو اور چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکے، تو لعان کیا جائے گا اور خود اس تہمت لگانے والے کی یہ پانچ بار کی حلفی شہادت، قائم مقام چار گواہوں کے سمجھی جائے گی اور بیوی پر حدِ زنا جاری کردی جائے گی۔

اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ قاضی کے روبرو، پہلے شوہر قسم کے ساتھ چار مرتبہ شہادت دے، یعنی یہ کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے جو اس عورت کو زنا کی تہمت لگائی اس میں خدا کی قسم میں سچا ہوں۔ پھر پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر خدا تعالیٰ کی لعنت اگر میں اس پر زنا کی تہمت لگائی جھوٹ بولنے والوں میں سے ہوں اور ہر بار لفظ "اس" سے عورت کی طرف اشارہ کرے۔ اتنا کرنے کے بعد مرد پر سے حدِ قذف ساقط ہو جائے گی اور عورت پر لعان واجب ہوگا۔

چنانچہ پھر عورت چار مرتبہ یہ کہے کہ میں شہادت دیتی ہوں، خدا کی قسم اس نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے، وہ اس بات میں جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر یہ اس بات میں سچا ہو جو مجھے زنا کی تہمت لگائی۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٨﴾ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

اور عورت[۸] سے یوں سزا ٹل جائے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چار بار گواہی دے کہ مرد جھوٹا ہے۔ اور پانچویں بار یوں کہ عورت پر غضب[۹] اللہ کا اگر مرد سچا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل[۱۰] اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ توبہ قبول فرمانا حکمت والا ہے، تو تمہارا پردہ کھول دیتا۔ (۸) (۹) (۱۰)

تشریح الالفاظ

یَدْرَءُ۔ بمعنی یَدْفَعُ یعنی دفع ہو سکتا ہے، ٹل سکتا ہے۔ عَنْهَا۔ اس عورت سے۔ اَلْعَذَابَ یعنی دنیاوی سزا۔ اَنْ تَشْهَدَ۔ یوں کہ عورت گواہی دے۔ غَضَبَ اللّٰهِ۔ اللہ کا غضب۔ یعنی ایسے قبیح فعل کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کا آخری نتیجہ۔ اور عورت کی اس حلفیہ شہادت میں غَضَبَ اللّٰہِ فرمایا گیا جبکہ مرد کی حلفیہ گواہی میں لَعْنَۃُ اللّٰہِ کا لفظ ارشاد ہوا ہے اور وجہ اس تخصیص کی یہ ہے کہ عورتوں میں بات بات پر لعن طعن چونکہ کثیر الوقوع ہے اور ان کی نگاہوں میں لعنت کی وہ وقعت نہیں جو ہونی چاہیے اور ممکن ہے کہ وہ اس موقع پر بھی حسبِ عادت، اس قول کی جسارت کر بیٹھیں، اس لیے ان کے حلفیہ بیان کو زیادہ موثر و باوقعت بنانے کے لیے عورت کو اس لفظ کا پابند بنایا گیا (ابی السعود وغیرہ) وَلَوْلَا حرفِ شرط ہے اور جواب اس کا محذوف ہے۔ مقصودِ کلام یہ ہے کہ اگر فضل و رحمتِ الٰہی شاملِ حال نہ ہو تو نافرمانی پر مترتب ہونے والی سزا کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور وہ سزا یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ تمہارا پردہ فاش کر دے یا یہ کہ تمہیں ساری عمر ان خانگی پیچیدگیوں سے نجات نہ ملے۔

مطالب و مباحث

ف[۸] اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے والا شوہر اگر لعان سے انکار کر دے یا

پہلو تہی کرے تو اسے قید کیا جائے گا اور اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا کہ لعان کرے یا کہے میں نے جھوٹ کہا تھا۔ اگر جھوٹ کا اقرار کرے تو اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی، جس کا بیان اوپر گزرا۔

اور اگر شوہر نے لعان کے الفاظ کہہ لیے تو اب عورت سے کہا جائے گا کہ وہ لعان کرے (شوہر کے لعان کر لینے کے بعد عورت لعان سے پہلو تہی کرے، تو اسے بھی قید کر دیا جائے گا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے گا، جب تک وہ لعان پر آمادہ نہ ہو جائے اور لعان نہ کرے یا پھر شوہر کی تصدیق اور اپنے زنا کا اقرار نہ کر لے۔

اور اگر عورت نے اپنے زنا کا اقرار کر لیا تو اقرارِ زنا کی شرائط کے مطابق اس پر حدِ زنا قائم ہوگی اور اگر لعان کرنا چاہے تو اس کو چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ چار مرتبہ کہنا ہوگا کہ مرد جو اس پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے، وہ اس تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یہ کہنا ہوگا کہ اگر مرد اس الزام میں سچا ہو تو اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اس عورت پر (اور لفظ اس سے اشارہ اپنی جانب کرے گی) اب اگر عورت نے بھی یہ الفاظ کہہ لیے تو اس سے حدِ زنا ساقط ہو جائے گی اور لعان کے بعد قاضی کے تفریق کر دینے سے فرقت واقع ہوگی، بغیر اس کے نہیں، بلکہ لعان سے فارغ ہوتے ہی اس عورت سے صحبت اور دواعی وطی، بوس و کنار وغیرہ سب حرام ہو گئے، مگر فقط لعان کے باعث نکاح سے خارج نہ ہوتی بلکہ لعان کے بعد حاکمِ اسلام تفریق کر دے گا اور یہ تفریق بائنہ ہوگی اور عورت مطلقہ بائن ہو جائے گی۔ اور اگر لعان کے بعد وہ دونوں علیحدہ ہونا نہ چاہیں، جب بھی تفریق کر دی جائے گی۔ تفصیلی احکام کتبِ فقہ میں دیکھیں۔

۵؎ آیتِ کریمہ میں خطاب، امت کے سارے مردوں اور عورتوں کو ہے اور بتایا یہ جا رہا ہے کہ اگر حکمِ لعان مشروع نہ ہوتا، تو قذف کے عام قاعدے کے بموجب، زوج پر حدِ قذف لازم آتی، اگر وہ چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکتا۔ اور اگر خاموش رہتا تو عمر بھر خون کے گھونٹ

پیتے بسر ہوجاتی۔ دوسری جانب اگر محض خاوند کے قسم کھا لینے پر زنا کا ثبوت ہوجایا کرتا تو عورت کی زندگی وبالِ جان بن جاتی اور وہ ہر وقت خطرات میں گھری رہتی۔ ناخدا ترس شوہر جب چاہتے انہیں بیک بینی ودو گوش نکال باہر کرتے اور یہ الزام لگا کر ان کی عزت و آبرو بلکہ زندگی الگ داؤ پر لگا دیتے۔ اسی طرح اگر محض عورت سے قسم لی جاتی اور اسی کی قسم پر فیصلہ شرعی صادر کردیا جاتا اور اسے اس تہمت سے بری قرار دے دیا جاتا تو مرد پر قذف واجب ہوتی، جبکہ اس کا صادق القول ہونا بھی محتمل ہے، اس لیے اس حکیم مطلق نے لعان کا حکم مشروع فرمایا تاکہ مرد اور عورت میں جو سچا ہے، وہ اس دنیاوی سزا سے بچ جائے اور اگر ان میں سے کوئی قصور وار ہے تو لعان کی نوبت آنے سے پہلے ہی بارگاہِ الٰہی میں توبہ و رجوع لائے۔ اور ایسا پُر حکمت قانون جس میں ہر ایک کی رعایت ہے، ظاہر ہے کہ محض فضلِ خداوندی ہے۔

احکام و فوائد کا خلاصہ

اس رکوع میں جو ہدایات دی گئی ہیں، ان کا ماحصل یہ ہے :

(۱) زناکار مرد اور زناکار عورت دونوں کا حکم یہ ہے کہ ثبوتِ زنا کے بعد امرائے اسلام یعنی حکام اس کے حکم کا نفاذ کریں اور ہر ایک کے سو سو کوڑے ماریں۔

(۲) یہ حکم مؤکد ہے اس میں ترمیم و تخفیف کا اختیار حاکمِ اسلام کو بھی حاصل نہیں۔

(۳) بے جا مروت و رعایت اور بے محل نرمی و شفقت برتنا حکم عدولی بھی ہے اور اسلامی معاشرہ کی پاکیزگی میں غلاظت و گندگی پھیلنے کا موجب بھی۔

(۴) سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود رہے تاکہ ایسے مجرموں کی اچھی طرح تشہیر و تفضیح ہوجائے اور ہر شخص اپنی رسوائی سے ڈرے اور ساتھ ہی عبرت بھی پوری طور پر حاصل ہوتی ہے۔

(۵) زانیہ و زانیہ معاشرہ کے بدترین افراد ہیں اور اسی قابل ہیں کہ ایمان والے مرد و عورت ان سے دور دور رہیں۔ ہاں اگر وہ واقعی تائب ہو کر پاکباز بن جائیں اور آئندہ ان سے کسی ایسی حرکت کے صدور کا اندیشہ نہ ہو تو وہ اسلامی خاندان کا جزو بن سکتے ہیں۔

(۶) پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے والے، اگر ثبوت فراہم نہ کر سکیں، تو ان پر حدِ قذف جاری ہوگی اور توبہ کے بعد بھی معاملات میں ان کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔

(۷) اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگانے والے لعان کے پابند ہیں۔ وہ لعان کرنا چاہیں یا اپنے جھوٹ کا اقرار کریں، تو ان پر حدِ قذف جاری رہے گی اور لعان کر لیں گے تو وہ بری الذمہ ہیں، یعنی اب حدِ قذف ان سے ساقط ہو جائے گی۔ و علیٰ ہذا عورت بھی لعان کی پابند ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾

بیشک وہ کہ یہ بڑا بہتان[ف۱] لائے ہیں، تمہیں میں[ف۲] سے ایک جماعت ہے۔ اسے اپنے لیے بُرا نہ سمجھو۔ بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر[ف۳] ہے۔ ان میں ہر شخص کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور ان میں[ف۴] وہ جس نے سب سے بڑا حصہ لیا، اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (۱۱)

تشریح الالفاظ

اِفْكٌ۔ سراسر بہتان، ایسی بات جس کا سر ہو نہ پیر، یعنی حقیقت کے خلاف کچھ

سے کچھ۔ بہتان تراشی کی انتہا، جس کا صداقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ عُصْبَۃٌ گروہ۔ جماعت۔ قلیل۔ مِنْكُمْ۔ تمہیں میں سے۔ لَا تَحْسَبُوْہُ۔ اسے گمان کرو۔ شَرًّا لَّكُمْ۔ اپنے حق میں برا۔ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ بہتر ہے تمہارے حق میں۔ یہ خطاب ہے خصوصًا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت صدیقہ عائشہ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاندان سے۔ جو براہِ راست اس اتہام کی بنا پر ملول تھے اور عمومًا ان مسلمانوں سے جنہیں قدرۃً اس موقع پر غم بھی تھا اور غصہ بھی۔ اِكْتَسَبَ۔ اکتساب سے بنایا گیا۔ کمایا۔ اَلْاِثْمِ۔ گناہ و نافرمانی۔ تَوَلّٰى۔ متولی ہوا۔ حصہ لیا۔ كِبْرَہٗ۔ مراد اس سے منافقوں کا سردار عبد اللہ بن اُبَی ہے کہ بڑے عذاب میں گرفتار ہو گا، اور وہ عذاب ہے دوزخ کا۔

مطالبُ مباحث

؁ بڑے بہتان سے مراد وہ سازش ہے جو دشمنانِ اسلام نے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی روز افزوں عزت و شوکت کو دیکھ کر اپنے دل کی آگ بجھانے کے لیے حضور سید المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجہ مبارکہ تقیہ، نقیہ، عفیفہ، طیبہ، طاہرہ، معصومہ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عزت و ناموس کے خلاف کی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم غزوۂ بنی مُصطلق سے جب مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے، تو قریب مدینہ آپ کا قافلہ ایک پڑاو پر ٹھہرا۔ ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمراہ تھیں اور آپ کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، اس پر ہودج تھا۔ آپ ہودج میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمّال ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے۔ آپ ہلکی پھلکی کم سن تھیں۔ کوچ سے ذرا دیر پہلے ام المومنین رضی اللہ عنہا رفع حاجت کے لیے کسی گوشہ میں تشریف لے گئیں، وہاں اتفاق سے آپ کا ہار ٹوٹ گیا اس

کی تلاش میں مصروف ہو گئیں۔ واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ کوچ کر گیا ہے۔ ہودج پر چونکہ پردے پڑے ہوئے تھے، اس لیے جمالوں کا خیال بھی ادھر نہ گیا کہ آپ ہودج میں موجود نہیں ہیں۔ جب آپ آئیں اور قافلہ کو نہ پایا، تو اسی جگہ بیٹھ گئیں اور یہ خیال فرمایا کہ آگے چل کر جب میری تلاش ہوگی اور میں نہ ملوں گی تو قافلہ ضرور واپس ہوگا۔ رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا اور آپ وہیں لیٹ گئیں۔

قافلے کے پیچھے گری پڑی چیز اٹھانے کے لیے حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہا کرتے تھے۔ وہ جب صبح سویرے یہاں پہنچے تو دیکھا کوئی انسان سو رہا ہے۔ قریب پہنچے اور انہوں نے آپ کو دیکھا تو بلند آواز سے بے اختیار پکار اٹھے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس آواز سے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ کھل گئی تو آپ نے کپڑے سے پردہ کر لیا۔ انہوں نے اپنی اونٹنی بٹھائی اور ام المومنین پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ اور حضرت صفوان اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے پاپیادہ قافلے سے آملے۔

بات کچھ بھی نہ تھی، لیکن منافقین سیاہ باطن نے اوہام فاسدہ پھیلائے۔ ان کے سردار عبداللہ بن اُبَی کو ایک شگوفہ ہاتھ آگیا، اپنی خباثت سے اس نے خوب خوب حاشیہ آرائی کی اور گنتی کے بعض مسلمان بھی ان کے فریب میں آگئے اور ان کی سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق و تفتیش دہرانے لگے اور ان کی زبان سے بھی کوئی کلمہ بے جا سرزد ہو گیا۔ اس قسم کے تذکروں اور شہرتوں سے ظاہر ہے کہ ہر پاکیزہ خصلت مسلمان، بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سخت اذیت پہنچی ہوگی، لیکن بلا تحقیق زبان مبارک سے کوئی کلمہ ادا نہ فرمایا۔

ادھر حضرت ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار رہیں اور اس زمانہ میں انہیں اطلاع نہ ہوئی کہ منافقین آپ کی نسبت کیا بک رہے ہیں۔ ایک روز ام مسطح سے انہیں یہ خبر معلوم ہوئی تو شدتِ غم سے آپ کا مرض اور بڑھ گیا کہ صنفِ لطیف کے لیے ایسا موقع سخت اذیت

روحانی کا ہوتا ہے، لیکن اس وقت بھی ان کی قوتِ ایمانیہ اور پاکی فطرت کی عجیب شان نظر آئی۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنہیں آپ کی پاکدامنی کا خود بھی یقین واثق تھا۔ آپ سے اس بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے میکے والوں سے جو اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے، مخاطب ہو کر فرمایا،

"اگر میں کہوں گی کہ میں پاک دامن اور اس تہمت سے بَری ہوں، تو میری بات پر آپ لوگ باور نہ کریں گے، اور اگر میں کسی بات کا اقرار کر لوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بَری ہوں، تو اس کا یقین کر لیا جائے گا؟ پس اندریں حالت میں اپنے لیے صرف حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثال پاتی ہوں جنہوں نے کہا تھا"

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ط وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

(کہ آزمائش کے وقت صبر ہی اچھا اور اللہ ہی مدد چاہتا ہوں، ان باتوں پر جو تم بناتے ہو۔)"
پھر آپ کروٹ بدل کر لیٹ گئیں۔

حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود فرماتی ہیں کہ مجھے اپنی پاکدامنی کی وجہ سے یقین تھا کہ میری برأت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رویا میں بتا دیا جائے گا، مگر اس کا مجھے شان گمان بھی نہ تھا کہ میرے حق میں وحیِ الٰہی کا نزول ہوگا۔ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہ سمجھتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی وہیں تشریف فرما تھے کہ نزولِ وحی کے آثار نمایاں ہونے لگے اور جب وہ کیفیت ختم ہوئی، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسکرا رہے تھے اور پہلی بات جو آپ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی: "اے عائشہ! خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری برأت ظاہر فرما دی۔"

غرض ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے محبوبۂ محبوب کی طہارت و پاکی پر خود گواہی دی اور آپ کی عزت و امتیاز کو بڑھایا، ان کو طیبہ و طاہرہ ٹھہرایا اور خبر دی کہ

مغفرت اور رزقِ کریم ان ہی کے لیے ہے۔ نیز یہ بھی بتایا کہ اس بہتان تراشی سے ان کی شان میں ذرا بھی فرق نہ آیا، بلکہ ان کا رتبہ اور بھی بڑھ گیا۔ اگر چاہتا ایک ایک درخت اور پتھر سے گواہی دلواتا، مگر منظور یہ ہوا کہ ان کی طہارت و پاکیزگی پر خود گواہی دے، تاکہ ان کی طہارت و پاکی کی آواز سے زمین و آسمان گونج اٹھیں۔ وہ وحی اُتری جس کی قیامت تک نمازوں اور محرابوں میں تلاوت کی جائے گی اور جب اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ کو کوئی بھی ایمان والا شخص پڑھے گا تو اسے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی و طہارت کا اندازہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاکی اور طہارت سے کرنا ہوگا۔

اس دوران میں سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برسرِ منبر تقسیم فرمادیا تھا کہ مجھے اپنے اہل کی پاکی و خوبی بالیقین معلوم ہے۔ تو جس شخص نے ان کے حق میں بدگوئی کی ہے، اس کی طرف سے میرے پاس کون معذرت کر سکتا ہے؟"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "منافقین بالیقین جھوٹے ہیں اور ام المومنین بالیقین پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ پاک کو مکھی کے بیٹھنے سے محفوظ رکھا کہ وہ نجاستوں پر بیٹھتی ہے، کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو بد عورت کی صحبت سے محفوظ نہ رکھے۔"

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ کی طہارت بیان کی اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑنے دیا تاکہ اس سایہ پر کسی کا قدم نہ پڑے تو جو پروردگار آپ کے سایہ کو محفوظ رکھتا ہے کس طرح ممکن ہے کہ وہ آپ کے اہل کو محفوظ نہ رکھے۔"

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ نے فرمایا: "ایک جُوں کا خون لگنے سے پروردگارِ عالم نے آپ کو نعلین اتارنے کا حکم دیا تو جو پروردگار آپ کی نعل شریف کی اتنی سی آلودگی کو گوارا نہ فرمائے، ممکن نہیں کہ وہ آپ کے اہل کی آلودگی گوارا کرے۔"

اسی طرح بہت سے صحابہ اور بہت سی صحابیات نے قسمیں کھائیں۔ان آیاتِ کریمہ کے نزول سے قبل ہی حضرت ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے پاکیزہ خصلت، پاکیزہ مزاج مسلمانوں کے قلوب پوری طرح مطمئن تھے۔ ان آیاتِ کریمہ کے نزول کے بعد ان کا عزّ و شرف اور زیادہ بڑھ گیا، تو بدگویوں کی بدگوئی اللہ اور اس کے رسول اور صحابہ کبار کے نزدیک باطل ہے اور بدگوئی کرنے والوں کے لیے سخت عذاب اور مصیبت کا سامنا کرنا ہوگا۔ ۱۲

ے یعنی طوفان اٹھانے والے خیر سے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ یا سچ، اسلام کا نام لیتے اور اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہیں، ان میں سے چند افراد نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ لوگ نادانستہ طور پر ان کی عیاریوں اور چرب زبانی کا شکار ہو گئے۔ ان میں ایک تو وہی منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبَی ہے اور باقی تین مسلمان، دو مرد حسانؓ بن ثابت اور مسطحؓ اور تیسری ایک عورت حمنہؓ بنت جحش۔ ۱۲

ث یعنی جن کی ذات پر یہ تہمت لگائی گئی، انہیں تو خیر قدرۃً اس موقع پر غم و غصہ ہونا ہی چاہیے تھا جبکہ عام صحابہ کرام بھی اس خواہ مخواہ کی بدنامی اور رسوائی پر بہت ملول تھے، لیکن خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جن کی عزت و ناموس پر حملہ تھا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان اور دوسرے جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہ صرف ایک روز، ہفتہ دو ہفتہ بلکہ مسلسل ایک ماہ تک صبر و سکون سے سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ قرآن کریم انہیں تسلی دے رہا ہے کہ تمہیں جو حزن و ملال پہنچا، وہ اگرچہ ایک طبعی امر تھا، لیکن اس میں جو حکمتیں پوشیدہ تھیں، انہیں بھی تو تصور میں لاؤ کہ تم نے کیا پایا اور تمہارے طفیل اُمت کو کیا ملا:

(۱) ایک ماہ تک ان ہولناک اذیتوں پر صبرِ مسلسل پر ثوابِ عظیم۔

(۲) عبداللہ بن اُبَی جیسے منافق جو چاہتے تھے اُس کا حصول تو درکنار، نتیجہ اس کے برعکس

نکلا اور مسلمانوں کی اخلاقی برتری نمایاں سے نمایاں تر ہو گئی۔

(۳) پھر اس بدنامی اور رسوائی پر جو اجرِ عظیم ملا اُس کا تصور کرو کہ کیسا عظیم ہے اور یہ نعمت بھی کتنی عظیم ہے کہ خود قرآن کریم تمہاری برأت و پاک دامنی پر گواہی دے رہا ہے۔

(۴) اس ایک واقعہ سے ایک عام ضابطہ و قانون و احکام بھی ساری امت کو ہمیشہ کے لیے مل گیا اور یہ واقعہ اسلام کے قوانین و احکام اور تمدنی ضابطوں میں بڑے اہم اضافوں کا موجب بن گیا، اس کی بدولت مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی ہدایات حاصل ہوئیں جن پر عمل پیرا ہو کر مسلم معاشرہ کو پاکیزہ سے پاکیزہ تر بنایا جا سکتا ہے۔

(۵) خواص کو یہ سبق ملا کہ وہ منکرین کے طعن و تشنیع و انکار و جدال سے بددل اور غمگین نہ ہوں، اس سے ان کے مراتب میں اور ترقی ہوتی ہے۔

(۶) عام مسلمانوں کو یہ بتایا کہ وہ کسی کی عقیدت کے اندھے جوش میں گرفتار ہو کر غلو اور مبالغہ سے کام نہ لیں، صبر و سکون کو اپنائیں۔

(۷) اذیتوں اور مشقتوں پر صبر و تحمل کا نتیجہ ہمیشہ اچھا ہی نکلتا ہے۔ ۱۲

۱۹؎ روایات میں صرف چند آدمیوں کے نام ملتے ہیں، جو ان افواہوں میں مبتلا ہوئے یا باوجود شرفِ صحابیت، عبداللہ بن اُبَیّ منافق کی سازش کا شکار ہو گئے، انہیں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ جس شخص نے اس فتنہ میں جتنا حصہ لیا، اسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا، مثلاً کسی نے طوفان اٹھایا اور خوب مزے لے لے کر واہی تباہی باتوں کو پھیلایا۔ کسی نے بہتان اٹھانے والوں کی زبانی موافقت کی۔ کوئی ہنس دیا اور کسی نے بہتان کو خاموشی سے سُن لیا اور تردد میں پڑ گیا۔ ان میں سے ہر ایک بقدر اپنے عمل کے اس کا بدلہ پائے گا۔ حدیث پاک میں مروی ہے کہ ان بہتان لگانے والوں پر بحکم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حدِ قذف قائم کی گئی اور اسی تازیانے ان پر برسائے گئے۔ ۱۲

۲۰؎ یہ سب سے بڑا حصہ لینے والا اس الزام کا اصل مصنف اور فتنے کا اصل بانی

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ تھا، جس نے اپنے دل سے یہ طوفان اٹھایا، اسے شہرت دی۔ یہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا، انہیں ابھارتا اور پھر نہایت عیاری سے اپنا دامن بچاکر دوسروں سے اس کی اشاعت و تشہیر کا کام لیتا۔ اس کے لیے آخرت میں تو سخت ہولناک عذاب ہے ہی، لیکن دُنیا میں جو ذلت و خواری اسے نصیب ہوئی، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ تا قیامِ قیامت اسی ذلت و خواری سے یاد کیا جاتا رہے گا، جبکہ وہ عذابِ دوزخ کا مستحق تو اپنے کفر و نفاق اور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عداوت کے باعث پہلے ہی تھا۔ اب اور زیادہ عقوبت و عذاب کا مستحق ہو گیا۔ ۱۲

مسلمان مرد اور عورتیں خوب یاد رکھیں کہ اب بھی عبداللہ بن اُبَیّ کی موافقت میں جو کلمہ گو زبان درازی و گستاخی کا مرتکب ہوا اور ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا محبوبہ محبوب رب العالمین (جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر معاذ اللہ تہمتِ ملعونہ افک سے اپنی زبانِ ناپاک کو آلودہ کرے، وہ قطعاً یقیناً کافر ہے کہ تکذیب کرتا ہے، صریح آیاتِ قرآنیہ کی۔ اور اس کے سوا اور کوئی طعن کرنے والا رافضی تبرائی بددین جہنمی ہے کہ ایذا دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور عامۃ المسلمین کو۔ ۱۲

لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًاۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ⑫ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑬

کیوں نہ ہوا[۲۱]، جب تم نے اسے سُنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے ہو یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔ اس پر[۲۲] چار گواہ کیوں نہ لائے، تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ (۱۲) (۱۳)

تشریح الالفاظ

لَوْلَا، حرفِ شرط۔ اِذْ، جب۔ سَمِعْتُمْ، تم نے سنا۔ سمع وسماعت کا فعلِ ماضی۔ صیغہ جمع مذکر غائب۔ ظَنَّ، گمان۔ اِفْكٌ، اتہام۔ مُبِيْنٌ، بالکل واضح، روشن اور کھلا ہوا۔ اَرْبَعَةِ، چار۔ شُهَدَآءَ، جمع ہے شاہد کی بمعنی گواہ۔ کٰذِبُوْنَ، جمع کاذبٌ کی، بمعنی جھوٹا۔ جان بوجھ کر خلافِ واقعہ کوئی بات بیان کرنے والا۔

مطالب و مباحث

مسلمان کو حکم ہے کہ مسلمان بھائی کے ساتھ نیک گمان کرے اور محض سنی سنائی باتوں میں آکر کسی گناہ و نافرمانی کی نسبت اس کی طرف نہ کرے۔ بالخصوص جبکہ معاملہ ایسا ہو جس سے اس کی عزت و آبرو پر حرف آتا ہے، خصوصاً جبکہ اس کا تعلق صنفِ نازک کی عزت و ناموس سے ہو، خصوصاً جبکہ وہ خاتون، دینی و دنیاوی ہر اعتبار سے قابلِ صد احترام ہو، پھر اپنے عقلی گھوڑوں کے سہارے اونچی اڑان اُڑنا اور ایسی نامعقول بات کو ایسے یقین و وثوق سے شہرت دینا، گویا کہ یہ معاملہ قابلِ اعتبار، افرادِ امت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ایک معتدبہ تعداد اس کی چشم دید گواہ ہے، اسے گناہِ عظیم اور بہتان مبین کے سوا اور نام بھی دیا جا سکتا ہے۔

الغرض صورتِ واقعہ صرف اتنی تھی کہ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قافلے سے بچھڑ گئیں اور اسی قافلہ کا ایک فرد صحابی رسول صفوان بن مُعَطّل جن کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ قافلے سے کچھ فاصلے پر پیچھے پیچھے چلا کریں، گری پڑی چیز، بھولے بھٹکے کی خبر گیری کے لیے، وہ صبح سویرے یہاں پہنچے، انہیں پہچانا اور اپنے اونٹ کو قریب لاکر انہیں سوار کرایا اور اونٹ کی نکیل تھامے قافلہ سے ملا دیا۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ معاذ اللہ یہ دونوں ایک دوسرے کو تنہا پاکر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے اور اپنی خباثتِ باطنی کے باعث، اس پر حاشیہ آرائی کرنے لگے تو وہ کور باطن اور بدبخت تو ہے ہی، لیکن ان پاکیزہ خصلت اور پاکیزہ مزاج مسلمانوں کو کیا ہو گیا جو کہ ان بد باطنوں اور بدبختوں کی باتوں میں آگئے۔ قرآن کریم انہیں سے خطاب فرماتا ہے کہ "جب تم نے ایک صحابی رسول اور زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ بات سُنی تو سنتے ہی بھلا صاف اور واشگاف الفاظ میں اس کی تردید کیوں نہ کی اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ کھُلا ہوا بہتان ہے۔"

معاملہ صرف ایک پاک طینت صحابیِ رسول کا نہیں تھا، بلکہ اس میں ملوث ایک پاکیزہ نفس، پاکیزہ طبع اور پاک دامن خاتون بھی تھیں۔ اور خاتون کون ! محبوبۂ محبوبِ رب العالمین ام المومنین طیبہ طاہرہ سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ! جن کی حرمت پر امتیوں کی ماؤں کی حرمتیں قربان، اور جن کا احترام ہر صاحب ایمان کے ایمان کی جان۔ اور پھر اتہام لگانے والا اور اس تہمت کو شہرت دینے والا کون ؟ جھوٹوں کا سردار، بدترین روزگار، عبداللہ بن اُبَی جیسا عیار۔ تو ایسے کے ناپاک منہ سے، ایسا ناپاک ملعون الزام اور وہ بھی ایسی محترم و معزز شخصیتوں پر۔ اس قابل تو نہ تھا کہ اس پر غور کیا جاتا، اور غور و فکر کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کیا جاتا، اسے سنتے ہی مسلمانوں پر فرض تھا کہ اسے سراسر بہتان، کھُلا ہوا جھوٹ، اور محض کذب و افتراء قرار دے کر اسے شہرت دینے اور اس پر

حاشیہ آرائی کرنے والوں کا سخت محاسبہ کرتے۔ چونکہ مسلمان کو یہی حکم ہے کہ مسلمان کے ساتھ نیک گمان کرے اور بدگمانی سے بچے اور دوسروں کو بچاتے۔ امت کے ہر فرد کو دوسرے فرد کی بدنامی اسی طرح محسوس ہونی چاہیے، جیسی خود اپنی رسوائی، نہ کہ جب معاملہ ایسی عظیم شخصیتوں کا ہو اور تہمتیں ایسے معزز افراد پر لگائی جائیں، جن کی پاک دامنی پر خود قرآن عظیم گواہی دے رہا ہے۔

آیتِ کریمہ صاف الفاظ میں بتا رہی ہے کہ جب تک کسی کے خلاف کوئی قطعی شہادت کہ عندالشرع مقبول و معتبر ہو، میسر نہ آجائے اور کافی ثبوت فراہم نہ ہوجاتے، حُسنِ ظن ہی سے کام لینا چاہیے، بالخصوص جبکہ وہ بات نفرت انگیز، منافرت آمیز ہو۔

بعض بیباک گمراہ یہ کہہ گزرتے ہیں کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذاللہ اس معاملہ میں بدگمانی ہوگئی تھی، وہ مفتری و کذاب ہیں، اور شانِ رسالت میں ایسا کلمہ کہتے ہیں جو عام مسلمانوں کے حق میں بھی کہنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین سے فرماتا ہے کہ تم نے نیک گمان کیوں نہ کیا؟ تو یہ کیسے ممکن تھا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بدگمانی کرتے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بدگمانی کا لفظ کہنا بڑی سیہ باطنی ہے، خصوصًا ایسی حالت میں، جبکہ بخاری شریف کی روایت میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بقسم برسرِ منبر فرمایا: "میں جانتا ہوں کہ میرے اہل پاک ہیں۔ میں نے نہ اپنے اہل میں کوئی برائی دیکھی ہے اور نہ اس شخص میں جس کے متعلق یہ الزام لگایا جارہا ہے۔ ۱۲

۲۲ مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے دعویٰ میں ذرہ برابر بھی صداقت ہوتی تو وہ گواہ پیش کرتے جیسا کہ عام قانون ہے، جبکہ مذکورہ بالا صورت خود ہی ان دونوں کی معصومیت پر دلالت کررہی ہے۔ کیا کوئی صاحب الرائے، صاحبِ عقل آدمی، اس کا تصور کرسکتا ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پیچھے رہ جانا۔ معاذاللہ! کسی

ساز باز کا نتیجہ ہے۔ ساز باز کا طریقہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ قافلہ سالار کی زوجہ محترمہ قافلے
کے پیچھے رہ جائے اور پھر وہی ساز باز میں شریک اس کو اپنے اونٹ پر بٹھا کر دن دہاڑے
ٹھیک دوپہر کے وقت اسے لیے ہوئے علانیہ لشکر کے پڑاؤ پر پہنچ جائے ایسی صورت
میں اگر یہ الزام لگایا جا سکتا تھا تو صرف اسی بنیاد پر لگایا جا سکتا تھا کہ کہنے والوں نے
اپنی آنکھوں سے کوئی معاملہ دیکھا ہو۔ ورنہ قرائن جن پر اُس بدبخت عبداللہ بن ابی نے
بنا رکھی تھی، کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رکھتے تھے، اسی لیے فرمایا گیا کہ وہ اس پر گواہ
کیوں نہ لائے۔ اور جب گواہ نہ لائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ الزام بالکل ہی
من گھڑت اور حسد کا نتیجہ ہے اور الزام لگانے والے یقیناً اور قطعاً قانون الٰہی کے مطابق
جھوٹے ہیں۔ ۱۲

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ
وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ
وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دُنیا و آخرت میں نہ ہوتی تو جس
چرچے میں تم پڑے ہو اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔ جب تم ایسی بات اپنی زبانوں
پر ایک دوسرے سے سُن کر لاتے تھے اور اپنے منہ سے وہ نکالتے تھے جس کا تمہیں
علم نہیں۔ اور اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔ (۱۴-۱۵)

تشریح الالفاظ

لَمَسَّکُم، میں لام تاکید ہے اور مَسَّ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے۔ اس کا مادہ ہے۔ مَسّ یعنی ہاتھ لگانا، چھونا، لاحق ہونا، پہنچنا۔ کُمْ ضمیر منصوب جمع مذکر حاضر۔ مَا اَفَضْتُمْ۔ جس کا تم نے چرچا کیا، ایک دوسرے تک پہنچایا۔ اس کا مادہ ہے فیض اور مصدر ہے اِفَاضَہ۔ یعنی باہمی مذاکرہ اور کسی بات میں مشغولیت۔ تَلَقَّوْنَ، تم لوگ سُنی سنائی باتوں کو اپنی زبانوں پر لاتے تھے۔ اس کا مصدر ہے تلقی، یعنی کسی بات کا ایک دوسرے سے روایت کرنا۔ اَلْسِنَۃٌ جمع ہے لِسَان کی بمعنی زبان۔ اور اَفْوَاہ جمع ہے فُوْہٌ بمعنی فم کی، یعنی مُنہ۔ ھَیِّنًا، معمولی سہل بات، جس پر کوئی گناہ نہ ہو۔ عَظِیْمٌ۔ بڑی اہم، بڑی وقعت والی۔ ایسی بات جسے گناہِ کبیرہ کہا جائے۔

مطالب و مباحث

حضرت تقیہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذاتِ گرامی کی جانب اس فعلِ شنیع کی نسبت ایسی چیز تو نہ تھی جسے معمولی بات خیال کر کے چھوڑ دیا جاتا۔ یہ معاملہ تھا محبوبۂ محبوب رب العالمین کا۔ اور احادیثِ کریمہ صاف ارشاد فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کو ہرگز ہرگز اس تہمت کے سراسر جھوٹ اور صریح کذب و افترا ہونے میں ذرہ برابر شک نہ تھا، لہٰذا آیتِ کریمہ میں خطاب صرف ان معدودے چند صحابہ کرام سے ہے جو اس خبرِ ملعون کو سن کر تذبذب و تردد کا شکار ہو گئے یا اپنے بھولے پن سے منافقوں کی ہاں میں ہاں ملا بیٹھے۔ ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں یہ بات قابلِ غور نہ تھی اور نہ اس کے ملعون افترا و بہتان ہونے میں کسی تذبذب کی گنجائش تھی۔ پھر تم میں سے جس نے

خاموشی اختیار کی وہ کیوں؟ آخر اس کا باعث کیا تھا کہ تم نے اس بات کو سنا اور دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کیا تم نے یہ بات سُنی ہے؟ اور تم نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی؟ حالانکہ تمہاری یہ غفلت تمہاری یہ خاموشی اور یہ تردد اور وہ بھی ایسی اہم بات میں عذابِ عظیم کا موجب ہے اور تم اس کے مستحق و سزاوار تھے۔

اور یہ عذابِ عظیم تم پر آکر رہتا، ایسے ہی جیسا کہ منافقوں پر آتا اور بہر حال عبداللہ بن اُبی جیسا منافق تو خیر اس میں مبتلا ہوگا ہی۔ لیکن اے مسلمانو! تم اس عذاب سے اس لیے بچا لیے گئے کہ تمہارے حق میں دنیا و آخرت میں فضل و کرم خداوندی ازل ہی سے مقدر ہو چکا ہے۔ چنانچہ دنیا میں تمہیں مہلت دی گئی ہے کہ توبہ شرعیہ کر سکو اور آخرت میں قبولیتِ توبہ کا پھل پاؤ اور رحمتِ الٰہی کے سائے میں خوش و خرم بامراد و فائز المرام رہو۔"

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾

اور کیوں نہ ہوا، جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں۔ الٰہی پاکی تجھے ہے یہ بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا۔ اگر ایمان رکھتے ہو۔ اور اللہ تمہارے لیے آیتیں صاف بیان فرماتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

تشریح الالفاظ

"لَوْلَا" شرط ہے اس کی جزا آگے "قُلْتُمْ" ہے یعنی تمہیں یہ بات پہلے ہی کہہ دینی چاہیے تھی "سَمِعْتُمُوْہُ" تم نے سنا اس کو "قُلْتُمْ" کہا ہوتا ہے، "مَا" نہیں "یَکُوْنُ لَنَا" ہمارے لئے، "اَنْ" کہ "نَتَکَلَّمَ" بات کریں "بِھٰذَا" ایسی، "سُبْحٰنَکَ" تو پاک ہے۔ "ھٰذَا" یہ "بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ" بڑا بہتان (الزام) "یَعِظُ" صیغہ مضارع غائب، اس کا مادہ وعظ ہے، نصیحت کرنا، "تَعُوْدُوْا" کوئی کام دوبارہ کرنا، اس کا مادہ "عَوْدٌ" ہے، لوٹنا پھر دوبارہ کوئی کام کرنا، "لِمِثْلِہٖ" اس جیسی، "اَبَدًا" کبھی بھی۔ "اِنْ کُنْتُمْ" اگر تم ہو "مُؤْمِنِیْنَ" ایمان والے۔ "یُبَیِّنُ" فعل مضارع ہے، بیان کرنا۔ "لَکُمْ" تمہارے لئے، "الآیات" نشانیاں۔ "عَلِیْمٌ" علم والا، "حَکِیْمٌ" حکمت والا کہ کون سی چیز کس مقام کی ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے یا (اس کا رسول)

مطالب و مباحث

[۲۲] یعنی حسن ظن کا تقاضا یہ تھا کہ کسی تامل، کسی تذبذب اور کسی تردد کے بغیر ایسی گھناؤنی اور نفرت انگیز، حقارت آمیز بات سنتے ہی دل میں اسے بہتانِ عظیم سمجھتے ہوئے زبان سے انکار کر دیا جاتا اور صاف صاف کہہ دیا جاتا کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لانا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا، بلکہ ہم بالیقین یہی جانتے یہی مانتے اور یہی زبان سے کہتے ہیں کہ یہ بہتانِ عظیم ہے اور ناخدا ترس کی محض حاشیہ آرائی۔ نہ ایسا ہوا ہے اور نہ ہرگز ایسا ہو سکتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کوئی مقدس خاتون فسق و فجور کی اس آلودگی میں ملوث ہو۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی نبی کی بی بی بدکار ہو سکے، اگرچہ اس کا کفر میں مبتلا ہونا ممکن ہے، کیونکہ انبیائے کرام کفار کی طرف مبعوث ہوتے ہیں، تو ضروری ہے کہ جو چیز کفار کے نزدیک بھی قابلِ نفرت اور باعثِ ملامت ہو، انبیاء کرام اس سے پاک ہوں، ورنہ ان کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ عورت کی بدکاری ان کے نزدیک قابلِ نفرت ہے، تو کسی نبی کے حرم میں اس فجور کی گنجائش ہی کہاں ہے؟

۷۷ اور یہاں سُبْحٰنَکَ کا لفظ لا کر اس امر کی طرف اشارہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ اس کے رسولِ برحق کی حرم کو فجور کی آلودگی پہنچے اور ایسی نامعقول بات ہے۔ ازواجِ مطہرات میں سے کسی زوجۂ محترمہ کا دامن آلودہ ہو۔ ۱۲

۷۸ یعنی یہ تو عین تقاضائے ایمان ہے کہ مسلمان، اہلِ بیت کرام کی عظمتِ شان کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں اور ایسی باتیں زبان سے نکالنا تو کجا، کسی منہ سے سننے کے روادار بھی نہ ہوں اور جب تک ہوش و حواس قائم اور ایمان سلامت و دائم رہے، منافقوں کی سازشوں اور ان کے چکموں میں نہ آئیں اور یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلالتِ واضحہ سے شریعتِ مطہرہ کے تمام احکام و آداب بیان فرما دیئے ہیں اور یہ کہ اس حکیمِ مطلق کے تمام احکام، اس کے علیمِ کامل پر مبنی ہوتے ہیں اور حکمتِ مطلقہ سے معمور۔ خواہ ان کا تعلق تمہارے اخلاق اور روزمرہ سے ہو یا عبادات اور دوسرے اوامر و نواہی سے اور اصولی بات، جو ان آیات بینات کا خلاصہ ہے، وہ یہ ہے کہ ہر شخص بے گناہ ہے، جب تک کہ اس کے مجرم ہونے یا اس پر جرم کا شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہ ہو۔

انہیں احکام کی روشنی میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ماں باپ اپنی اولاد کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے آل و اصحاب کی محبت و عظمت کی تعلیم دیں کہ اصلِ سنت و زیورِ ایمان بلکہ باعثِ بقاءِ ایمان ہے۔ ۱۲

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٢٠﴾

ع ۲ ۱۰ ۸

وہ لوگ جو[۲۷] چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بُرا چرچا پھیلے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ تم پر نہایت مہربان ہے، تو تم اس کا مزہ چکھتے۔ (۱۹) (۲۰)

تشریح الالفاظ

تَشِيعَ ، شیوع سے ماخوذ ہے بمعنی خبر کا مشہور ہوجانا، پھیل جانا۔

اَلْفَاحِشَةُ ، فحش و قابلِ نفرت حرکت۔ فعل قبیح۔ بے حیائی۔

[۲۷] آیتِ کریمہ کا سبب خاص تو ظاہر ہے کہ وہی واقعۂ افک ہے اور اشارۂ قریب انہیں لوگوں کی طرف ہے، جو اس مخصوص تہمت کو زندہ رکھنا چاہتے اور اسے شہرت دے کر اسلامی معاشرہ میں بداخلاقی پھیلانے کی کوششوں میں معروف تھے کہ وہ سزا کے مستحق ہیں، یعنی اسی دُنیا میں، اور وہ حد قائم کرتا ہے، چنانچہ عبداللہ بن ابی حسان

اور مسلمانوں پر تہمتیں لگانے والے آدمی کو سخت سزا ملنی چاہیے، جس کی حد لگائی گئی اور آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے اگر وہ بے توبہ مرجائیں، لیکن آیت کے مفہوم میں عموم بھی ہے اور آیت کریمہ کے الفاظ فحش پھیلانے اور مسلمانوں کے کسی معاشرہ میں بھی ایسی گندی رعایتوں کا چرچا کرنے میں مصروف ہیں۔

ان الفاظ کے عموم میں شامل بدکاری وچلنی کے وہ تمام اڈے بھی ہیں، جہاں بداخلاقی کی محفلیں سجاکر، عورت کی شرم وحیا کی چادر اتار کر اور اسے عریانیت، ونیم برہنگی کے طوفان میں دھکیل کر بے حیائی وبے غیرتی کی تصویر بنادیا جاتا ہے اور جہاں اہلِ مغرب کی نقالی کو انسانی معراج سمجھا جاتا ہے۔ اور جہاں رات کی "روشن اندھیریوں" میں عریانی وفحاشی کو فروغ دیا جاتا ہے اور جہاں آوارگی کی ترغیب دینے والے اور اس کے لیے جذبات کو ابھارنے والے قصوں، اشعار، گانوں، تصویروں اور کھیل تماشوں کی نمائشیں ہوتی ہیں، اور وہ کلب ہوٹل اور دوسرے ادارے بھی ان کی زد میں آجاتے ہیں جن میں رقص وسرود اور تفریحات کا انتظام کیا جاتا ہے اور اُن پر لیبل چسپاں کردیا جاتا ہے اسلامی ثقافت کا۔

قرآن کریم صاف کہہ رہا ہے کہ یہ سب لوگ مجرم ہیں، صرف آخرت ہی میں نہیں، دنیا میں بھی ان کو سزا ملنی چاہیے، لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اشاعتِ فحش کے ان تمام ذرائع اور وسائل کا سدباب کرے، جہاں امتِ مسلمہ کے اخلاق کو داغدار بنانے کی مسلسل روز وشب کوششیں جاری رہتی ہیں۔

اور اس کے ساتھ ہی توبیخ وتنبیہ ہے ان مردوں اور عورتوں کو بھی جو محض بازاری افواہوں پر لگ کر ناگفتنی کہتے اور ناکردنی تہمتیں جڑتے ذرا نہیں شرماتے۔ قرآنِ کریم انہیں تنبیہ فرماتا ہے کہ یہ محض فضلِ الٰہی اور کرم خداوندی ہے کہ تمہاری ایسی قبیح حرکتوں پر تمہیں فوراً سزا نہیں ملتی، بلکہ عنایتِ ربانی تمہیں مہلت دیتی ہے کہ ایسی قبیح حرکتوں اور نامعقول باتوں سے، بارگاہِ الٰہی میں صدقِ دل سے توبہ کرو۔

آیتِ کریمہ صاف بتا رہی ہے کہ ایک مسلمان کا دل بھی، دوسرے مسلمانوں کی طرف صاف سلامت رہنا چاہیئے جبکہ اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ، پیروں سے کسی کو ایذا نہ دے چنانچہ احادیثِ کریمہ ارشاد فرماتی ہیں کہ "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ و مامون رہیں" نیز ارشاد فرمایا کہ "وہ بھی کوئی مسلمان ہے جس کی چیرہ دستی سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ رہیں" اور آخر میں یہ بھی ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ بواطنِ امور اور سرائرِ صدور سے خوب واقف ہے" اس کے علم سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں تو دل میں اس کی خشیت و خوف کا ورود ہونا چاہیے - ۱۲

احکام و فوائد کا خلاصہ

اس دوسرے رکوع سے جو فوائد و احکام حاصل ہوئے، ان کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) کسی پر تہمت لگانا اور کسی کی عزت و آبرو سے کھیلنا شدید کبیرہ سخت گناہ ہے وہ عورتیں جو دوسرے مردوں یا عورتوں پر ایسی تہمتیں جڑنے اور انہونی باتیں جوڑنے میں مشاق ہوتی ہیں، انہیں ان نامعقول حرکتوں سے باز آجانا چاہیئے۔

(۲) جرم جس نوعیت کا ہوتا ہے سزا بھی اسی معیار کی ہونی چاہیے۔ معمولی جرم پر سخت کڑی سزائیں، اور بڑے بڑے جرموں پر معمولی سزائیں نہ عدل کا تقاضا پورا کرتی ہیں اور نہ ان پر وہ نتائج و ثمرات مترتب ہوتے ہیں جو سزاؤں میں مضمر ہیں۔

(۳) جو حضرات دینی عظمتوں اور عزتوں سے مالا مال ہیں، ان کی عالی جنابوں میں زبان درازی دنیا و آخرت دونوں میں فضیحت و رسوائی لاتی ہے۔

(۴) سنی سنائی باتوں کا چرچا کرنے والے، خود ہی اپنی تباہی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

(۵) محض قرائن اور حالات پر تکیہ کر کے کوئی غلط بات زبان پر لانا، اور وہ بھی ایسی جس سے کسی کی بے حرمتی ہوتی ہو، نا خدا ترسوں کا شیوہ ہے، مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں۔

(۶) بعض باتیں بظاہر معمولی اور بے وقعت ہوتی ہیں لیکن اپنے نتائج اور عواقب کے اعتبار سے ان کا مقام و مرتبہ بہت اہم ہوتا ہے تو محض معمولی سمجھ کر اس کا ارتکاب نتیجۃً بڑا اندوہناک ہوتا ہے۔ [۱]

(۷) واقعۂ افک میں مسلمانوں کے تین گروہ تھے:

۱۔ وہ جو منافقوں کی باتوں میں آکر اُن کی ہاں میں ہاں ملا بیٹھے۔

۲۔ جو تذبذب اور تردد میں پڑکر خاموش ہو رہے۔

۳۔۔ وہ جنہوں نے صراحۃً اسے افتراء قرار دیا جیسے حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور دوسرے خلفائے راشدین۔

پہلوں پر عذاب آیا، دوسروں پر عتاب فرمایا اور تیسرے گروہ پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوا۔ [۲]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲۱)

اے ایمان والو! شیطان کے قدموں [۱] پر نہ چلو، اور جو شیطان کے قدموں پر چلے، تو وہ تو بے حیائی اور بُری ہی بات بتائے گا۔ اور اگر اللہ

کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی، تو تم میں کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہو سکتا۔ ہاں اللہ ستھرا کر دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ (۲۱)

تشریح الالفاظ

لَا تَتَّبِعُوْا ۔ پیروی نہ کرو۔ اس کا مصدر ہے اتباع۔ یعنی کسی کے قدم بہ قدم چلنا۔ خطوات، جمع ہے خطوۃ کی بمعنی قدم۔ اور خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ سے مراد ہیں گمراہی کے وہ طریقے جنہیں مزین کر دیا جائے، یا بدچلنی کے آثار یا شیطانی وسوسے۔ اَلْفَحْشَاءِ، نہایت ناخوشگوار و قبیح حرکت۔ اَلْمُنْکَرِ، جو شرعاً بُری ہو اور پاکیزہ طبیعتیں اسے پسند نہ کریں، بلکہ اس سے دور و نفور رہیں۔ مَا، نافیہ۔ زَکیٰ، وہ پاک و صاف ہوا، پاکیزگی اختیار کی۔ یُزَکِّیْ، تزکیہ کا مضارع ہے۔ پاکیزہ کرتا، پاک و صاف اور ستھرا بناتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ستھرا بنانا یہاں یہ ہے کہ اُس کے فضل و کرم سے کسی جرم میں ملوث بندے کو توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ تو پھر قلب کا منور، دماغ کا روشن اور طبیعت کا پاکیزہ ہو جانا حاصل ہو ہی جاتا ہے۔

مطالب و مباحث

بہتان تراشی اور اتہام طرازی جیسی مذموم حرکت کا مسلمانوں میں پھیل جانا اور زبانوں پر اس کا ذکر آجانا دراصل نتیجہ ہے شیطانی وسوسوں کا۔ اور شیطان کہ مسلمان کا ازلی دشمن و بدخواہ ہے۔ وہ کب چاہے گا کہ مسلمانوں کے دل و دماغ پاکیزگی سے روشن و منور رہیں اور مسلمانوں کا معاشرہ ایک پاکیزہ اور مثالی معاشرہ بن جائے۔ اسی لیے عام مسلمانوں کو ایک پُرحکمت اور جامع حکم دیا جا رہا ہے کہ شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو۔

اگرچہ یہ خطاب خاص اس وقت کے خالص مسلمانوں سے ہے۔

؎ مقصد یہ ہے کہ چونکہ شیطان تمہارا ازلی دشمن ہے، اس لیے اے مسلمانو! تم اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ اس کی بتائی ہوئی راہ اور اس کے سجھائے ہوئے راستہ پر نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں گمراہ کرے گا، وہ تمہیں فتنوں میں ڈال دے گا کہ وہ برائیوں کے رواج دینے اور مسلمانوں کو گناہوں کی گندگیوں میں آلودہ کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ اور شیطانی ہتھکنڈوں سے نجات پانے کا راستہ صرف اور صرف یہ ہے کہ آدمی اپنے اعمال، اپنے افعال اپنی پاک نفسی اور اپنے پاکیزہ ماحول پر نہیں، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرے۔ پاک نفسی ہو یا نیک طینتی یا کسی جرم کے ارتکاب کے بعد توبہ شرعیہ کی توفیق، یہ جو کچھ ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی کا نتیجہ ہے، اسی کے فضل و کرم سے وجود پاتی ہے اور اسی کی رحمت و رافت کے سایہ میں پروان چڑھتی ہے۔ ورنہ انسان ضعیف البنیان تو یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ ساری عزتیں، ساری ترقیاں، سارا عروج، تمام کامرانیاں، انہیں برائیوں کے پس پردہ جنم لیتی ہیں، جسے وہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ اور نتیجہ اس کا ظاہر ہے دنیا و آخرت میں رسوائی و فضیحت۔ ۱۲

؎ یعنی یہ مشیتِ الٰہی اور فضلِ خداوندی ہے کہ اس نے بندوں کو خیر و شر میں تمیز اور نیکی و بدی میں امتیاز کی توفیق بخشی اور انہیں راہِ راست پر چلایا، ورنہ وہ موذی لعین اور شیطان رجیم انہیں انہی کی لگائی ہوئی حیا سوز حرکتوں کی آگ میں جلا ڈالتا، چنانچہ آج بھی مشاہدہ ہے کہ شیطان لعین نے مسلم معاشرہ میں ناؤ نوش اور رقص و سرود کے ہنگاموں پر ثقافت کا لیبل لگا کر مرد و عورت کو "آزادیٔ نسواں" کا داعی بنا کر کہاں کہاں اور کیسی کیسی آگ لگادی ہے اور جنسی اور اخلاقی آوارگی کو کیسے کیسے دل فریب ناموں سے نواز کر اپنی دھوم مچائی ہے۔ مخلوط تعلیم کے تعلیمی اداروں سے لے کر تھیٹر، سینماؤں، ڈانس روموں، پاپ روموں میں جہاں مرد و عورت کا آزادانہ، بے تکلفانہ اختلاط

خلط ملط ہے، ایسی ہی کمینی آوارہ گردیاں کا راج ہے۔ اور یہ سب کچھ کرشمہ ہے اپنی اندھی اُوندھی ناکارہ اور بھی عقل پر بھروسہ کا۔

مولٰئے کریم ہماری آنکھیں کھولے اور ہمیں راہِ راست پر قائم و دائم رکھے، آمین!

۳۰؎ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ہر پست سے پست آواز کو سنتا ہے اور تمہارے افعال، تمہاری نیتوں اور تمہارے دلی خطروں سے بھی واقف ہے۔ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے اور اس کے علم کی کوئی نہایت نہیں۔ اگر تم نے توبۃ النصوح یعنی سچے دل سے توبہ کی اور رضائے الٰہی کے طلب گار ہوئے، تو اس کی رحمت تم سے دور نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم میں سے جس نے توبہ کر لی، اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ سُن لی اور جو دل سے نادم ہوئے ان کی دلی ندامت بھی جان لی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾

اور قسم[۳۱] نہ کھائیں، وہ جو تم میں سے[۳۲] فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں۔ قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت[۳۳] کرنے والوں کو دینے کی اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگذر کریں، کیا تم[۳۴] اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۲)

تشریح الالفاظ

لَا یَأْتَلِ فعل منفی ہے اس کا مصدر ہے اِئْتِلَاءٍ بمعنی اِیْلَاءٍ یعنی قسم کھانا۔ لَا یَأْتَلِ کے معنی ہیں قسم نہ کھائیں۔ اُولُوْا، ذو کی جمع ہے بغیر لفظ بمعنی صاحب و والی یعنی والے۔ اَلْفَضْل فضیلت اور بڑائی اَلسَّعَۃِ وسعت و گنجائش۔ اُولُوا الْفَضْلِ وَالسَّعَۃِ، وہ لوگ جو دینی اور دنیاوی اعتبار سے برتری والے ہیں۔ یہ اشارہ ہے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب۔ اُولِی الْقُرْبٰی قرابت والے۔ قُرْبٰی بمعنی رشتہ داری۔ قرابت داری۔ اَلْمَسٰکِیْن۔ جمع ہے مسکین کی۔ اَلْمُھَاجِرِیْن۔ جمع ہے مُھَاجِرْ کی۔ وہ جو راہِ خدا میں اپنا گھر بار چھوڑ جاتے۔ وَلْیَعْفُوْا عفو سے بنا۔ لام اس میں تاکید کے لیے ہے۔ یونہی وَلْیَصْفَحُوْا میں لام تاکید کے لیے ہے۔ یہ لفظ بنا ہے صَفْحٌ سے یعنی درگزر کرنا، اعراض کرنا، روگردانی کرنا اور عفو کے معنی ہیں معاف کرنا۔ سزا نہ دینا۔

مطالبُ مباحث

حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو اتہام عبداللہ اُبَی رئیس المنافقین نے لگایا تھا، اس میں محض اپنی سادہ لوحی سے شریک حضرت مسطح بن اثاثہ بھی ہو گئے۔ یہ ایک صحابی تھے، پورے مومن بھی اور مسکین و مہاجر بھی اور بدری بھی کہ جنگ بدر میں شریک رہے اور حق جاں نثاری ادا کیا۔ اور پھر حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز بھی۔ آپ ہی ان کی ناداری کے باعث ان کا خرچ اٹھاتے تھے۔ جب صدیقہ عائشہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت میں آیاتِ قرآنیہ کا نزول ہوا اور آپ کی عفت مآبی و پاکدامنی اظہر من الشمس ہو گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی قابلِ فخر عفت مآب

بیٹی کی نصرت وحمایت میں غصہ آجانا ایک قدرتی وفطری امر تھا۔ اسی حالت میں قسم کھا بیٹھے کہ مسطح کی ناداری کے باعث، اس کی جو امداد کی جاتی تھی، وہ آج سے موقوف۔ اب مسطح کے ساتھ کوئی سلوک ہم نہ کریں گے۔

یہ بات مرتبۂ صدیقیت کے شایانِ شان نہ تھی، اس لیے یہ آیت نازل ہوئی اور ارشاد ہوا کہ اپنی نصرت وحمایت اور امداد واعانت جاری رکھو اور قسم کے مقتضا پر عمل نہ کرو۔ اس کی تلافی کفارہ ادا کرکے بھی ہو سکتی ہے۔

۳۱ قرآن کریم نے یہ اُولُوا الْفَضْلِ وَالسَّعَةِ کسے فرمایا؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اور جب قرآنِ کریم انہیں اس فضلِ عظیم سے نوازے تو ان کی فضیلتِ خاصہ کے انکار کی کوئی بھی گنجائش اہلِ ایمان کے لیے رہتی ہی کہاں ہے؟ قرآن کریم نے انہیں فضیلت والا فرمایا۔ رؤف ورحیم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی نیابت میں امامِ نماز بنایا، تو پھر وہ کیوں نہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق قرار پائیں۔ یہی عقیدہ ہے اہلِ سنت وجماعت کا۔ کثرھم اللہ تعالیٰ۔

۳۲ مِنْكُمْ یعنی تم میں سے یہ خطاب ہے اصحابِ معاملہ واہلِ بیتِ عظام سے خصوصاً، اور جمہور صحابہ کرام سے عموماً۔ اور یہ بھی اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابۂ کرام واہلِ بیتِ عظام سے مطلقاً افضل ہیں، اور اللہ عزوجل کے یہاں ان سب سے زیادہ عزت ومنزلت والے یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اور یہ عقیدہ آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ پر مبنی ہے کہ انبیاء ومرسلین کے بعد تمام مخلوقِ الٰہی، انس وجن وملک سے افضل صدیق اکبر ہیں۔ پھر عمرِ فاروقِ اعظم، پھر عثمانِ غنی، پھر مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ تو جو شخص مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو صدیق یا فاروق یا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل بتائے، وہ گمراہ وبدمذہب ہے۔

۳۳ حضرت مسطح کے بارے میں المہاجرین کا لفظ ارشاد فرما کر ان کی ایک بڑی

دینی خدمت یعنی فی سبیل اللہ ہجرت یا دو لادی کہ اگر ان سے کوئی لغزش ان کی سادہ لوحی کے باعث وجود میں آ بھی گئی، تو اس نئے جرم سے جس کی سزا بھی انہیں دی جا چکی۔ ان کے دوسرے اعمالِ خیر باطل نہیں ہو گئے۔ اس لیے ان کے جرم کی پاداش میں مزید سزا انہیں نہ دی جائے اور ان پر امداد و اعانت کے دروازے بند نہ کر لیے جائیں۔ ۱۲۰

۲۲ جب یہ آیتِ کریمہ سیدِ عالم فخرِ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پڑھی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنی تو بے ساختہ پکار اٹھے: بَلٰی وَاللّٰہِ یَا رَبَّنَا اِنَّا لَنُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَ لَنَا (قسم بخدا میری تو بہ دل آرزو ہے کہ اللہ میری مغفرت فرمادے) اور میں مسطح کے ساتھ جو سلوک کرتا تھا اس کو بھی موقوف نہ کروں گا، چنانچہ آپ نے اسے جاری فرما دیا اور پہلے سے زیادہ حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امداد و دلداری شروع فرما دی۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

بیشک وہ کہ عیب لگاتے ہیں انجان، پارسا، ایمان والیوں کو ان پر لعنت ہے دنیا و آخرت میں اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ جس دن ان پر گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں جو کچھ کرتے تھے۔

تشریح الالفاظ

یَرْمُوْنَ، الزام دیتے ہیں، عیب لگاتے ہیں، اس سے مراد وہ الزام وعیب ہے جو پاک دامنی وعفت کے خلاف ہو۔ اَلْمُحْصَنٰتِ جمع ہے مُحْصَنَۃ کی بمعنی عفیفہ، پارسا۔ پاک دامن۔ اَلْغٰفِلٰتِ، غفلت سے مشتق ہے اور مراد اس سے وہ سلیم الطبع نقی القلوب، سیدھی سادی شریف عورتیں ہیں جو بدکاری وفجور کو جانتی بھی نہیں بُرے اور واہی تباہی خیالات کا ان کے دلوں پر گزر بھی نہیں ہوتا۔ ناتجربکار جن کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ اندیشہ نہیں گزرتا کہ کوئی ان پر ایسے الزام بھی لگا سکتا ہے۔ اَلْمُؤْمِنٰتِ جمع ہے مُؤْمِنَۃٌ کی بمعنی صاحبِ ایمان عورتیں۔ لُعِنُوْا لعنت سے بنایا گیا اور لعنت کے معنی ہیں رحمتِ الٰہی سے دوری ومحرومی۔ عَذَابٌ، قانون شکنی اور نافرمانی پر، بامشقت وتکلیف دہ سزا۔ اور آخرت میں جو بڑے دردناک عذاب قانون شکن نافرمانوں اور نافرمان قانون شکنوں کے لیے تیار کیے گئے ہیں، انہیں اگرچہ مختلف پیرایوں میں سمجھایا اور بتایا گیا ہے، پھر بھی اس کی تفصیلی کیفیت کا احاطہ کرلینا ادراک بشری سے بالاتر ہے۔ تَشْھَدُ شہادت سے بنایا گیا بمعنی گواہی۔ اَلْسِنَۃٌ جمع ہے لِسَان کی بمعنی زبان۔ اَیْدِیْھِمْ ان کے ہاتھ۔ اَیْدِیْ جمع کا صیغہ ہے اس کا مفرد ہے یَدٌ۔ اَرْجُلُھُمْ ان کے پاؤں۔ اَرْجُلُ بھی جمع کا صیغہ ہے اور اس کا مفرد رِجْلٌ ہے بمعنی پاؤں۔ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ، جو کچھ وہ کرتے تھے، یہاں مراد ہے ان عیب لگانے والوں کے کرتوت کہ کیسے کیسے طوفان انہوں نے جوڑے اور کیسے کیسے بہتان لگائے۔

مطالب ومباحث

آغاز سورۃ ہی سے زنا اور قذف ولعان کے احکام کا بیان چلا آرہا ہے، اس

کے ما بعد، واقعۂ افک بیان فرما کر حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت میں آیاتِ قرآنیہ کا نزول ہوا۔ اس پر تہمت لگانے والوں کے لیے عذاب اور خاموش رہنے والوں پر عتاب فرمایا گیا اور اب یہ بات بیان فرمائی جا رہی ہے کہ یہ عذاب صرف کسی ایک خاص شخصیت پر اتہام لگانے سے مخصوص نہیں، بلکہ ایسی پاک دامن، پاکیزہ مَن ماں کی تا قیامِ قیامت معنوی بیٹیاں اور ان کی خادمائیں، ان کی کنیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ مقام رکھتی ہیں کہ ان کی عزتوں پر حملہ کرنے والے اور ان کی حرمت و ناموس سے کھیلنے والے بھی دُنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔

شے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو" صحابہ کرام نے عرض کیا: "وہ ہلاک کرنے والی کونسی چیزیں ہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)؟" ارشاد فرمایا:

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (۲) جادو کرنا (۳) کسی بے گناہ کو قتل کر ڈالنا (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال اڑانا (۶) میدانِ جنگ سے فرار ہو جانا۔

(۷) انجان، پارسا، اور ایمان دار بیبیوں پر تہمت لگانا۔

اور ایک حدیث شریف میں وارد ہوا "کسی پاک دامن اور پارسا عورت پر بہتان لگانا سو سال کی نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔"

ئے پارسا بیبیوں اور شریف مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے پر جو وعیدیں وارد ہیں ان کے نزول کے بعد بھی عفت مآب، شرافت شعار، نیک فطرت، پاک طینت مسلمان خواتین پر اس قسم کے گھناؤنے الزامات لگانے والے اور مومنات کے حق میں ایسی جرأتیں کرنے والے کافروں اور منافقوں کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہی ہو سکتے ہیں اور ایسوں کا دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ سے مردود و مہجور رہنا بالکل ظاہر ہے اور یہی حاصل ہے لعنت کا۔ عورتیں خصوصاً اس آیۂ کریمہ کا مضمون ذہن نشین رکھیں۔ ۱۲

کے لوگ اپنی چرب زبانی سے جس کی طرف چاہیں ناکردہ گناہوں کی تہمتیں جڑ دیں اور سادہ لوح انسانوں کو بہکا کر اپنے خیالات کا ترجمان اور انہیں اپنا ہمنوا بنالیں، لیکن ذرا چشمِ تصور سے یہ بھی دیکھ لیں کہ کل بروزِ قیامت اوّلین و آخرین کے مجمع میں جب ہر ایک اپنے حال پر گریاں و ملول ہوگا، وہ وقت کیسی حسرت و یاس کا وقت ہوگا جب ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے اور انہیں جرأتِ انکار نہ ہوگی۔ زبانوں کی شہادت سے مراد یہ ہے کہ ان کی زبانیں خود بخود وہ داستانیں سُنانا شروع کر دیں گی، جن میں وہ مبتلا ہو کر معصیت کے مرتکب رہے۔ اس روز معلوم ہوگا کہ زبان سے کیسے کیسے کلمات ادا کیے، کیسی کیسی دل آزاریاں کیں، کیسے کیسے فتنے پھیلائے اور کیسے کیسے طوفان اٹھائے اور زبانوں ہی پر کیا موقوف، ان کے دیگر اعضائے بدن ان کے تمام کرتوتوں کی روداد یں سنا دیں گے۔

احادیثِ کریمہ میں وارد ہوا کہ زبانوں کی گواہی دینا تو ان کے مونہوں پر مہریں لگائے جانے سے قبل ہوگا اور اس کے بعد ان کے مونہوں پر مہریں لگا دی جائیں گی۔ ان کا اختیارِ کلام سلب کر لیا جائے گا اور اپنی مرضی سے پھر کوئی بات نہ کہہ سکیں گے۔ پھر اعضا کو حکم ہوگا کہ بول چلو، چنانچہ اعضاء بولنے لگیں گے اور دنیا میں جو عمل کیے تھے، ان کی خبر دیں گے۔

اور یہاں اگرچہ صرف زبانوں اور ہاتھوں اور پیروں کی شہادت کا ذکر فرمایا گیا ہے، مگر دوسرے مقامات پر یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں، ان کے کان اور ان کے جسم کی کھالیں بھی ان کی پوری داستانیں سنا دیں گی۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: حَتّٰٓی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

("یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے، ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب

ان پر، ان کے کیے کی گواہی دیں گے۔"

یہ منظر اس وقت کا ہے، جب عرصۂ محشر میں، ان لوگوں کو دوزخ کے قریب لے آیا جائے گا اور آگ ہی آگ انہیں ہر طرف نظر آئے گی۔ حساب و کتاب اس وقت شروع ہو رہا ہوگا" اور کچھ نابکار مجرم اپنے جرائم کا اقبال کرنے سے انکار کر دیں گے اور گواہوں کو بھی جھٹلا دیں گے اور نامۂ اعمال کی صحت کو بھی تسلیم نہ کریں گے۔ اس وقت ارشادِ الٰہی ہوگا "اچھا خاموش ہو جاؤ اور دیکھو کہ تمہارے اپنے اعضائے بدن، تمہارے کرتوتوں کی کیا کیا روداد یں سناتے ہیں" چنانچہ تمام اعضائے بدن بحکمِ خداوندی بول اٹھیں گے اور جو جو عمل کیے تھے، بتا دیں گے۔ ۱۲

يَوۡمَئِذٍ يُّوَفِّيۡهِمُ اللّٰهُ دِيۡنَهُمُ الۡحَقَّ وَ يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ الۡمُبِيۡنُ ﴿۲۵﴾

اُس دن اللہ انہیں ان کی سچی سزا[۳۸] پوری دے گا اور جان لے گا کہ اللہ ہی صریح حق ہے۔ (۲۵)

تشریح الالفاظ

يَوۡمَئِذٍ۔ اس روز۔ اس دن۔ يُوَفِّيۡ۔ تَوۡفِيَة" کا مضارع ہے، بمعنی پورا کر دینا۔ دِيۡنَ سے یہاں مراد ہے پوری پوری جزا و سزا۔ اور الحق سے مراد ہے ثابت۔ سچی۔ جس کا وہ بدلہ اہل ہے۔ یہ چونکہ یہاں دِيۡنَ کی صفت ہے، اس لیے منصوب ہے اور آگے اس لفظ کا اطلاق ذاتِ باری پر کیا گیا ہوا، جس کے معنی ہیں موجود ظاہر کہ اسی کی قدرت سے ہر چیز کا وجود ہے اور ہر شے میں اسی کی یکتائی کا ظہور ہے۔ ۱۲

مطالبُ مباحث

ف ۳۸ بعض مفسرین نے فرمایا کہ معنی یہ ہیں کہ کفار دنیا میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں شک کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں اُن کے اعمال کی سزا دے کر ان وعدوں کا حق ہونا ظاہر فرمائے گا اور یہ کفار و مشرکین ان تمام امور کے معائنہ کے بعد اپنی نجات و خلاصی سے بالکل مایوس ہو جائیں گے۔ اور انہیں میں داخل ہے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبّی بھی۔

تنبیہ

قرآن کریم میں کسی گناہ پر ایسی تغلیظ و تشدید اور تکرار و تاکید نہیں فرمائی گئی جیسی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اوپر بہتان باندھنے پر فرمائی گئی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جو مرتبہ حق تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اسی سے ظاہر ہے، جبکہ اس سے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفعتِ منزلت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ گناہ خواہ کتنا ہی عظیم ہو، اس کے ارتکاب و صدور کے بعد اگر توبہ صحیحہ شرعیہ کر لی جائے تو قابلِ معافی ہے۔ البتہ جن لوگوں نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر یہ طوفان جوڑا اور بہتان جڑا، وہ نامراد کے مراد اور مجرم کے مجرم ہی رہے اور رحمتِ الٰہی سے دور، محروم و مہجور، اور اسی سے اندازہ ہوتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منزلت کا۔ اللہ تعالیٰ نے چار بندگان مقبول کی چار طریقوں سے برأت بیان فرمائی:

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت، ایک دودھ پیتے بچے سے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت، ایک پتھر کے ذریعے جو آپ کے کپڑے

سے اٹھا۔

(۳) حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برارت آپ کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبل از وقت گویائی کے ذریعے۔

(۴) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب یہ تہمت جوڑی گئی تو خود ان کی پاکدامنی کی گواہی رب کریم نے دی اور قرآن عظیم کی سترہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اگر وہ چاہتا تو ایک ایک درخت اور پتھر سے گواہی دلاتا۔ مگر یہ منظور ہوا کہ محبوبۂ محبوب کی طہارت و پاکی پر خود گواہی دیں اور ان کا عزت و امتیاز بڑھائیں۔

اور اسی سے ہر ذی عقل پر یہ بات روشن تر ہو جاتی ہے کہ بارگاہِ لم یزل میں جو عزت و وجاہت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہے، وہ دوسروں کا بہرہ نہیں اور جو نظر خاص ان کے حال پر ہے اوروں کا حصہ اس میں نہیں (مدارک شریف وغیرہ)

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۶﴾

ف۳۹ گندگیاں گندوں کے لیے، اور گندے گندگیوں کے لیے اور ستھریاں ستھروں کے لیے، اور ستھرے ستھریوں کے لیے۔ وہ پاک ہیں ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں، ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔ (۲۶)

تشریح الالفاظ

اَلْخَبِیْثٰتُ اور اَلْخَبِیْثُوْنَ دونوں اسمائے مشتقات ہیں خبث وخباثت سے۔ اس کے معنی ہیں ہر قابلِ نفرت پلیدی، ہر وہ شے جو برائی کی انتہا کو پہنچ جائے۔ افعال و اعمال واقوال ہوں۔ خواہ ان کے فاعل وعامل وقائل، سب پر اس کا اطلاق عوام وخواص کی زبان پر جاری ہے اور ان کے مقابل ہیں اَلطَّیِّبٰتُ اور اَلطَّیِّبُوْنَ۔ یہ دونوں بھی اسمائے مشتقات سے ہیں۔ مادہ ان کا طیب وطیبۃ۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کا خوشگوار وپاکیزہ ہونا، اور ہر خوشگوار وپاکیزہ شے۔ اس کا اطلاق بھی فعل وفاعل اور قول وقائل پر عام ہے۔ مُبَرَّءُوْنَ، وہ لوگ جو تہمت والزام سے بری، پاک طینت، نیک خصلت ہوں۔ اسم مفعول جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد ہے مُبَرَّأ۔ اور مادہ ہے اس کا برأت۔ اتہام سے پاک اور بری ہونا۔

مطالب ومباحث

سلسلۂ کلام واقعۂ افک سے متعلق اب اختتام کو پہنچتا ہے۔ اس لیے کہنا چاہیے اس لیے کہنا پڑتا ہے کہ یہ آیۂ کریمہ خلاصہ ہے۔ ان تمام تغلیظوں، تشدیدوں، تکراروں، تاکیدوں اور وعیدوں کا جو اس باب میں نازل ہوئیں اور اصولی وبنیادی بات یہ سمجھائی جارہی ہے کہ ایسے پاک دامن مردوں اور عورتوں کا تو ایسے بد طینتوں کی اتہام طرازی اور بہتان طرازی سے کچھ بگڑتا نہیں، بلکہ ان کے صبر وتحملِ اذیت پر اجرِ جمیل وثوابِ عظیم کی دولتیں ان کے ہاتھ میں آتی ہیں۔ ان کے مراتبِ جلیلہ میں اور ترقی ہوتی ہے تو انہیں تو بجائے ضرر کے فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے۔ اور نقصان تو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، ایسے ہی منہ زوروں اور بد قماشوں کا ہوتا ہے، جو ایسے طوفان اٹھاتے اور تہمتیں جڑتے ہیں۔

ف۲۹ یعنی خبیثوں کا جوڑ خبیثوں ہی سے ہوتا ہے اور پاکیزہ طبیعت والے، ایسوں ہی سے طبعی مناسبت رکھتے ہیں، جو خود بھی نیک طینت ہوں۔ جن لوگوں کے دلوں میں برائیاں نسبی ہوتی ہیں اور جو اپنے اطوار و اخلاق اور عادات و خصائل کے اعتبار سے بُرے جانے مانے اور سمجھے جاتے ہیں۔ خواہ مرد ہوں یا عورت وہ ایسے ہی چال چلن اور رنگ ڈھنگ والوں پر ریجھتے ہیں، انہیں کی صحبت اختیار کرتے ہیں اور انہیں کے رنگ میں رنگے رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف پاکیزہ نفوس، نیک اخلاق، نیک اطوار اور نیک شعار لوگوں کا رجحانِ قلبی قدرتی طور پر ایسوں ہی کی طرف ہوتا ہے جو اپنے اخلاق و عادات اور اپنے خصائل و اطوار میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں یا بالفاظِ دیگر خبیث آدمی خبیث باتوں کے درپے ہوتا ہے اور خبیث باتیں، خبیث آدمی کا وطیرہ ہوتی ہیں۔

تو نہ صرف حضرت صدیقہ عائشہ بلکہ تمام امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کہ شرفِ زوجیت سے مشرف فرمائی گئیں، وہ بھی سب کی سب ایسے تمام اتہامات سے پاک و صاف ہیں کہ آخر سید المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفیقاتِ حیات اور ان کی شریکاتِ زندگی ہیں۔ تو جو ان میں سے کسی پر کوئی اتہام جوڑے، الزام لگائے وہ یہ سمجھ لے کہ ان کا تو کچھ نہیں بگڑتا، الزام لگانے والا ہی دنیا و آخرت کی رسوائیوں اور دردناک عذابوں کا لقمہ بنتا ہے۔ کیا یہ بھی کوئی دلائل و براہین سے بتائی جانے والی بات ہے کہ جب ستھری عورتیں، ستھرے مردوں کے لیے اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لیے ہیں اور حضورِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر کوئی طیب و طاہر نہیں تو ان کی ازواجِ مطہرات بھی طیبات و طاہرات ہیں اور انہیں کی معیتِ مبارکہ میں دنیا و آخرت میں مغفرت و رزقِ کریم کا وعدہ پائی ہوئیں نیک طینت، پاکیزہ خصلت بیبیاں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہن۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ وبارک وسلم۔

ف۳ اُولٰئِکَ یعنی وہ لوگ جو عند اللہ طیب وطاہر ہیں، وہ دنیاداری اعتبار سے بھی ان افترا پردازوں کی اتہام طرازی اور تہمت تراشی سے پاک وصاف ہیں۔ اور انہی میں داخل ہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اور یہ تو ان پاکبازوں، نیکوکاروں اور اطاعت گزاروں میں شامل ہیں جن کے لیے بخشش اور مغفرت کی دولتیں ہیں اور رزقِ کریم کی نعمتیں۔

اس آیۂ کریمہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کمال فضل وشرف ثابت ہوا کہ وہ طیبہ طاہرہ ہیں، پاک دامن اور پاک باطن ہیں اور انہیں اسی دنیا میں مغفرت اور رزقِ کریم کی دل نواز بشارتوں سے نوازا گیا ہے۔

مدارک شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے مرض وفات شریف میں عیادت کے لیے تشریف لاتے تو ام المومنین کو خوف وخشیتِ الٰہی میں مستغرق پایا کہ "بارگاہِ الٰہی میں کیا لے کر جا رہی ہوں!" آپ نے فرمایا کہ "بھلا آپ کو کیا غم واندوہ، آپ تو مغفرت اور رزقِ کریم کے سایے میں حاضرِ بارگاہ ہوں گی۔" اور پھر یہی آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی جسے سن کر آپ پر کمالِ فرحت وسرور کا غلبہ ہوا اور آپ بیہوش ہو گئیں۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے تو خصوصیتیں ایسی ملی ہیں جو کسی اور نصیب نہ ہوئیں، وہ یہ ہیں:

(۱) جبریل امین علیہ السلام میری تصویر ایک حریر پر بارگاہِ رسول میں لائے اور عرض کیا کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔

(۲) جب میں عقدِ مبارک میں لائی گئی تو باکرہ تھی اور میرے سوا کسی باکرہ (کنواری) سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح نہ فرمایا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف میری گود اور میری باری میں ہوئی۔

(۴) آپ کی قبرِ انور اور آخری آرام گاہ میرے ہی حجرہ کو قرار دیا گیا۔

(۵) بعض اوقات ایسی حالت میں کہ حضور پر وحی کا نزول ہوا کہ میں آپ کے ساتھ آپ کے لحاف میں ہوتی۔

(۶) میں ان کے صدیق و یارِ غار اور آپ کے پہلے خلیفہ کی بیٹی ہوں۔

(۷) میری برأت میں آیاتِ قرآنیہ نازل ہوئیں۔

(۸) میں پاک و صاف طیبہ و طاہرہ پیدا ہوئی۔

(۹) مجھ سے مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا گیا (انتہٰی)

صدّیقہ عائشہ کے کچھ اور فضائل

یہ وہی صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جن کی اسلامی خون سے ولادت ہوئی، اور جنہوں نے اسلامی شیر سے پرورش پائی۔

امہات المومنین میں وہ طیبہ ہیں جن کی شادی کا اہتمام حظیرۃ القدس میں کیا گیا تھا، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس شادی کو منجانب اللہ قرار دیا۔

یہ وہی صدیقہ طیبہ ہیں جن کے بارے میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین کا ارشادِ گرامی ہے "مردوں میں تو بہت لوگ تکمیل کے درجے کو پہنچے مگر عورتوں میں صرف حضرت مریم بنت عمران، حضرت آسیہ زنِ فرعون ہی تکمیل کو پہنچیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تو سب عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی ثرید کو سب کھانوں پر ہے۔" (بخاری شریف)

اور اس فضیلت کی وجہ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وہ کمالاتِ روحانیہ ہیں، جن کی وجہ سے ان کا منصب بارگاہِ الٰہی میں نہایت بلند تھا اور جن کے وجود سے ان کو انوارِ نبوت سے بدرجۂ اتم منور ہونے کی قابلیت حاصل ہوگئی تھی۔

یہ وہی صدیقہ طاہرہ ہیں جن کی برارت و طہارت کی آواز سے زمین و آسمان

گونج رہے ہیں یہ وہ وحی اتری جس کی قیامت تک نمازوں اور محرابوں میں تلاوت کی جاتی رہے گی۔

یہ وہی مقدس خاتون ہیں کہ جب کوئی صاحب ایمان اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ اَلطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ کو پڑھے گا، تو اسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی وطہارت کا اندازہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پاکی و نظافت سے کرنا ہوگا۔

یہ وہی مسلمانوں کی مقدس اور قابل ہزار احترام ماں ہیں جن کی عزت کرنے کا حکم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدۃ النساء العالمین فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا تھا۔

یہ وہی اعلیٰ منزلت، والا درجت خاتون ہیں، جن سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: "یہ جبریل ہیں اور تمہیں سلام کہتے ہیں۔" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا: "وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ۔ یعنی ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا سلام اور رحمت ہو۔"

یہ وہی بابرکت، ذی مرتبت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رفیقہ حیات ہیں، جن کے بارے میں صحابہ کرام فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے جب بھی کوئی آپ کی ناگواری کی بات سامنے آئی تو خدائے تعالیٰ نے خود اس میں کشود کار فرمائی اور مسلمانوں کے لیے بھی اس میں برکت ہی برکت پائی۔ (بخاری)

ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب کوئی نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ صحابہ کرام میں آپڑتا، تو وہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب رجوع کرتے تھے اور ان کے پاس اس سے متعلق ضرور علم پایا جاتا تھا۔

آپ کا نکاح ۱۰ھ نبوت میں مکہ معظمہ میں ہوا اور رخصتی ۱ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور ۶۳ سال کی عمر میں، ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ھ کو مدینہ طیبہ میں اجل طبعی سے وفات پائی اور جنت البقیع میں استراحت فرمائی۔

احکام و فوائد کا خلاصہ

اس تیسرے رکوع سے جو فوائد و احکام حاصل ہوتے، ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) بہتان تراشی نظرِ شرع میں ایک شیطانی فعل اور باعث لعنت حرکت ہے۔

(۲) خواہشاتِ نفسانی کی پیروی، تباہی و بربادی لاتی ہے، جبکہ نیک نیتی سے احکام شرع کا اتباع دُنیا و آخرت میں فوز و فلاح اور نجات و صلاح کا ضامن ہے۔

(۳) کسی جرم و گناہ کے ارتکاب کے بعد توبۂ صحیحہ کی توفیق، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصیب آتی ہے۔

(۴) خود نمائی، خود ستائی کے پردے میں بہت سی بُرائیاں جنم لیتی ہیں۔

(۵) آزادیٔ نسواں، جنسی اور اخلاقی آوارہ گردی کو پروان چڑھاتی ہے۔

(۶) بُرائی حات پردوں میں بھی چھُپ کر کی جاتے تب بھی بُرائی ہے اور اللہ پر روشن۔

(۷) نیکوکاروں سے اگر کوئی قصور سرزد ہو جائے تو وہ قابلِ معافی ہیں اور نیک سلوک کے مستحق بھی۔

(۸) سیدھی سادی شریف خواتین کی عزت و آبرو سے کھیلنا اور ان کی حُرمت و ناموس کو اپنی چرب زبانی کا نشانہ بنانا، عذابِ الٰہی کمانا اور لعنتِ خداوندی میں گرفتار ہو جانا ہے۔

(۹) بدکاروں کی زبانیں، اُن کی آنکھیں، اُن کے کان اور ان کی کھالیں، کل بروزِ قیامت ان کے تمام کرتوتوں کی ساری رُوداد اور پوری داستانیں سنا دیں گی۔

(۱۰) حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری امہات المومنین کی طرف معاذ اللہ! کسی نامعقول مذموم حرکت کی نسبت کر دینا ہر غلیظ سے غلیظ اور شدید سے شدید گناہ سے بدتر ہے۔

(۱۱) ازواجِ مطہرات، ان نیکوکاروں اور اطاعت گزاروں میں داخل و شامل ہیں، جن کے لیے بخشش و مغفرت کی دولتیں اور رزقِ کریم کی نعمتیں ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا[۴۱] اور گھروں میں نہ جاؤ۔ جب تک کہ اجازت نہ لے لو[۴۲] اور ان کے ساکنوں پر سلام نہ کر لو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے[۴۳] کہ تم دھیان کرو۔ (۲۷)

تشریح الالفاظ

لَا تَدْخُلُوْا۔ داخل نہ ہو، صیغہ ہے نہی کا اور اس کا مصدر ہے دُخُوْل یعنی داخل ہونا۔ اندر آنا۔ بُیُوْت، جمع ہے بیت کی گھر، مکان۔ غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ، اوروں کے گھر۔ تَسْتَاْنِسُوْا، اس کا مصدر ہے اِسْتِیْنَاس۔ اور مادہ ہے اُنْس۔ یعنی کسی سے مانوس ہونا۔ وحشت کا دور ہو جانا۔ یہاں اِسْتِیْذَان یعنی اجازت لینے کے معنی میں مستعمل ہے اور مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے اپنا پورا نام اور ضرورت ہو تو پتہ بھی بتا دو تاکہ اسے وحشت نہ رہے اور تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارا آنا صاحب خانہ کو گوارا ہے اور وہ اس پر راضی ہے۔ وَتُسَلِّمُوْا، اس کا مصدر تسلیم ہے یعنی سلام کرنا۔ ذٰلِکُمْ، یہ جو کچھ تم سے کہا جا رہا ہے، یعنی اجازت طلبی اور سلام۔ خَیْرٌ لَّکُمْ۔ تمہارے لیے بہتر اور ہر طرح سے مفید ہے، اور ذریعہ ہے بہت سے فتنوں کی بیخ کنی اور خرابیوں کی جڑ کاٹ دینے کا۔ تَذَکَّرُوْنَ۔ تذکّر سے بنایا گیا، اس کا مادہ ہے ذِکْر، یاد کرنا۔ دھیان دھرنا۔ پند و نصیحت قبول کرنا۔ کسی کی بات سے متاثر و اثر پذیر ہونا۔

مطالب و مباحث

سورت کے آغاز سے جو احکام دیئے گئے ہیں، ان کا مقصود اسلامی معاشرہ کو پاکیزہ سے پاکیزہ تر بنانا ہے، اس لیے اجتماعی طور پر ایسے قوانین کا بیان فرمایا گیا جن سے معاشرہ بد سے بدتر ہونے سے سنورتا ہے اور ایسے امور پر سخت پابندیاں لگادی گئیں، جن سے معاشرہ میں خرابیاں جنم لیتی ہیں اور لاقانونیت پھیلتی پھولتی ہے، اسی لیے تاکیدی احکام دیئے گئے کہ واہی تباہی باتوں کی برجستہ اور بروقت تردید کردینا اپنے اوپر لازم کرلیں تاکہ کوئی برائی رونما ہو بھی جائے، تو اپنی موت آپ مرجائے۔

اب مسلمانوں کو مزید ہدایات دی جارہی ہیں تاکہ وہ حسن اخلاق سے آراستہ و پیراستہ ہوکر ایک مثالی قوم کی طرح دنیا پر چھاجائیں اور وہ طریقے اختیار کریں کہ معاشرے میں بڑے سے بڑے برائیوں کی پیدائش ہی کو روکا جاسکے اور مفاسد کا سدباب ہوجاتے اور اس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں بے تکلف، بلا روک آزادانہ آنا جانا بند کردیا جائے اور نظروں پر پہرے بٹھا دیئے جائیں۔

مسلمان آنے جانے، ملنے ملانے کے طور و طریق اور آداب بھی سیکھیں، اور ساتھ ہی اپنی نظر کی تربیت میں بھی مصروف رہیں کہ معاشرہ میں رونما ہونے اور پرورش پانے والی صدہا برائیوں کی جڑ بد نظری ہے۔

اسی لیے نظر کی تربیت اس طرح انجام پائے کہ آزادی کی حد تک وہ آزاد رہے اور پابندی کی حد تک پابند۔ یہ وہ احتیاطی تدابیر ہیں جن پر عمل پیرا رہنا انسان کو پاک طینت، پاک خصلت اور پاک دامن اور انسانیت کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ بناتا ہے۔

شانِ نزول

زمانۂ جاہلیت میں عرب میں معمول تھا کہ ملاقات کے لیے آنے والا ہر جب اپنے گھر کے علاوہ کسی اور کے گھر جاتا تو حُیّیتم صباحاً (دوپہر سے قبل) اور حُیّیتم مساءً (دوپہر کے بعد) کہتا ہوا سیدھا گھر میں داخل ہو جاتا۔ اور بسا اوقات اہلِ خانہ کو خصوصاً عورتوں کو ایسی حالت میں دیکھ پاتا کہ گھر والوں پر سخت گراں گزرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح فرمائی اور استیذان کا حکم دیا۔

مروی ہے کہ اوائلِ اسلام میں بھی یہ رواج باقی رہا۔ یہاں تک کہ ایک انصاری خاتون نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر یہ عرض داشت پیش کی کہ یا رسول اللہ! ہم بسا اوقات اپنے گھروں میں تنہا ہوتے ہیں۔ ستر عورت کی بھی احتیاط نہیں کرتے، اور دوسرے مرد آزادانہ طور پر کسی اطلاع کے بغیر ہمارے گھروں میں گھس آتے ہیں، اور ان کی نگاہیں ہم پر ناپسندیدہ حالت میں پڑ جاتی ہیں۔ بڑا ہی اچھا ہو کہ آپ اس کا بھی کوئی معقول بندوبست فرمائیں!

اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تعلیم دی گئی کہ اس طریقِ کار کو یک لخت ترک کر دیں اور کسی کے گھر پر جانا ہو تو پہلے یہ معلوم کر لو کہ اس وقت میرا آنا گھر والوں پر گراں تو نہ گزرے گا اور اس کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے سلام کرو اور پھر اگر اجازت مل جائے تو گھر میں داخل ہو سکتے ہو۔

ف ۱۴ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں سے مراد وہ گھر ہیں جن میں وہ سکونت پذیر اور اقامت گزیں ہیں۔ عام ازیں کہ وہ ان کی ملک ہوں یا کرایہ پر حاصل کیے ہوں یا عاریۃً۔ بہرحال ملاقات کے لیے آنے والے پر یہ پابندی ہے کہ وہ بلا اجازت اندر داخل نہ ہو۔ ۱۲

ف۱۲ یہ حکم شرعی اس لیے ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کے مکان پر جائے اور صاحب خانہ سے باہر ملاقات نہ ہو تو پہلے اندر آنے کی اجازت حاصل کرے کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ جب اجازت مل جائے اور وہ اندر جائے تو پہلے سلام کرے، اس کے بعد بات چیت کرے۔ اور اگر جس کے پاس گیا ہے وہ باہر ہی موجود ہے تو اجازت کی ضرورت نہیں۔ پہلے سلام کرے اور پھر گفتگو شروع کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "سلام کو کلام پر مقدم کرو۔"

اور اجازت لینے کے لیے اگر کھڑا ہونا پڑے اور دروازے کے سامنے کھڑے ہونے میں بے پردگی کا اندیشہ ہو تو دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت طلب کرے۔ حدیث شریف میں ہے: "(اگر پہلی بار یا دوسری بار جواب نہ ملے تو) تیسری بار سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی طلب کرے۔ اگر تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔"

ف۱۳ اپنوں اور پرایوں، نامحرموں اور محرموں میں آزادانہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہے اور بے تکلف، خانۂ غیر میں جا گھسنے کی آزادیاں ہوں تو انسان کا گھر بھی اس کے لیے عشرت کدہ کی بجائے غم کدہ بن جائے اور گھر میں بھی اسے وہ سکون و آرام میسر نہ آئے جس کی تلاش میں وہ اپنے گھر میں تھکا ماندہ آتا ہے۔

پھر گھر کی عورتیں کام کاج اور خانگی امور میں بسا اوقات ایسی منہمک ہوتی ہیں کہ انہیں پردہ و حجاب کا بھی خیال نہیں رہتا اور سر سے دوپٹہ اتار دینا، یا سر کا کھل جانا، یا برتن وغیرہ صاف کرنے اور گھر کی صفائی کے وقت آستینیں چڑھا لینا تو کہنا چاہیے ان کا روزانہ کا معمول ہی ہوتا ہے۔ ایسی نادیدنی حالت میں کسی غیر کا آ دھمکنا، اس پر ناخوشگوار اثر بھی ڈالے گا اور قلبی اذیت کا موجب الگ ہوگا۔

اور اگر عورتیں انہیں گوارا کرنے لگیں، تو بے حیائی، بے شرمی اور بدلحاظی کے باعث

ایسی گوناگوں خرابیوں کا دروازہ کھل جاتے گا، جس کا تدارک قابو سے باہر ہوگا۔
اس لیے اُس علام الغیوب قادرِ مطلق نے ایسے اسباب کا خاتمہ کرنے کے لیے یہ پابندیاں لگائیں اور فرمایا کہ یہ پابندیاں سراسر تمہارے حق میں، تمہاری عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے ہیں، اور بہت سے مفاسد کی بیخ کنی کا ذریعہ ہیں، انہیں اپنے حق میں بہتر ہی جانو اور بطیبِ خاطر انہیں قبول کرو۔ ۱۲

چند احادیثِ کریمہ

(۱) "جب کوئی شخص بلایا جائے اور وہ اسی بلانے والے کے ساتھ آئے تو یہی بُلانا اس کے لیے اجازت ہے" (ابوداؤد) یعنی اس صورت میں اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک اور روایت میں ہے "آدمی بھیجنا ہی اجازت ہے" (ابوداؤد)
یہ حکم اس وقت ہے کہ فوراً آئے اور قرائن سے معلوم ہو کہ صاحب خانہ انتظار میں ہے۔ مکان میں پردہ ہو چکا ہے، تو اب اجازت کی کیا ضرورت! اور اگر دیر میں آئے تو اجازت حاصل کرے کہ اب ضمنی اجازت کا محل فوت ہو چکا۔
(۲) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنی ماں کے پاس جاؤں تو اس سے بھی اجازت لوں؟" فرمایا: "ہاں!" اُس نے کہا: "میں تو ماں کے ساتھ اسی مکان میں رہتا ہوں (کیا ایسی صورت میں بھی ہر بار اجازت طلب کروں؟)" حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اجازت لے کر اس کے پاس جاؤ۔" اُس نے کہا: "میں اس کی خدمت کرتا ہوں، یعنی بار بار آنا جانا ہوتا ہے پھر اجازت کی کیا ضرورت ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اجازت لے کر جاؤ۔ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اسے حالتِ برہنگی میں (بے لباس) دیکھو؟" عرض کی: "نہیں"۔

فرمایا: تو پھر اجازت حاصل کرو۔" (امام مالک)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اپنی ماں اور بہنوں کے پاس بھی جاؤ تب بھی اجازت لے کر جاؤ۔" بلکہ فرماتے ہیں "اپنے گھر میں اپنی بیوی بچوں کے پاس بھی جاؤ، تو کم از کم کھنکار کر جاؤ۔"

یہی آپ کا معمول رہا، چنانچہ آپ کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہیں "عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب بھی گھر تشریف لاتے تو پہلے ایسی آواز کر دیا کرتے تھے جس سے آپ کے آنے کا پتہ چل جاتا تھا۔ یہ بات آپ کو پسند نہ تھی کہ اچانک گھر میں آ کھڑے ہوں۔"

(۳) کسی شخص کو یہ حلال نہیں کہ دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت حاصل کیے نظر کرے اور اگر نظر کر لی، تو گویا داخل ہی ہو گیا (ترمذی) یعنی بلا اجازت، جو اپنی جگہ خود ایک جرم ہے۔

(۴) جس نے اجازت سے قبل پردہ ہٹا کر مکان کے اندر نظر کی، تو اس نے گویا ایسا کام کیا جو اس کے لیے حلال نہ تھا۔ اور اگر کسی نے (مزاحمت کی، یہ نہ مانا) اور اس نے اس کی آنکھ پھوڑ دی، تو اس پر کچھ تعزیر نہیں (نہ دیت نہ قصاص)

اور اگر کوئی شخص ایسے دروازے پر گیا جس پر پردہ نہیں اور اس کی نظر گھر میں موجود کسی عورت پر پڑ گئی (یعنی بلاقصد) تو اس کی خطا نہیں، گھر والوں کی ہے (کہ انہوں نے دروازے پر پردہ کیوں نہیں ڈالا)

(۵) کلدہ بن حنبل کہتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے مجھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا۔ میں سلام کہے اور اجازت لیے بغیر ہی اندر چلا گیا۔ حضور نے فرمایا: "باہر جاؤ اور یہ کہو: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ أَ أَدْخُلُ، کیا میں اندر آ سکتا ہوں" (ترمذی۔ ابوداؤد) اسی لیے ارشاد ہوا: "جو شخص اجازت طلب کرنے سے پہلے سلام نہ کرے، اسے اجازت نہ دو۔" (بیہقی)

چند مسائلِ شرعیہ

(۱) کسی کے دروازے پر جاکر آواز دی، گھر والوں میں سے کسی نے پوچھا کون ہے؟ تو جواب میں اُسے یہ نہ کہنا چاہیے کہ "میں ہوں" جیسا کہ بہت سے لوگ "میں" کہہ کر جواب دے دیا کرتے ہیں۔ اس جواب کو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سخت ناپسند فرمایا ہے، بلکہ جواب میں اپنا نام پتہ وغیرہ بتاکر اذن طلب کرے، کیونکہ "میں" کا لفظ تو ہر شخص اپنے لیے کہہ سکتا ہے۔ اس "میں ہوں" یا "میں" سے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے کہ کون آیا ہے تو یہ جواب ہی کب ہوا۔ (ابوداؤد)

(۲) اوروں کے گھروں میں داخلہ، صرف اجازت تک ہی محدود نہیں، بلکہ دوسرے کے گھر میں جھانکنا، باہر سے نگاہ ڈالنا یا کسی بھی طور سے گھر کے خفیہ حالات معلوم کرنا، حتیٰ کہ دوسروں کا خط یا ان کی اجازت کے بغیر ان کی اپنی تحریر بھی پڑھنا شرعاً جرم وگناہ ہے۔

(۳) سلام اور اجازتِ طلبی کا حکم جس طرح بینا (آنکھ والے) کے لیے ہے۔ یونہی نابینا بھی اس میں داخل ہے۔ مانا کہ وہ نابینا ہے اور وہ کچھ نہ دیکھ سکے گا اور عورتوں کی بے پردگی نہ ہوگی، مگر یہ اپنے کانوں سے گھر والوں کی باتیں تو سن سکتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ باتیں، غیروں کے سننے کی نہ ہوں اور دوسروں کے کن سوئے لینا، یہ خود اپنی جگہ ممنوع بلکہ حرام ہے۔ پھر گھر والی عورتیں تو اسے دیکھیں گی، تو وہ خواہ مخواہ ایک گناہ میں ملوث ہونگی

(۴) اجازت لینے کا یہ حکم جس طرح غیروں کے گھر جانے کے لیے ضروری ہے، یونہی آدمی اپنی ماں، بہن اور دوسرے محارم کے گھر جاتے، تب بھی یہی حکم ہے کہ اولاً سلام و استیذان، پھر داخلہ۔ اور وجہ وہی کہ کیا معلوم وہ کس حالت میں ہیں اور اس وقت اس کا ان کے گھر آنا ان پر گراں بھی گزر سکتا ہے۔

(۵) تین بار سلام۔ استیناس کا یہ حکم ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ متواتر پے در پے تین بار آوازیں لگا دیں، بلکہ مقصود ہے کہ پہلی آواز کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری آواز میں کچھ فاصلہ کچھ توقف ہونا چاہیے۔ ممکن ہے کہ صاحب خانہ تک آواز نہ پہنچی یا آواز پہنچی، تو وہ مصروفیت کے باعث فوراً جواب نہ دے سکا یا دروازے تک آتے آتے دیر ہو گئی۔

(۶) اجازت کبھی صریح ہوتی ہے اور کبھی ضمنی مثلاً معظم وہی کے ہمراہ اس کے خدمتگار پیش کار یا کسی دنیاوی اعزاز رکھنے والے کے ساتھ اس کے خادموں اور ملازموں کو اجازت، یا کسی حاکم وقت کی معیت میں اس کے اہل کاروں یا عملہ کے افراد کو اذنِ داخلہ۔

(۷) وقت عام ملاقات کا ہو یا اس آنے والے کے لیے مخصوص ہو، تب بھی دریافت کرنے اور صراحتاً اذن لینے کی ضرورت نہیں، یہ بھی ایک اجازت ہے جسے اجازتِ حکمی کہنا چاہیے۔

(۸) وہ مکانِ مردانہ بھی اس اذن طلبی سے مستثنیٰ ہے جہاں اہل خانہ یعنی جس سے ملاقات منظور ہے، اسی غرض سے بیٹھا ہو کہ جس کا دل چاہے ملاقات کو آ سکے۔

(۹) ہر چند کہ یہاں خطاب مردوں کو ہے، مگر ضمناً عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں کہ وہ بھی گھروں میں اگرچہ وہ زنانے ہوں، بلا اذن داخل نہ ہوں کہ مصالح کا یہی تقاضا ہے۔

(۱۰) اپنے گھر میں جس میں یقیناً اپنی منکوحہ بیوی کے سوا اور کوئی موجود نہ ہو، وہ اگرچہ اجازتِ طلبی سے مستثنیٰ ہے، لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اچانک گھر میں نہ جا گھسا ہو۔

(۱۱) اجازت یا تو صاحبِ خانہ کی معتبر ہے یا اس سے متعلق کسی معتبر شخص مثلاً اس گھر کے کسی فرد یا دیرینہ خادم۔ جس کے متعلق یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو کہ وہ اجازت صاحبِ خانہ کی طرف سے دے رہا ہے، اسی لیے بالکل ہی کسی ناسمجھ بچے کی بات پر اعتماد کر کے داخل نہ ہونا چاہیے۔

(۱۲) مذکورہ بالا احکام، راعی و رعیت، حاکم و محکوم سب کو عام ہیں۔ حاکمِ وقت یا اس کے کارندے بھی بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتے۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ، جب بھی بے مالکوں کی اجازت کے، ان میں نہ جاؤ، اور اگر تم سے کہا جائے واپس ہو جاؤ، تو واپس ہو جاؤ، یہ تمہارے لیے بہت ستھرا ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے (۲۸)

تشریح الالفاظ

اِنْ لَّمْ تَجِدُوْا میں اِنْ شرطیہ ہے اور لَمْ نافیہ۔ تَجِدُوْا، وجود یا وِجْدَان سے بنایا گیا، بمعنی پانا۔ کھونے کے بعد حاصل کرنا۔ اَحَدًا، کوئی کسی۔ لَا تَدْخُلُوْا، داخل نہ ہو، اندر نہ جاؤ۔ دخول سے بنایا گیا۔ یُؤْذَنَ۔ فعل مجہول۔ اِذْن، بمعنی اجازت سے بنایا گیا۔ اِرْجِعُوْا، واپس ہو جاؤ۔ رجوع سے بنایا گیا، بمعنی پھرنا، لوٹنا، واپس ہونا۔ اَزْکٰی۔ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ زَکَاءٌ سے مشتق ہے، بمعنی نیک و صالح ہونا۔ اَزْکٰی۔ پاکیزہ تر۔ زیادہ ستھرا۔ تَعْمَلُوْنَ، تم عمل میں لاتے ہو، کرتے ہو۔ عَلِیْمٌ۔ جاننے والا۔ واقف کار، باخبر۔

مطالبِ مباحث

ملاقات کے لیے آنے والے کو اجازت دینے والے گھر میں موجود ہوں تو اس کے
احکام وہ ہیں جو ابھی مذکور ہوئے، لیکن اگر مکان میں ایسا شخص موجود نہ ہو جو اجازت دینے
کا اختیار رکھتا ہے تو اب آنے والا کیا کرے؟ اس باب میں اب حکم دیا جا رہا ہے۔

ف۱ یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ گھر میں اجازت دینے والا کوئی موجود نہیں تب
بھی دوسروں کے گھروں میں مالک و مختار کی اجازت کے بغیر داخل ہونا درست نہیں،
اولاً تو ملکِ غیر میں تصرف کے لیے اس کی رضامندی ضروری ہے۔ اور ثانیاً
اس لیے کہ بسا اوقات صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر گھر میں گھسے چلے جانا فتنہ و فساد کا
باعث بن جاتا ہے اور اس سے گھر والوں کو یہ تاثر ملتا ہے کہ آنے والا گویا کہ ہم پر غالب
ہے اور اس کا حکم ان پر چلتا ہے اور یہ معمولی سا اقدام بڑی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں
کو جنم دیتا ہے۔ بعض ایسے ہی مواقع پر لوگ سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ بیٹھتے ہیں
کیا یہ تمہارے باپ کا گھر ہے؟ اور یہی نقطۂ آغاز ہے بدزبانیوں اور باہمی چپقلشوں کا
شریعتِ مطہرہ ایک آنکھ پسند نہیں فرماتی۔

ف۲ گھر میں صاحبِ اختیار موجود ہے، لیکن مصروف ہے یا اپنی کسی دینی و دنیاوی
مصلحت کے ماتحت اس وقت ملنا اور آنے والے سے ملاقات کرنا گوارا نہیں اور وہ
معذرت خواہی کے ساتھ اس ملاقات کو کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھنا چاہتا ہے،
تو آنے والوں کو بے جا اصرار کرنے یا ناگواری محسوس کر کے اس سے لڑنے جھگڑنے
یا دروازے پر جم کر کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں، اسے واپس چلا آنا چاہیے۔ اس طرح
اڑنا طرفین سے تعلقات استوار نہیں رہتے، دلوں میں کدورت آتی اور آدمی کا وقار چاٹ
جاتی ہے۔ پھر وقت کا ضیاع اور مروت کا زیاں اس پر مستزاد۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی کا زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانا یا کنڈی بجاتے جانا، یا سخت آواز میں چیخنا خاص کر معظمانِ دینی مثلاً مشائخ و اساتذہ و اکابرِ ملت اور ایسے ہی دوسرے بزرگوں کے دروازوں پر ایسا کرنا، بلکہ انہیں زور سے پکارنا بھی مذموم و ممنوع، مکروہ اور خلافِ ادب ہے اور لفظ آنس کی سے بھی اشارۃً یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ابو عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے اسی لیے کبھی کسی عالمِ دین کا دروازہ نہ کھٹکھٹایا۔" ۱۲

ف۴۶ یعنی اجازتِ دخول نہ ملنے پر بیجا اصرار کرنے، دروازے پر جم کر کھڑے رہنے، شور و غل مچانے کی بجائے کوئی ناگواری محسوس کیے بغیر واپس آجانا اور ملاقات کو دوسرے وقت پر اٹھا رکھنا اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بلاتردد واپسی میں صفائی اور طہارت زائد ہے، جبکہ ادنیٰ تأمل سے اس سے بہت سے اور فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں، مثلاً:

(۱) صاحبِ خانہ اور خود اس ملاقی کے سینوں کا کدورت سے پاک و صاف رہنا۔
(۲) اہلِ خانہ کا شرمندگی اور خواہ مخواہ کی پشیمانی سے مامون رہنا۔
(۳) ناگہانی داخلہ سے نظروں کے تصادم اور اس سے پیدا ہونے والے بعض فتنوں کا سدِّباب۔
(۴) غلط فہمیوں کا ازالہ اور باہمی اعتماد و مروّت کی بقا۔
(۵) وقت کا تحفظ۔ (۶) مصروفیت کا احترام

ف۴۷ یہ گویا ایک وعید ہے مخاطبین کے لیے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کون کیا کرتا ہے اور کیا چھوڑتا ہے۔ اور جیسا کسی کا عمل ہوگا، ویسی ہی وہ اس پر جزا دے گا۔ اور مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر صاحبِ خانہ نے خود کو آنے والے سے ازراہِ تکبر برتر جانا اور اسے بہ نیتِ تحقیر دُر دُرا دیا یا خواہ مخواہ کا عذر گھڑ لیا، تو اسے بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اور اگر واقعی کوئی عذرِ معقول تھا، تو وہ بھی اس پر روشن ہے۔ ۱۲

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان گھروں میں جاؤ جو خاص کسی کی سکونت کے نہیں اور ان کے برتنے کا تمہیں اختیار ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو۔ (۲۹)

تشریح الالفاظ

لَيْسَ، حرفِ نفی ہے جُنَاحٌ، اثم و گناہ۔ اس کا اطلاق ہر ایسے فعل پر آتا ہے جو نیکی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے والا ہو۔ اس لفظ کا اطلاق کسی عمل پر خود اسے حرام قرار دینے کے لیے کافی ہے اور اثم و گناہ کی نفی کر دی جائے تو وہ اس عمل کے مباح و جائز ہونے کی دلیل ہے۔ غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ، وہ مقامات و مکانات جو عموماً سکونت کے لیے نہیں ہوتے، بلکہ ان میں ہر وقت آنے جانے کی عام اجازت ہوتی ہے، مثلاً سرائے، مہمان خانے اور ہوٹل وغیرہ۔ یونہی دوکان، مدرسہ، خانقاہ اور کارخانے وغیرہ۔ ایسی عمارتیں ہیں جہاں جانے کے لیے عام طور پر کسی خاص اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن جن کو اجازت نہ ہو، ان کو ایسی عمارتوں میں بھی بلا اجازت جانا جائز نہ ہوگا۔ مَتَاعٌ، سامانِ معیشت، پہننے بچھانے اور برتنے کی چیزیں، ہر وہ شے جس سے فائدہ اٹھایا جائے، پھر وہ فنا کے نذر ہو جائے۔ منفعت اور کاروبار۔ تُبْدُوْنَ۔ تم ظاہر کرتے ہو۔ اس کا مصدر ابداء ہے اور مادہ بَدَاءَةٌ۔ تَكْتُمُوْنَ، تم چھپاتے ہو۔ اس کا مصدر کتم اور کتمان ہے بمعنی چھپانا، کسی چیز کا پوشیدہ رکھنا۔

مطالب و مباحث

رُوئے زمین پر یقیناً وہ مقامات بھی ہیں جو دوسروں کی ملک یا ان کے قبضہ و تصرف میں ہیں۔ نہ وہاں کسی فرد یا خاندان کی سکونت و رہائش ہے اور نہ صاحب اختیار کی جانب سے وہاں آنے جانے پر کوئی خاص بندش لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ قدرۃً دل میں خیال گزر سکتا ہے کہ کیا ایسی جگہوں پر آنے جانے کے لیے اِذن طلبی ضروری ہے۔ قرآن کریم اسی شبہ کا جواب اس آیۂ کریمہ میں دیتا ہے۔

آیتِ کریمہ کے شانِ نزول میں حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت اُن صحابۂ کرام کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے آیتِ استیذان یعنی اوپر والی آیت نازل ہونے کے بعد دریافت کیا تھا کہ مکہ مکرمہ اور مدینۂ طیبہ کے درمیان اور شام کے راستے میں جو مسافر خانے بنے ہوئے ہیں۔ اَفَلَا نَدْخُلُهَا اِلَّا بِاِذْنٍ (کیا ہم ان میں بھی اجازت حاصل کیے بغیر داخل نہیں ہو سکتے؟)

ف ۴۸ یعنی ایسے مقامات جہاں لوگوں کے لیے داخلہ کی عام اجازت ہو، مثلاً سرائے، مہمان خانے، مسافر خانے اور ہوٹل وغیرہ ایسی عمارتوں میں جانے کے لیے اجازتِ خاص کی حاجت نہیں کہ وہ عمارتیں خود ہی مسافروں، پردیسیوں کی آرام و آسائش یا عام خرید فروخت کے لیے مختص ہیں، ان میں آنا جانا، کھانا پینا، خرید و فروخت کرنا، نہانا دھونا، آرام لینا۔ غرض جس مقصد و منفعت کے ماتحت وہ عمارتیں بنائی گئیں، وہ مقصد و منفعت حاصل کرنا شرعاً معیوب و مذموم و ممنوع نہیں کہ جب یہ مقامات اپنی ان اغراض کے لیے شہرت رکھتی ہیں، تو ان میں داخلہ کی کوئی بندش نہیں۔ ہاں بدقماش، بداطوار قسم کے لوگ جنہیں ایسے ایسے مقامات پر آنے جانے کی اجازت نہیں ہوتی، وہ اب بھی بلا اجازت وہاں داخل ہونے کا حق نہیں رکھتے۔ آیۂ کریمہ کا آخری فقرہ بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ ۱۲

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

مسلمان مردوں کو حکم دو، اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے۔ بیشک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔ (۳۰)

تشریح الالفاظ

یَغُضُّوْا، نگاہیں نیچی رکھیں، کسی چیز کو نگاہ بھر کر نہ دیکھیں۔ غَضَّ یَغُضُّ کا مضارع ہے۔ اس کا مصدر غَضٌّ ہے، یعنی نظر یا آواز کو پست کرنا، روکنا، نادیدنی چیز سے نظر ہٹالینا۔ اَبْصَارِهِمْ، اپنی نگاہیں۔ اَبْصَار جمع ہے بَصَر کی، بمعنی قوتِ بصارت۔ آنکھ۔ نگاہ، اور بصیرت کہتے ہیں فراستِ وزیرکی کو۔ اس پر لفظ مِنْ تبعیض کے لیے ہے، یعنی ہر نظر حرام نہیں، صرف بعض نظریں حرام ہیں، تو حکم بعض نظروں کو بچانے کا ہے، یعنی حرام نظریں، نظرِ اجنبی اور نظرِ شہوت۔ یَحْفَظُوْا، حفاظت کریں۔ جمع مذکر غائب فعل مضارع۔ اس کا مصدر و مادہ ہے حفظ و حفاظت۔ ضائع اور تلف ہونے سے بچانا، نگہبانی و نگہداشت کرنا۔ فُرُوْجٌ جمع ہے فَرْجٌ کی، بمعنی شرمگاہ۔ اس کا اطلاق آگے پیچھے کے دونوں مقامات پر ہوتا ہے۔ ذٰلِكَ، یہ۔ یعنی یہی نظروں کا نیچا رکھنا اور ناموس کی حفاظت کرنا۔ خَبِیْرٌ جاننے والا، حقیقتِ حال سے واقف و باخبر۔ تَصْنَعُوْنَ، اس کا مادہ و مصدر صُنْعٌ اور صنعت ہے بمعنی بنانا، کاریگری۔ عمل میں لانا۔

مطالب و مباحث

مردوں اور عورتوں کا آپس میں ایک دوسرے کی طرف میلان اور ایک کا دوسرے کی طرف مائل ہونا ایک طبعی اور قدرتی امر ہے جو مردوں میں بعینہٖ اسی طرح موجود ہے، جس طرح عورتوں میں۔ اگر ان دونوں میں یہ فطری میلان اور ایک دوسرے سے قلبی علاقہ موجود نہ ہو تو انسانی معاشرہ، تہذیب و تمدن کا گہوارہ بھی وجود میں نہ آپائے اور وہ تمام مصالح جو انسانی معاشرہ کی جان ہیں، بلکہ جو اس معاشرہ کی بنیاد و اساس ہیں، کہیں اور کبھی ظہور نہ پا سکیں، لیکن ان جذبات اور خواہشات کا گلا گھونٹنا اور انہیں جسمِ انسانی کے پنجرے میں ہمیشہ کے لیے اور ہر ایک پر مقفل کر دینا جس طرح درپردہ معاشرہ میں فتنوں کے پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا موجب ہے۔ یونہی ان جذبات و خواہشات کو مکمل آزادی دے دینا بھی "ناجائز آشنائیوں" کو پرورش کرنے کے مترادف ہے۔

اگر یہ نفسانی خواہشات اور فطری جذبات حدِ اعتدال میں نہ رہیں اور ان میں اپنوں اور پرایوں کا امتیاز مٹا دیا جائے، تو یہی میلان خطرات کو جنم دے کر اور انسانیت کو تباہی کے گڑھوں میں دھکیل کر سسک سسک کر مر جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

تو جس طرح مرد و عورت ایک دوسرے سے مکمل طور پر علیحدگی کی صورت میں ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل نہیں دے سکتے۔ یونہی آزادی حقوق" کے نام پر آزادانہ اور غیر مشروط اختلاط نہ پاکیزہ ماحول پیدا کر سکتا ہے اور نہ ایسے معاشرہ میں نیک نفس، پاک باطن نسلِ انسانی پروان چڑھ سکتی ہے۔ انہی حدود میں رہتے ہوئے انسان کو آزاد رکھنے کا نام زبانِ شریعت میں حجاب یا پردہ ہے۔

(۵) حجاب وستر اور پردہ کی پہلی سیڑھی ہے تربیتِ نظر۔ معاشرہ میں صد ہا برائیوں کو جنم دینے والی چیز ہے بدنگاہی۔ بدنگاہی اور چوری چھپے نظر بازی ہی انسان کو بدکاری کی طرف دھکیلتی اور بدچلنی اور بدکرداری پر ابھارتی ہے۔ طبیعت میں ہیجان پیدا کرکے جھوٹی تسکینِ قلبی کی خاطر چوری چھپے ملاقاتوں تک پہنچاتی اور پھر آخر کار اسے گمراہی اور بدنامی کے جہنم میں گرادیتی ہے۔

شریعتِ مطہرہ اسی بدچلنی و بدکاری اور گمراہی و بدنامی کے غار میں گر کر بے موت مرنے سے آدمی کو بچاتی اور فوز و فلاح کی طرف بلاتی ہے، چنانچہ مردوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ اپنی نگاہوں کو اپنے قابو میں رکھو اور کبھی ایسی چیز کو آنکھ بھر کر نہ دیکھو جس کے دیکھنے کی تمہیں اجازت نہیں، اور جس چیز کا دیکھنا جائز نہیں، اس پر نظر نہ ڈالو کہ جب نظرِ بد کسی پر پڑے گی، تو جذبات میں اشتعال پیدا ہوگا، اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا گیا "نظرِ بد شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔"

پھر کرم پروردگار کا یہ عجوبہ بھی تصور میں لایئے کہ بلا قصد نادانستہ طور پر نظر کا کسی پر پڑ جانا (جس سے آدمی صرف اس صورت میں بچ سکتا ہے کہ یا تو آبادی چھوڑ کر ویرانیوں کو بسائے یا آنکھوں پر پردہ چڑھا کر بلکہ پٹی باندھ کر گھر سے قدم باہر نکالے) قابلِ مواخذہ جرم نہیں۔ جرم تو یہ ہے کہ پہلی نظر کے بعد جو بلا قصد تھی، اپنے قصد و ارادہ سے دوبارہ اس پر نگاہ جمائی جائے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا کہ پہلی نظر تمہارے لیے (تمہارے حق میں اور تم پر معاف) ہے، مگر دوسری نظر تمہارے حق میں مضر ہے" (یہ معاف نہیں)

ایک صحابی نے پوچھا: "اگر اچانک نگاہ پڑ جائے تو کیا کروں؟" فرمایا "نگاہ پھیر لو یا فوراً نیچی کرلو۔" (ترمذی)

مُسندِ احمد میں ابوامامہ کی روایت ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس مسلمان کی نگاہ کسی حسین عورت کے حسن و جمال پر پڑے اور وہ فوراً اپنی نگاہ پھیر لے، تو اللہ تعالیٰ اس کی عبادت میں لذت و چاشنی پیدا فرما دیتا ہے۔"

بیہقی نے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "دیکھنے والے اور اس پر جس کی طرف نظر کی گئی اللہ تعالیٰ کی لعنت"۔ یعنی دیکھنے والا جب بلا عذر قصداً دیکھے اور دوسرا اپنے آپ کو بلا عذرِ شرعی قصداً دکھائے۔

ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "عورت، عورت ہے، یعنی چھپانے کی چیز ہے۔ جب وہ نکلتی ہے تو اسے شیطان جھانک کر دیکھتا ہے، یعنی اسے دیکھنا شیطانی کام ہے"۔

فٹ حفظِ فروج یعنی شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد ہے زنا سے کُلی اجتناب۔ اور لفظ کے عموم میں جیسے زناکاری داخل ہے، یونہی شہوت رانی کے تمام ناجائز طریقے بھی داخل ہیں اور وہ سارے امور بھی جو بدکاری پر اکسائیں اور جذبات کو مشتعل کریں۔ مثلاً شہوت سے کسی کے جسم کو ہاتھ لگانا، چوم لینا، پیار کرنا، معانقہ کرنا اور آغوش میں سمیٹ لینا وغیرہ۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "جو شخص اس چیز کا جو جبڑوں کے درمیان (زبان) ہے، اور اس چیز کا جو دونوں پاؤں کے درمیان (شرمگاہ) ہے، ضامن ہو (کہ ان سے خلافِ شرع بات نہ کرے) تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔" (بخاری) اور ایک حدیث میں فرمایا: "جو شرمگاہوں کی حفاظت کرے گا اس کیلئے جنت ہے"۔ ۱۲

فٹ بدکاری و بدنظری کے ارتکاب میں آدمی خاص طور پر اہتمام کرتا ہے کہ کوئی اور اسے اس حالت میں دیکھ نہ سکے، اس لیے یہاں یاد دلایا کہ کوئی اور تمہیں دیکھ سکے یا نہ دیکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ تو ہمہ داں ہمہ بیں ہے۔ سب کچھ جانتا سب کچھ دیکھتا ہے۔ تم چھپنے چھپانے کی کتنی ہی

کوششیں کر لو، اس سے تو نہیں چھپا سکتے۔ "

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو، اپنی نگاہیں[۵۲] نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی[۵۳] کی حفاظت کریں، اور اپنا[۵۴] بناؤ نہ دکھائیں، مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے[۵۵] گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا[۵۶] سنگھار ظاہر نہ کریں، مگر اپنے شوہروں[۵۷] پر، یا اپنے باپ[۵۸] یا اپنے شوہروں کے باپ، یا اپنے[۵۹] بیٹے، یا اپنے شوہروں کے بیٹے، یا اپنے[۶۰] بھائی یا اپنے بھتیجے[۶۱] یا اپنے بھانجے یا اپنے دین[۶۲] کی عورتیں، یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں، یا نوکر[۶۳] بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں، یا وہ[۶۴] بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین[۶۵] پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگھار۔ اور اللہ[۶۶] کی طرف توبہ کرو۔ اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح[۶۷] پاؤ۔ (۳۱)

تشریح الالفاظ

يَغْضُضْنَ يَحْفَظْنَ، عورتیں کسی ایسی چیز پر نظریں نہ جمائیں جن کے دیکھنے کی اجازت نہیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ کسی اجنبی کی نظر بھی ان پر نہ پڑے۔ وَلَا يُبْدِينَ اس کا مصدر اِبْدَاء ہے۔ ظاہر کرنا، کسی کی نگاہ میں لانا۔ لا، اس میں نافیہ ہے معنی یہ ہیں کہ عورتیں اپنا سنگھار غیر مردوں پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ زِيْنَتَهُنَّ، اپنا بناؤ سنگھار۔ زینت آراستہ کرنا، سنوارنا، اس کے تحت میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جو مرد کے لیے عورت کی طرف رغبت و میلان کا باعث ہو، خواہ پیدائشی ہو، مثلاً حُسنِ صورت، تناسب اعضاء، خوش خرامی وغیرہ۔ خواہ کسبی ہو، مثلاً خوشنما لباس و زیور، اور سر، منہ، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کی مختلف آرائشیں جو عموماً عورتوں میں رائج ہیں، مثلاً پاؤڈر، غازہ، نیل پالش، سُرخی وغیرہ۔ وَلْيَضْرِبْنَ، یہ لفظ ضرب سے بنایا گیا جو کثیر معنی میں مستعمل

ہے، شو حرکت بمعنی کہاوت بیان کرنا، مدت مقرر کرنا، دردم دھمال، کسی کو تصرف سے باز رکھنا، سفر کرنا، مارنا۔ اور یہاں اس سے مراد ہے کسی کپڑے کا اس طرح استعمال میں لانا جس سے سر اور سینہ اچھی طرح چھپ جائے۔ خُمُرِهِنَّ اپنے دوپٹے خُمُر جمع ہے خِمار کی بمعنی اوڑھنی، دوپٹہ اور چادر وغیرہ۔ وہ کپڑا جو سر اور گریبان اور سینہ و کمر کو غیروں کی نظروں سے چھپانے کے لیے استعمال میں لایا جائے۔

جُيُوبِهِنَّ، عورتوں کے اپنے گریبان۔ جمع ہے جَيب کی بمعنی گریبان (سر و سینہ) بُعُولَتِهِنَّ، اپنے شوہر۔ بُعُول جمع ہے بَعل کی بمعنی شوہر و خاوند۔ اور بیوی کو عربی میں بَعل بھی کہتے ہیں بَعلة بھی۔ آبَاء جمع ہے اَبٌ کی بمعنی باپ۔ اور اس کے مفہوم میں صرف باپ ہی نہیں، بلکہ دادا، پردادا، نانا، پرنانا جن کی اولاد میں یہ ہے، سب داخل ہیں۔ اِخوَان جمع اَخٌ کی بمعنی بھائی، اس میں سگے سوتیلے اور ماں میں شریک سب بھائی داخل ہیں۔ اَخَوَاتٌ جمع ہے اُختٌ کی بمعنی بہن۔ خالہ، ماموں اور پھوپھی کی اولاد، بھائیوں کے حکم میں نہیں ہیں۔ بَنِي اِخوَان۔ بھائیوں کی اولاد، یعنی بھتیجے۔ بَنِي اَخَوَات بہنوں کی اولاد، یعنی بھانجے۔ نِسَاءَ۔ عورتیں۔ اور یہاں مراد اس لفظ سے مسلمان عورتیں ہیں، اس لیے کہ کافر عورتیں شریعت اسلامیہ میں اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں۔ مسلمان عورت کو کافرہ عورت کے سامنے اپنا بدن کھولنا جائز نہیں مَا مَلَكَت اَيمَانُهُنَّ، وہ کنیزیں جو عورتوں کی مِلک ہوں۔ اَلتَّابِعِينَ، سے مراد وہ لوگ ہیں جو پیٹ بھر روٹی کے لیے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ اَلاِربَة، عورتوں کی جانب میلان، حاجت اور نفس کا اشتہاء۔ غَيرِ اُولِي الاِربَة، سے مراد وہ مرد ہیں جو اپنی عمر یا جسمانی ساخت سے ایسے گئے گزرے ہوں کہ ان میں عورتوں کی جانب کوئی اشتہاء و خواہش نہ ہو، مثلاً ایسے بڈھے ہوں جن میں اصلاً شہوت باقی نہیں رہی اور ہوں نیک خود صالح۔ الطِّفل نابالغ لڑکا۔ یہ اسم جنس ہے، واحد جمع سب کے لیے مستعمل ہے۔ اَرجُل،

جمع ہے رِجْل کی، بمعنی پاؤں۔ تُوْبُوْا، امر کا صیغہ ہے۔ تَوْبَۃ اس کا مصدر ہے۔
کسی بُرائی پر دل سے نادم ہو کر اس کے ترک کا پختہ عزم کرنا۔ تُفْلِحُوْنَ، فلاح
سے بنایا گیا، بمعنی کامیاب و فتح مند ہونا۔

مطالب و مباحث

ابھی اوپر والی آیۂ کریمہ میں مردوں کو غضِ بصر اور حفظِ فروج کا حکم دیا گیا تھا
کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اب مسلمان عورتوں کو وہ آداب
و احکام بتاتے جا رہے ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنی عزت و ناموس اور جان برابر اپنی
آبرو کو بدقماش بدمعاش مردوں کی ہوسناکیوں سے محفوظ و مامون رکھ سکتی ہیں۔
؁ بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے اور اسی کی بدولت فحش کاریوں کے دروازے
کھلتے ہیں اور چونکہ عورتیں اپنی فطری کمزوری کے باعث دوسروں سے جلد متاثر ہو جاتی
ہیں، اس لیے شریعتِ اسلامیہ ان سے صرف غضِ بصر اور حفظِ فروج ہی کا مطالبہ نہیں
کرتی جیسا کہ مردوں سے کیا گیا تھا، بلکہ وہ اُن سے کچھ اور مطالبے بھی کرتی ہے اور
عورتوں کو عورتوں سے مخصوص احکام کا پابند بناتی ہے اور انہیں سمجھاتی ہے کہ آرائش و
زیبائش کا شوق کہیں تمہیں غلط راہوں پر نہ ڈال دے۔ اور ایسا نہ ہو کہ تمہارا شوق
تمہیں عزت و ناموس سے محروم کر کے بے حیائی و بے شرمی و آوارگی اور بدچلنی کی اندھیروں
میں ڈال کر تمہاری دنیا و آخرت اور تمہارے دین و مذہب کو تباہ و برباد نہ کر دے اور
تسکینِ شوق کے نشہ میں مخمور ہو کر کہیں دین و دنیا ہی سے جاتی نہ رہو۔
پھر عورتوں پر پاکیزہ معاشرہ اور پاکیزہ ماحول پیدا کرنے کی بھاری ذمہ داری ہے
اگر عورت ہی کجروی اختیار کرے۔ عورت ہی اپنی پاکیزگی اور نیک طینتی کو داؤ پر لگا دے،
تو معاشرہ میں پاکیزگی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو گا۔ ان حدود و قیود کی جو تو میں

پابند نہیں ، ان کی زندگی شیریں میں جو اندھیرا پھیلا ہے، وہ دیدۂ عبرت کے لیے بہت کافی ہے۔ وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہتی ہیں کہ

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

عورتوں کا مغربی تہذیب کے شکنجوں میں جکڑا ہوا رہنا
بے چارگی و کس مپرسی کی ذلت و رسوائی برداشت کرتے رہنا
باپ بیٹے کی دستگیری اور خدمت گزاری سے محروم رہنا
والدین کی شفقت اور بہن بھائیوں کی محبت کو ترسنا
مردوں کے دوش بدوش چلنے کے شوق میں اپنی حیثیت کو گم کر دینا
مخلوط سوسائٹیوں کے شوق میں اپنی عزت و ناموس کو پامال کرنا۔
مردوں سے آزادانہ اختلاط کے نتیجے میں جرائم کی پیداوار کا ذریعہ بن کر رہ جانا
خاندانی منصوبہ بندی کے چکر میں ناجائز اولاد کو جنم دینا
کھلکھلاتی ہوئی نوجوانیوں کو تلخیوں اور محرومیوں کی بھینٹ چڑھا دینا
عیاش مردوں کی زینتِ آغوش بن کر اپنی محرومیوں پر روتے رہنا

غرض "چادر و چار دیواری" کے حصار سے نکل کر باہر چھلانگ لگانے والی عورتیں آج خود ان ممالک میں اپنی زندگی سے بیزار، دامِ تزویر میں گرفتار اور حرماں نصیبی کا شکار ہیں، جبکہ اسلام انہیں ان کے تقدس، ان کی حرمت اور ان کی عزت و ناموس کے ساتھ زندگی گزارنے کے ڈھنگ سکھاتا اور بنیادی طور پر ہدایتیں دیتا ہے کہ عورتیں ؛

(۱) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔
(۲) اپنی پارسائی اور عزت و ناموس کی حفاظت کریں، اس پر داغ نہ آنے دیں۔
(۳) اپنی زیبائش و آرائش اور بناؤ سنگھار کسی اجنبی کی نگاہوں میں نہ آنے دیں۔
(۴) اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں کہ سر و سینہ کھلا نہ رہے۔

(۵) زمین پر اس طرح اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کے زیور کی جھنکار غیر مردوں کے کان میں نہ پڑے۔

ف۵۲ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں یعنی جس چیز کا دیکھنا جائز نہیں، اس پر نظر نہ ڈالیں۔ اس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں دیکھیں، البتہ ایک حدیث شریف ذہن نشین کرلیں کہ ازواجِ مطہرات میں سے بعض امہات المومنین یعنی حضرت امّ سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سیّدِ عالم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں کہ عبداللہ ابن امِ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پردہ کرنے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ "وہ تو نابینا ہیں" (یعنی وہ نہ ہمیں دیکھ سکیں گے نہ ہمیں پہچان سکیں گے) فرمایا، "تم تو نابینا نہیں ہو" (ترمذی شریف) ۱۲

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر مردوں کے سامنے آنا جائز نہیں، اگرچہ وہ نابینا ہوں۔

ف۵۳ اپنی پارسائی کی حفاظت کریں یعنی زنا جیسی ملعون حرکت سے دور بھاگیں، اور وہ طریقے استعمال کریں کہ کسی بدقماش، بدکردار مرد کا ہاتھ تو ہاتھ، اس کی للچائی ہوئی نظریں بھی اس پر نہ پڑنے پائیں، یعنی تمام بدن کو چھپائیں اور پردہ کا اہتمام کریں اور خود بھی غیر مردوں پر نظریں نہ دوڑائیں۔ تفصیل اس کی بھی گزر چکی۔ ۱۲

ف۵۴ اپنا بناؤ سنگھار جو حدودِ شریعت میں ہو تو جائز ہے، لیکن اجنبیوں اور غیر مردوں کی نمائش اور دیدہ بازی کی دعوت دینے کی نیت سے نہیں کہ جب بدکردار، بدطینت مردوں کی نگاہیں، شریف بیبیوں کی طرف اٹھیں گی اور عورتوں کو ان کی یہ نازیبا حرکتیں گوارا ہوں گی، تو پھر بدچلنی اور بے راہ روی کی راہیں، نہ صرف یہ کہ کھل جائیں گی، بلکہ کشادہ سے کشادہ تر ہو جائیں گی اور انجام اس کا ظاہر ہے کہ سارا اسلامی معاشرہ بوسنا کیوں کی آماجگاہ بن جائے گا اور پاکیزگی کہیں دیکھنے میں نہ آئے گی جسے شریعتِ اسلامیہ روئے زمین کے چپے چپے پر دیکھنا اور پھیلانا چاہتی ہے۔

البتہ اس حکم سے وہ صورتیں مستثنیٰ ہیں جو مَا ظَهَرَ کے تحت آجاتی ہیں یعنی وہ صورتیں آرائش و زیبائش اور بناؤ سنگھار کی اس حکم نہی میں داخل نہیں جو خود بخود ظاہر ہوں۔ یا عورت کے قصد و ارادہ کے بغیر ظاہر ہو جائیں۔ یعنی جسم کے وہ حصے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو اگرچہ زینت کے مواقع ہیں، لیکن ان کے چھپاتے رکھنے میں عموماً حرج اور زحمت ہے، مثلاً چہرہ کی ٹکیا اور ہتھیلیاں اور پیر، کیونکہ سرمہ لگانا چہرے کی اور خضاب، یعنی مہندی لگانا اور انگوٹھیاں پہننا، ہتھیلیوں اور انگلیوں کی زینت ہیں۔ اور بہت سی دنیادی اور دینی ضرورتیں ان کو کھلا رکھنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے کا مطلقاً ہر حال میں حکم دیا جائے تو عورتیں بڑی دشواریوں میں پھنس جائیں۔ اس لیے انہیں یہ رعایت دی گئی کہ اپنے محرم رشتہ داروں مثلاً باپ، بھائی، چچا، ماموں، دادا، نانا، خسر اور داماد وغیرہ جن کا ذکر آگے آرہا ہے، ان کے سامنے اپنے جسم کا وہ حصہ کھلا رکھ سکتی ہیں جسے کھلا رکھے بغیر وہ خانگی امور انجام نہیں دے سکتیں، جیسے آٹا گوندھتے وقت آستینیں چڑھا لینا، یا گھر کا فرش دھوتے وقت شلوار وغیرہ کے پائنچے ذرا اوپر چڑھا لینا کہ جسم کے یہ حصے اگرچہ زینت کے مواقع ہیں لیکن ان کا تیرا ایک سے" ہر حالت میں چھپاتے رکھنا حرج عظیم اور باعث زحمت ہے، اسی لیے حنفی فقہاء و مفسرین کے یہاں چہرہ اور کفِ دست اور پیروں کے دیکھنے کی اجازت ملتی ہے۔

لیکن خیال رہے کہ ان اعضاء کی طرف نظر کرنا، یا ان کا کھولے رکھنا صرف اور صرف اُسی صورت میں جائز ہے کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ چہرہ تو چہرہ، کفِ دست پر کا دیکھنا اور اس پر نظر جمانا بھی جائز نہیں۔ بالخصوص جبکہ عورتیں خوبرو اور خوش جمال ہوں، یا پھر وہ قدرتاً تو حسن و جمال کی وارث نہیں، البتہ خوبصورت ڈھانچوں میں ڈھالنے والی مصنوعی آرائشوں اور زیبائشوں کی بدولت حسین و جمیل نظر آتی ہیں، ان کے بھی چہروں پر نظریں گاڑنے کی اجازت نہیں۔

اوڑھنی اس طرح اوڑھتیں کہ اس کے پلو پشت پر رہتے اور سینہ عریاں کا عریاں، گلا کھلا کا کھلا، سینوں پر کشادہ گریبان والی قمیصوں کے سوا کوئی اور چیز نہ ہوتی اور نتیجہ اس کا ظاہر ہے کہ سینے اور چھاتی کے بالائی حصے غیر مردوں کی نظروں اور آوارہ نگاہوں کا مرکز بنے رہتے ہیں۔

اسلام کو زمانہ جاہلیت کی یہ بیہودگی اور آوارہ گردی ایک لمحے کے لیے بھی گوارا نہیں۔ اس لیے اس نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ سینے کا کوئی حصہ نمایاں اور عُریاں رہ جانا کیا معنی؟ اسے تو خاص طور پر ڈھکا رہنا چاہیے اور سروں پر دوپٹے اس طرح اوڑھنے چاہییں کہ ان کا ایک حصہ پشت پر رہے اور دوسرا سینے پر۔ تاکہ ان کے سر کے بالوں کی رنگت بھی نمایاں نہ ہو۔ اور کمر، گردن، کان، گلا اور سینہ بھی عریاں نہ رہے۔ آوارہ نگاہیں ان کو اپنا ہدف بھی نہ بنائیں، اور بدکاری کے تمام مقدمات دمبادا کہ آوارہ گردی کا باعث بنتے ہیں، اپنی موت آپ مر جائیں۔ اسلامی معاشرہ کی پاکیزگی پر کوئی حرف بھی نہ آئے، اور مسلمان شریف بی بی کی عزت و ناموس بھی محفوظ رہے اور دورِ جاہلیت کی ہر یادگار کا قلع قمع اور ہر بے حیائی و بے شرمی کی بیخ کنی بھی ہو جائے۔ گویا مسلمان عورت، عفت و عصمت اور پارسائی کی ایک چلتی پھرتی تصویر، اور شرم و حیا کی ایک جیتی جاگتی تحریر ہو۔ شرم کا مجسمہ، حیا کی پتلی۔

احادیثِ کریمہ میں وارد ہے کہ جب سُورۃ نُور کی یہ آیاتِ مقدسہ نازل ہوئیں، اور صحابہ کرام نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دہنِ مبارک سے سُن کر اپنے اپنے گھروں پر پلٹ کر یہ آیاتِ کریمہ اپنی بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کو سنائیں، تو ان میں کوئی عورت ایسی نہ تھی جو یہ آیاتِ کریمہ سن کر اپنی جگہ پر بیٹھی رہی ہو۔ ہر ایک اُٹھی اور جیسے بن پڑا اپنے سر پہ دوپٹہ ڈال لیا اور دوسرے روز نماز فجر کے لیے جتنی عورتیں مسجدِ نبوی میں حاضر تھیں، سب کے سروں پر دوپٹے تھے۔ سُبحان اللہ!

بلکہ نظر بہ حالاتِ زمانہ کہ ہر طرف بے حیائیوں، بے شرمیوں، بد لحاظیوں کا چرچا اور گلی گلی، کوچہ کوچہ آوارگی و بیہودگی کا دَور دورہ ہے۔ معمولی سی کشش اور مردوں کے لیے شوق و رغبت کا ادنیٰ سا سامان بھی مردوں کی رغبتوں کا باعث اور ان عورتوں کے حق میں وبالِ جان بن جاتا ہے، تو کیوں نہ عورتیں اپنی حفاظت آپؐ کے اصول پر کاربند ہو کر چہرہ وغیرہ کو ڈھانپے رہیں۔ شکل و صورت میں برائے نام صباحت و ملاحت رکھنے والی بیبیاں بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

تفسیراتِ احمدیہ میں فرمایا: اظہر یہ ہے کہ یہ حکم کہ چہرہ، کفِ دست اور پاؤں کے کھلے رہنے میں کوئی حرج نہیں، مگر نماز کے لیے، نظر کرنے اور دیکھنے کے لیے نہیں۔ کیونکہ مسلمان آزاد عورت کا تمام بدن جس میں چہرہ وغیرہ بھی داخل ہے عورت ہے یعنی چھپانے اور غیروں کی نگاہوں سے دُور رکھنے کی چیز ہے۔ شوہر اور محرم کے سوا اور کسی کے لیے اس کے کسی حصّے کا دیکھنا بلا ضرورتِ شرعیہ جائز نہیں اور معالجہ وغیرہ کی ضرورت درپیش ہو تو وقتِ ضرورت، بقدرِ ضرورت اس کے کھولنے کی اجازت ہے۔

اور اس قول کی بنیاد پر اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وقتِ ضرورت، بقدرِ ضرورت پر محمول ہوگا، لہٰذا کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے حسن و جمال اور آرائش و زیبائش اور بناؤ سنگھار کی نمائش کی خاطر، بھاڑ کی طرح منہ کھولے پھرے اور آوارہ گردوں کی نگاہوں کو دعوتِ نظارا دے، لغزشوں کا سامان فراہم کرے اور اسلامی معاشرہ کو داغدار بنائے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ چہرہ، ہتھیلیاں اور پاؤں، یہ تینوں اعضا داخلِ ستر نہیں، ان کا چھپانا فرض نہیں، مگر اجنبیوں کے لیے کھلا رکھنا ضرور حرام ہے۔ ۱۲

ف۵ فرنگی ماحول میں عورتوں کی بے پردگی کا جو عالم آج دیکھنے میں آتا ہے، اسی لیے ملتا جلتا دستور زمانہ جاہلیت یعنی زمانۂ قبل طلوعِ اسلام میں یہ تھا کہ وہ ایسے ڈھیلے اور کشادہ گریبان والے لباس استعمال کرتیں جن سے سینے کا کچھ حصّہ کھلا رہتا اور سر دل پر

بلکہ بعض روایات میں آیا کہ ان عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے موٹے
اوڑھے جانے کے قابل کپڑوں سے اپنے لیے دوپٹے بنا کر سروں پر اوڑھے (احکام القرآن)
دوپٹہ یا اوڑھنی کے اس طرح اوڑھنے میں جو حکمت ہے، یعنی اسلامی معاشرہ میں
بیش از بیش پاکیزگی اور عفت شعاری کا رواج۔ یہ اگر ذہن نشین ہے تو یہ بات بآسانی
آدمی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے باریک گھاس پھوس دوپٹوں کا استعمال جن سے بالوں کی رنگت
اور سینہ وغیرہ کی ساخت جھلکے مقصدِ شرع کو پورا نہیں کرتے، تو ان کا پہننا نہ پہننا
برابر ہے۔ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مطہرہ نے اسے ہماری
کج مج عقل و فہم پر نہ چھوڑا، بلکہ صاف تصریح فرمادی۔

ابوداؤد شریف میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مصر کی بنی ہوئی باریک ململ آئی۔ آپ نے ایک ٹکڑا
اس میں سے مجھے دیا اور فرمایا "ایک حصہ کا اس میں سے اپنے لیے کُرتا بنالو اور ایک
حصہ اپنی بیوی کو دے دو کہ وہ دوپٹہ بنالے۔ مگر اسے یہ جتا دینا کہ اس کے نیچے ایک اور
کپڑا لگالے تاکہ جسم کی ساخت اس سے نہ جھلکے۔"

تو پھر دوپٹوں کو مفلر کی طرح گلوں میں بل دے کر ہار کی طرح ڈالے رکھنا شریعت
کو کہاں پسند؟ اگر وہ سر پر ڈال بھی لیں، تو وہ اتنے باریک ہوتے ہیں کہ جس سے تاہم
گلے اور بالوں کی رنگت اور سینے کی ساخت تو نمایاں کی نمایاں ہی رہی جو شرعاً بستر کامل
رہنا چاہیے۔ ۱۲

۵۶ بناؤ سنگھار کا اطلاق تین چیزوں پر ہو سکتا ہے،

(۱) خوشنما دیدہ زیب کپڑے، ریشمی ہوں یا سوتی یا کسی مصنوعی تار کے،
ان سب کا پہننا عورت کو جائز ہے۔

(۲) ہاتھوں، پاؤں، کانوں اور سینوں کا زیور جو عموماً مروّج ہے اور وہ بھی

سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات، مثلاً گلٹ، پیتل، اسٹیل وغیرہ کا نہیں کہ وہ خود ناجائز ہے۔

(۳) اپنے شوہروں کی خوشنودی کی خاطر، سر کے بالوں پر سیاہ خضاب، آنکھوں میں سرمہ یا کاجل۔ چہرہ پر غازہ یا پوڈر۔ رخساروں پر سُرخی، ناخنوں پر سُرخ پالش اور مانگ میں افشاں وغیرہ بشرطیکہ یہ سب کچھ وضو و غسل میں دُھل جاتے اور اس کا جرم باقی نہ رہے ورنہ وضو و غسل نہ ہوگا۔ غرض آرائش و زیبائش کی وہ تمام جائز صورتیں جو زیبائش کا ذریعہ بنیں اور جو آجکل کی عام اصطلاح میں میک اپ میں شمار کی جاتی ہیں، اس میں داخل ہیں۔

اور بناؤ سنگھار کی حالت میں پوری آزادی کے ساتھ عورتیں، کن لوگوں کے سامنے آجا سکتی ہیں، اس کا بیان آئندہ فقروں میں آرہا ہے۔ ان مردوں کے علاوہ کسی مسلمان بی بی کو اپنی آرائش و زیبائش کی نمائش جائز نہیں، خواہ وہ غیر ہوں یا اپنے، مگر غیر محرم۔ اور جب اس آرائش و زیبائش اور بناؤ سنگھار کی نمائش، اس حلقے کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں، تو خاص مواضع زینت کا ظاہر کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے، تو کمر و سینہ، سر اور گردن، کلائی اور پنڈلی کو کُھلا رکھنا یا ان پر ایسے باریک کپڑے کا غلاف ڈال دینا جس کے نیچے سے یہ اعضاء یا ان کی ساخت جھلکے، ظاہر ہے کہ ناجائز و شرعاً ممنوع ہے۔ ساڑھی باندھنے والی خواتین، ذرا اس حکم پر خوب غور کر لیں اور ساتھ ہی اپنی لاپرواہیوں پر بھی نظر ڈال لیں۔ ۱۲۔

۵؎ عورتوں کے باب میں یہ فقرہ دوسری بار استعمال ہوا ہے، مگر دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ پہلے موقع پر یہ فقرہ اعضاء جسم کے لحاظ سے تھا کہ جسم کا فلاں فلاں حصہ کُھلا رہے تو کوئی مضائقہ نہیں اور یہاں اس موقع پر یہ فقرہ باعتبارِ اشخاص کے ہے۔ پہلے استثناء میں فلاں فلاں عضو شامل تھے اور اس استثناء میں فلاں فلاں اشخاص کی نشان دہی ہو رہی ہے کہ اس مخصوص حلقے کے باہر جو لوگ بھی ہوں، اگرچہ ان کا شمار اپنے قریب ترین رشتہ داروں میں ہوتا ہو، مثلاً چچیرے بھائی یا خالہ زاد بھائی ان کے

سامنے بھی عورتیں اپنی آرائشوں کو ظاہر نہ کریں، اگرچہ ان کی آمد و رفت عام ہو۔

ان افراد میں سرِ فہرست ہے عورت کا خاوند کہ گھر میں جو اس کا مقام ہے وہ کسی اور کا نہیں۔ اور قرآن کریم گواہ ہے کہ زناشوئی وہ عظیم رشتہ ہے کہ خواہی نخواہی باہم انس و محبت اور الفت و رافت پیدا کرتا ہے اور حدیث شاہد ہے کہ عورت کے دل میں جو بات شوہر کی ہوتی ہے کسی کی نہیں ہوتی۔ اور اسی لیے عورت کو بدمذہب کے عقدِ نکاح میں دینا جائز نہیں کہ بدمذہب کی محبت زہرِ قاتل ہے۔ غرض شوہر سے نہ کسی قسم کا پردہ ہے نہ کسی طور حجاب۔ ۱۲

ف۵۸ آیۂ کریمہ میں لفظ آباء استعمال ہوا ہے، لیکن اس کے مفہوم میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا، پردادا، نانا اور پرنانا بھی داخل ہیں، لہٰذا مسلمان آزاد عورت اپنے ددھیال اور ننھیال اور اپنے شوہر کی ددھیال اور ننھیال کے ان سب بزرگوں کے سامنے اسی طرح آسکتی ہے جس طرح اپنے والد اور خسر کے سامنے آسکتی ہے اور ان رشتوں کے علاوہ عورت کے چچا اور ماموں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ ۱۲

ف۵۹ اَبْنَاء یعنی بیٹوں ہی کے حکم میں ہے، ان کی اولاد یعنی پوتے پر پوتے اور بیٹی کی اولاد یعنی نواسے پر نواسے، اگرچہ سوتیلے ہوں، اگرچہ رضاعی ہوں، عورت آزادی کے ساتھ اسی طرح بناؤ سنگھار کا اظہار ان سب کے سامنے کر سکتی ہے جس طرح خود اپنے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں، پرنواسوں کے سامنے۔ ۱۲

ف۶۰ بھائی خواہ سگے ہوں یعنی ایک ماں باپ سے یا سوتیلے ہوں یعنی ایک باپ سے کہ ماں دونوں کی جدا جدا ہیں یا ایک ماں سے کہ باپ دونوں کے الگ الگ ہیں یا رضاعی یعنی دودھ شریک ہوں، سب اس حکم میں داخل ہیں، البتہ چچا تایا، یا خالہ اور پھوپھی کے بیٹے جو عرفاً بھائی مانے اور کہے جاتے ہیں، بلکہ رواج میں انہیں محرم سمجھا جاتا ہے، ان میں داخل نہیں۔ یہ سب غیر محرم ہیں اور ان پر اظہارِ زینت ممنوع ہے۔ ۱۲

ف۱۱ بھتیجے بھانجے سے مراد سگے، سوتیلے اور دودھ شریکے، تینوں قسم کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے یعنی ان کے پوتے، پرپوتے اور نواسے، پرنواسے سب اس میں داخل ہیں۔ ۱۲

ف۱۲ آیۂ کریمہ میں استعمال لفظ نِسَآئِهِنَّ کا ہے یعنی اپنی عورتیں، اپنے دین کی عورتیں، مسلمان عورتیں، تو عورتوں کے سامنے بھی اظہارِ زینت کی آزادی غیر محدود نہیں، بلکہ مسلمان عورتوں کے دائرہ تک محدود ہے۔ کافر عورت اسلامی شریعت میں اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ مواضعِ زینت اور بناؤ سنگھار والے اعضائے بدن کو ان کی نگاہوں سے بچانا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسے کسی اجنبی مرد کی نظروں سے۔ بلکہ فقہائے کرام نے اس دائرے کو اور بھی محدود کر دیا اور فرمایا: "فاحشہ اور بدنام قسم کی آبرو باختہ عورتیں بھی اگرچہ مسلمان ہوں، پارسا عورتوں میں نہ آنے جانے پائیں کہ ان سے فتنہ اور فساد کا خطرہ ہے"!

ف۱۳ نوکروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو محض گھر کا کام کاج کرنے یا گھر کی نگرانی اور برائے نام حفاظت کے لیے دو وقت روٹی کے سہارے گھروں میں آتے جاتے رہتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اہلِ شہوت سے نہ ہوں، مثلاً ایسے بوڑھے ہوں کہ ان میں اصلاً کسی شہوت اور عورتوں کی طرف میلان و رغبت باقی نہیں، پھر اپنی جگہ نیک صالح اور پارسا بھی ہیں۔ نہ کسی طرح بدنام، نہ کسی بدکاری و بدچلنی سے متہم۔ لہٰذا آجکل کے بیرے، خانسامے، شوفر اور جوان جوان نوکر، کسی طرح بھی ان نوکروں کے ضمن میں نہیں آتے۔ یونہی وہ شخص جو جسمانی طور پر بدکاری کے قابل نہیں رہے، مگر ان میں صنفی اور نفسانی خواہشیں ذہنی ہوتی موجود ہیں اور کسی نہ کسی طرح انہیں عورتوں سے دل چسپی ہوتی ہے، وہ بھی یقیناً ان میں شامل نہیں۔

ائمہ حنفیہ کے نزدیک خصّی، عِنّین اور خواجہ سرا جیسے لوگ بھی حُرمتِ نظر میں اجنبی کا حکم رکھتے ہیں۔ ان سے بھی اسی طرح پردہ کیا جاتے جیسے قبیح الافعال مخنث سے۔

بخاری و مسلم میں حضرت صدیقہ عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے

کہ مدینۂ طیبہ میں ایک مخنث تھا جسے ازواجِ مطہرات اور دوسری خواتین غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ (ناقابلِ شہوت) میں شمار کر کے اپنے ہاں آنے دیتی تھیں۔ ایک روز جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے، تو آپ نے اس کو حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ بن امیہ سے باتیں کرتے سُن لیا جو کسی عورت کے حسن وجمال کی تعریف کر رہا تھا۔ بلکہ اس کے پوشیدہ اعضاء کی توصیف بھی اس نے بیان کر ڈالی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ باتیں سُن کر حکم دیا کہ "اس سے پردہ کرو، اور آئندہ یہ گھروں میں نہ آنے پائے۔" اس کے بعد آپ نے اسے مدینہ منورہ سے باہر نکال دیا اور دوسرے مخنثوں کو بھی گھروں میں گھسنے سے منع فرما دیا، کیونکہ انہیں مخنث سمجھ کر عورتیں ان سے احتیاط نہ کرتی تھیں اور وہ ایک گھر کی عورتوں کے احوال، دوسرے مردوں سے بیان کرتے تھے۔ ۱۲

ف ۱۹ ان بچوں سے مراد ہیں کمسن بچے، نادان اور نابالغ بچے، جو عورتوں کے خفیہ معاملات سے محض ناواقف ہوتے ہیں، اور جن میں ابھی صنفی احساسات بیدار نہیں ہوتے بلکہ شہوانیت کے نام ہی سے وہ واقف نہیں ہوتے۔ زیادہ سے زیادہ دس بارہ سال کی عمر والے، تو ایسوں کے سامنے بھی اظہارِ زینت جائز ہے۔

ایک مسلمان عورت اپنی پوری زینت وزیبائش کے ساتھ آزادانہ طور پر جن کے سامنے آ جا سکتی ہے، ان کا بیان ابھی اُوپر گزرا۔ ان میں سرِفہرست خاوند ہے۔ اس کے بعد باپ۔ بیٹا۔ بھائی، خسر، بھتیجے، بھانجے وغیرہم عورت کے محارم۔ ان محارم کے مراتب بھی چونکہ مختلف ہیں، اس لیے اظہارِ زینت میں بھی فرق ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مرتبہ باپ بیٹے اور بھائی کا ہے، وہ بھتیجے اور بھانجے وغیرہم کا نہیں۔ اور جو مرتبہ خاوند کا ہے وہ کسی اور کا نہیں کہ اس سے تو کسی طرح کا بھی حجاب نہیں۔ اور جو مقام اپنے بیٹے کا ہے، وہ خاوند کے بیٹے کا نہیں۔ وعلی ہذا القیاس۔

؎ زمانۂ جاہلیت میں مردوں کو لبھانے اور اپنی جانب انہیں متوجہ رکھنے کے لیے عورتوں میں یہ بات بڑی پسندیدہ مانی جاتی تھی کہ جب ان کا گزر مردوں کے سامنے سے اجنبیوں کے مجمع سے ہوتا تو وقار و متانت اور سنجیدگی سے گزرنے کی بجائے دانستہ و بالقصد اپنے پاؤں ماریں اور اپنے پازیب وغیرہ کی آواز سنانے کے لیے زور زور سے زمین پر پاؤں رکھتی تھیں تاکہ مرد اس آواز کو سُن کر ان کی طرف متوجہ ہوں اور ان میں انتشارِ خیال پیدا ہو۔ شریعتِ مطہرہ نے ایسی ذلیل حرکات کا یک لخت قلع قمع کرنے کے لیے حکم دیا کہ مسلمان شریف بیبیاں گھروں میں بھی ایسے دھماکے سے قدم زمین پر نہ رکھیں کہ اُن کے زیور کی جھنکار غیروں کے کانوں تک پہنچیں اور وہ ادھر متوجہ ہوں۔ پھر کسی واقعی غرض یا ضرورتِ شرعی کے تحت عورت کو گھر سے نکلنا ہی پڑ جائے یا گھر میں رہتے ہوئے بھی کبھی اجنبیوں کے سامنے واقعی ضرورت کی بنا پر آنا ضروری ہو جائے تو حکم ہے کہ وقار و سنجیدگی کو اپنا کر قدم بڑھاؤ، اپنی چال ڈھال میں غرور و تبختر اور بے چھچھورے پن کو نہ آنے دو۔ تمہاری چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہیے کہ پاؤں میں پڑے پازیب وغیرہ کی آواز پیدا ہو اور اجنبی مرد ان کی جانب متوجہ و مائل ہوں۔ اور نت نئے فتنے پروان چڑھیں کہ بسا اوقات اس قسم کی آوازیں صورت دیکھنے سے کہیں بڑھ کر خواہشاتِ نفسانی کو بھڑکا کر شہوانی جذبات کی تکمیل کی محرک بن جاتی ہیں۔ اسی لیے فقہائے کرام نے فرمایا کہ عورتیں باجے دار جھانجن نہ پہنیں۔ حدیث شریف میں ہے، اللہ تعالیٰ اُس قوم کی دُعا قبول نہیں فرماتا جن کی عورتیں جھانجن پہنتی ہوں۔" اور اسی سے سمجھنا چاہیے کہ جب زیور کی آواز عدمِ قبولِ دُعا کا سبب ہے تو خاص عورت کی آواز اور اس کی بے پردگی کیسی موجبِ غضبِ الٰہی ہوگی۔ پردے کی طرف سے بے پرواہی تباہی کا سبب ہے۔

پھر آیتِ کریمہ کا طرزِ خطاب صاف بتا رہا ہے کہ یہ ممانعت صرف پاؤں میں پہننے

والے زیورات کی آواز تک محدود نہیں، بلکہ اس سے مقصود ہر ایسی حرکت، ہر ایسے اقدام اور ہر ایسے فعل سے روک دینا ہے جو اجنبی مردوں کی رغبت اور دل کشی کا باعث ہو اور جو عورتوں کو نامحرموں کی توجہ و التفات کا مرکز بنا دے۔ اسی لیے شوخ رنگ، بھڑک دار لباس استعمال کر کے، یا تیز خوشبو لگا کر عورتوں کا مجمع عام میں جانا، یا نہ ہی ایسے چُست ملبوسات زیب تن کر کے اجنبیوں میں گزرنا جن سے بدن کی ساخت نمایاں ہو، شریعتِ مطہرہ کو ایک آنکھ، ایک آن کے لیے پسند و گوارا نہیں۔ چنانچہ نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے عورتوں کو حکم دیا کہ "وہ خوشبو لگا کر گھروں سے باہر نہ نکلیں، حتّٰی کہ مسجدوں میں بھی تیز خوشبو سے لباس بسا کر نماز پڑھنے کے لیے نہ جائیں۔"

ابوداؤد و ابن ماجہ میں مروی ہے کہ ایک عورت مسجد سے نکل کر جا رہی تھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کے پاس سے گزر ہوا، تو خوشبو کی لپٹیں آپ نے محسوس کیں، اسے روک کر دریافت فرمایا: "اے خداوندِ جبار کی بندی! کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟" عرض کیا: "جی ہاں!" ارشاد فرمایا: "میں نے اپنے محبوبِ اکرم ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز ہرگز قبول نہیں فرماتا جو مسجد میں تیز خوشبو لگا کر جاتی ہے، جب تک وہ گھر آ کر غسلِ جنابت نہ کرے" (یعنی خوب اچھی طرح رگڑ رگڑ کر اسے دُور نہ کر لے جیسا کہ غسلِ جنابت میں کیا جاتا ہے)

اور امام ترمذی وغیرہ نے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "جو عورت عطر لگا کر (یعنی کسی تیز خوشبو میں خود کو بسا کر) مردوں کے مجمع سے گزرے تاکہ لوگ اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوں (اور ظاہر ہے کہ تیز خوشبوؤں میں بس کر مردوں میں سے گزرنا اسی مقصد سے ہوتا ہے) تو وہ عورت ایسی اور ایسی ۔ ۔ ۔ ۔ ہے۔" آپ نے یہاں اُس کے لیے سخت الفاظ استعمال فرمائے۔

اور آیتِ کریمہ سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ جب زیور کی آواز کا غیروں کے

کانوں تک پہنچانا شریعت مطہرہ کو ہرگز پسند نہیں بلکہ وہ اس کے اخفاء کا اس قدر اہتمام کرتی ہے تو خود اس کی آواز کا غیروں کے کانوں سے ٹکرانا کس قدر ناپسندیدہ ہوگا ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اور پھر جب اس کی اپنی آواز قابلِ اخفاء ہے تو صورت کیونکر قابلِ اخفاء نہ ہوگی کہ اصل مبدأ فتنہ تو یہی شکل و صورت ہے، خصوصاً جبکہ وہ صاحبِ حسن و جمال ہو، خواہ قدرتاً یا کسبأ۔ بالخصوص جبکہ وہ اپنی اس آزادروشی پہ بے قید و بند ہو۔ ان تمام احکامِ شریعت کا مقصود یہی ہے کہ ایسے تمام اشتعال انگیز اطوار و طرق پر سخت پابندیاں لگادی جائیں بلکہ ان کا مکمل سدِ باب کر دیا جائے جو اسلامی معاشرہ کی پاکیزگی کو تار تار کر سکیں۔

اللہ اللہ! عفت و طہارت، پارسائی و پاک دامنی و نیک طینتی کا کس قدر اور کس مرتبہ اہتمام ہماری شریعتِ مطہرہ میں ہے اور فتنہ و شر کے کیسے کیسے دروازوں، دراڑوں اور سوراخوں کو ہماری شریعتِ کاملہ نے بند کر دیا ہے۔ ایک طرف تو یہ احتیاطیں اور پابندیاں ہیں اور دوسری طرف گانے اور طرح طرح کے سریلے باجوں کے ساتھ گانے ہی کی نہیں بلکہ مرد و عورت کے مشترکہ ناچ کی آزادیاں ہیں! دونوں زندگیوں کے نتائج بالکل ظاہر ہیں۔

وہ عورتیں جو زرق برق بھڑکیلے لباس پہن کر، خراماں خراماں مٹکتی ہوئی اجنبی مردوں کی محفلوں، نامحرموں کی مجلسوں اور غیروں کے مجمعوں میں جاتی آتی ہیں اور اپنی اس آوارگی پر ذرا نہیں لجاتیں شرماتیں۔ دخترانِ اسلام ان کے متعلق اپنے رؤف و رحیم رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ ارشادِ گرامی بھی سُن لیں:

"وہ عورت جو آراستہ و پیراستہ ہو کر نامحرموں میں اِتراِتراکر چلتی ہے۔ قیامت کے دن وہ مجسم تاریکی ہوگی جہاں نور کی کرن تک نہ ہو۔"

(ضیاء القرآن بحوالہ ترمذی)

اور انصاف کیجیے تو!

عورت کا یہ ستر کامل و حفاظت شامل، اپنے گھر کے پاس، صالحین اور خدا ترس نمازیوں کی مسجد میں اپنے محارم میں سے کسی محرم مثلاً باپ بھائی بیٹے کے ساتھ عین تکبیر کے وقت نماز میں شریک ہو جانا اور امام صاحب کے سلام پھیرتے ہی گنتی کے دو قدم بلد کر گھر میں واپس ہو جانا، ہرگز فتنہ کی گنجائشوں اور خطرے کی توسیعوں کا ویسا احتمال نہیں رکھتا، جیسا کہ غیر محلہ میں، غیر جگہ میں، محرم کی معیت وہمراہی کے بغیر اجنبیوں کے مکانوں اور نامحرموں کے مسکونہ زیر تصرف احاطوں میں جا کر ناقصات العقل والدین کے مجمع میں مخلوط بالشیع ہونا ان میں گھل مل جانا۔

پھر کیا علمائے شریعت و فضلائے دین وملت نے اسے جائز کر دیا؟ اسے عورت کے اختیار میں دے دیا ہے؟ اس کی مرضی پر منحصر رکھا۔ حاش۔ معتمد علیہ اور مستند کتابیں ان کے متن، ان کی شرحیں اور فتاوائے شرعیہ کے مجموعے اس بات کی صاف گواہی دے رہے ہیں کہ بلحاظ فسادِ زمان، ان پاکیزہ سرشت حکمائے امت نے اس سے مطلقاً منع کر دیا۔ بآنکہ صحیح حدیثوں میں اس سے ممانعت کی ممانعت موجود۔

صحیح حدیث شریف میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: "جب تم میں کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرو۔" (بخاری ومسلم)

دوسری حدیث میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی کنیزوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو (احمد ومسلم)

اور حاضری عیدین پر تو یہاں تک تاکید اکید فرمائی کہ حیض والیاں بھی نکلیں۔ اگر وہ چادر نہ رکھتی ہوں تو دوسری بیبیاں اپنی چادروں میں شریک کر لیں اور وہ مصلے

سے الگ بیٹھیں، خیر اور دعائے مسلمین کی برکت لیں۔"

زمانِ برکت نشانِ سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں کہ خیر کی کثرت تھی اور فتنوں کی نایابی۔ تقویٰ و طہارت کی کا دور دورہ تھا اور خوفِ خدا تعالیٰ و خشیتِ الٰہی کی فراوانی، مسلمان بیبیاں پنجگانہ کے لیے مساجد میں جماعتوں کے وقت حاضر ہوتیں۔

جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ فرمایا اور زمانے کا رنگ قدرے متغیر ہوا اور آہستہ آہستہ قدریں بدلیں، تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے زمانے کی عورتوں کو ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں میں جانے کی ممانعت کرتے، جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو منع کر دیا تھا (بخاری و مسلم)

جب زمانۂ رسالت سے اور بُعد ہوا اور وہ خیر و برکت کا دور دور ہو گیا تو ائمۂ دینِ متین نے جوان عورتوں کو ممانعت فرمادی کہ وہ مسجدوں میں حاضری نہ دیں۔ گھروں میں نمازیں پڑھیں۔ پھر جب اور فساد پھیلا اور فتنہ و شر نے اپنا ڈیرہ ڈالا۔ علمائے کرام نے جوان اور غیر جوان کسی کے لیے اجازت نہ رکھی اور حاضریٔ مسجد بھی ان سے اٹھادی (کما فی الدر المختار)

اور فتح القدیر میں فرمایا: متاخرین علمائے کرام نے اس ممانعتِ حاضریٔ مسجد کو جوان اور بوڑھی عورتوں کے لیے عام کر دیا اور کسی بھی نماز کی ادائیگی کی خاطر انہیں مسجدوں میں جانے سے روک دیا کہ دن کے اجالے میں بھی فتنے ایسے ہی پھیلنے لگے جیسے رات کے اندھیرے میں۔"

پھر کیا ان ائمہ و علماء کے لیے یہ احکام حکمِ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ٹھہرے۔ حاشا و کلا! ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ شریعتِ مطہرہ کے مقصود کے

عین قرار پائے، اسی طرح رفتہ رفتہ حاملانِ شریعت و حکمائے امت نے حکمِ حجاب دیا۔
اور چہرہ چھپانا کہ صدرِ اوّل میں واجب نہ تھا، واجب کر دیا۔
تو بات وہی ہے کہ شرعِ مطہر فقط فتنہ ہی سے منع نہیں فرماتی، بلکہ کلیتہً اس کا سدِ باب کرتی اور ہر حیلے اور شر کے ہر وسیلے کے پکھرپر کترتی ہے۔ غیروں کے گھر تو غیروں کے گھر جہاں نہ اپنا قابو نہ اپنا گذر۔ حدیث میں تو اپنے مکانوں کی نسبت آیا،

لَا تُسْكِنُوهُنَّ الْغُرُفَ (عورتوں کو بالاخانوں پر نہ رکھو)

یہ وہی طائرِ نگاہ کے پر کترے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ یہ نہیں فرماتی کہ تم خاص کسی لیلیٰ و سلمیٰ پر بدگمانی کرو یا خاص زید و عمر کے مکانوں کو مظنۂ فتنہ، فتنوں کی گزرگاہ کہو یا خاص کسی مجمع خواتین و جماعتِ زنان کو غیر پسندیدہ مجمع اور ناخوشگوار جماعت بتاؤ، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتی ہے: اِنَّ مِنَ الْحَزْمِ سُوْءَ الظَّنِّ۔

(بعض بدگمانیاں، حزم و احتیاط کے عین مطابق ہوتی ہیں) ؎

نگاہ دارد آں شوخ، در کیسہ دُر
کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

(آدمی اپنے قیمتی موتیوں کی کیسی حفاظت کرتا ہے کہ کہیں کوئی جیب نہ کاٹ لے، تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے عورتوں کی عزت و ناموس اور ان کی عصمت کی سخت نگرانی و حفاظت)

صالح و طالح، نیک کردار و بدچلن کسی کے منہ پر نہیں لکھا ہوتا۔ ظاہر ہزار جگہ خصوصاً اس زمانۂ پُرفتن میں باطن کے خلاف ہوتا ہے۔ نام ہوتا ہے شادی وغیرہ میں شرکت کا، اور مقصود ہوتی ہیں "ناگفتنی ملاقاتیں اور سیر و سیاحت کی باراتیں"

اور مان بھی لیا جائے کہ ظاہر، باطن کے مطابق ہے تو صالحین و صالحات نیک مرد اور نیک چلن عورتیں آخر معصوم تو نہیں۔ نفس و شیطان ان کے ساتھ بھی لگا ہے۔ کون

کہہ سکتا ہے کہ کس وقت کیا حادثہ رونما ہو جاتے اور کب شیطان اپنا وار کر جائے؟ اور سب سے گزرے تو آجکل عوام الناس خصوصاً عورتوں بالخصوص ان میں سے نا خدا ترس ہونٔ بیاکوں کا بڑا ہنر آن ہوتی منہ توڑ لینا اور طوفان لگا دینا ہے۔ کاجل کی کوٹھری کے پاس ہی کیوں جاتیے کہ دھبا کھاتیے۔ لاجرم سبیل اور راہ نجات یہی ہے کہ بالکل دریا ہی جلا دیا جائے ؎

دوسری ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہو ساماں کا

خدا پناہ دے، بُری گھڑی کہہ کر نہیں آتی اور اجنبیوں سے شرعِ مطہر نے جو حجاب واجب کیا ہے انہیں فتنوں کو اول مرحلہ ہی میں روک دینے کے لیے ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ چند توفیق رفیق بندوں کے سوا عام گھرانوں میں چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی کے بیٹوں کنبہ بھیر کے رشتہ داروں کے سامنے ہونے کا کیسا رواج ہے اور اللہ تعالیٰ بچاتا ہے فتنہ نہیں ہوتا مگر جانِ برادر! خورد و نوش وغیرہ کی صدہا صورتوں میں اطبا کہتے ہیں کہ یہ مضرِ صحت ہے، تندرستی کے لیے ضرر رساں ہے، مگر لوگ ہزار بار کرتے ہیں اور بدن کی قوتِ مدافعت، جسم میں مقابلہ کی طاقت اور سب سے بڑھ کر تقدیر کی مساعدت اور خوش نصیبی کی معاونت کہ کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور کسی قسم کا ضرر نہیں ہوتا۔ تو کیا کوئی ذی ہوش، صاحب الرائے یہ کہہ سکتا ہے کہ اطبا کا قول قابلِ عمل نہیں، اس پر توجہ نہ دی جائے، اس کا وقت گزر چکا؟ برادر بجاں برابر! کوئی ایسا نہیں جو یہ کہہ سکے تو اگرچہ بارہا ایسے مجمع ہوتے ہیں جن میں کوئی فتنہ نہیں ہوتا، کوئی شر سامنے نہیں آتا، لیکن اگر ہو جائے تو کیا واقعہ کا علاج اس کے وقوع کے بعد ہی ہونا چاہیے۔ پیش بندی اور عاقبت اندیشی بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔

الغرض مسلمان شریف بیبیوں کا مغرب زدہ نا خدا عورتوں کی طرح، بدلحاظی کے ایسے لباس میں رہنا اگرچہ گھر کی چہار دیواری میں محدود رہ کر کہ آدھے سر کے بال اور کلائیاں اور کچھ حصے گلے پیٹ اور پنڈلی اور بازوؤں کا کھلا رہنا، تو کسی گنتی میں شمار ہی نہیں، اور

زیادہ بانکپن ہوا، تو دوپٹہ شانوں پر ڈھلا ہوا، کریپ یا جالی باریک یا گھاس ململ کا، جس سے بدن چمکے ہرگز ہرگز شرعِ مطہر کو پسند نہیں۔ پھر اسی حالت میں ان کا ان رشتہ داروں کے سامنے پھرنا، اپلے کھلے رہنا، کس طرح گوارا ہو سکتا ہے؟ باایں ہمہ وہ رؤف و رحیم حفاظت فرماتا ہے، فتنہ نہیں ہوتا، تو کیا اس سے وہ حکم و حکمت باطل ہو جائیں گے۔ لا واللہ ہرگز نہیں!

فائدہ جلیلہ

آیۂ کریمہ میں جن مردوں کے سامنے عورتوں کے سامنے آنے کی اجازت دی گئی ہے یہ سب عزیز اصطلاحِ شریعت میں محرم کہلاتے ہیں۔ فقہائے کرام نے محرموں کو دو قسموں پر تقسیم فرمایا ہے۔ ایک وہ جو محرمِ ابدی ہیں، ان کی حرمت ابدیہ ہے۔ ان سے کبھی کسی حال میں عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ کنواری ہو یا بیوہ، جیسے باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجا، سسر، داماد، چچا، ماموں وغیرہ۔

دوسرے وہ جن سے ابدی حرمت کا رشتہ نہ ہو جیسے پھوپھا، خالو، بہنوئی، جیٹھ، دیور اور چچا، پھوپھی، خالہ، اور ماموں کے بیٹے کہ ان سے حرمت کا یہ رشتہ اسی وقت قائم ہے۔ جب تک وہ اوصافِ حرمت ان میں باقی ہیں، مثلاً پھوپھی یا خالہ یا بہن، اور اسی طرح جتنی عورتیں، عورت کے محارم میں داخل ہیں، ان کی زندگی میں ان کے شوہروں سے عورت کا نکاح اگرچہ حرام ہے، مگر وہ عورت کے محارم نہیں ہو جاتے کہ ان سے نکاح، صرف اس حالت تک حرام ہے، جب تک اس کی پھوپھی یا خالہ یا کوئی محرم عورت اس کے نکاح میں ہے۔ ان میں تفریق و جدائی ہو جائے، مثلاً کسی کی ان میں سے موت واقع ہو جائے یا شوہر طلاق دے دے، تو ان کے شوہروں سے عورت کا نکاح حلال ہے۔

شریعتِ مطہرہ میں پھوپھا، خالو، بہنوئی اور جیٹھ، دیور اور چچا، پھوپھی، خالہ،

ماموں کے بیٹے اور راہ چلتے اجنبیوں سب کا ایک حکم، بلکہ ان سے زیادہ احتیاط لازم ہے کہ نرے اجنبی سے طبعی حجاب ہوتا ہے، نہ اسے جلد تہمت پڑ سکتی ہے، نہ ہی وہ بے تکلف گھر میں آ سکتا ہے بخلاف ان کے۔ ولہٰذا حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کی گئی: "یا رسول اللہ! جیٹھ اور دیور کا حکم ارشاد ہو؟" فرمایا: "اَلْحَمْوُ اَلْمَوْتُ" (یہ تو موت ہیں)۔ والعیاذ باللہ! اور آہ کہ ہندی ہوسوں اور جاہلانہ رسموں نے ہماری عقلوں کو ماؤف کر دیا۔ مولائے کریم معاف فرمائے۔

پھر ایسے مواقع پر اپنے یا عورت کے صلاح و تقویٰ اور نیک نفسی، پاک طینتی پر تکیہ، اور وہ بھی اس دورِ پُر فتن میں سخت غلط کاری اور نفس کی بے جا طرفداری ہے۔ مرد خود اپنے نفس پر اعتماد نہیں کر سکتا اور کرے تو جھوٹا۔ اذ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ نہ کہ عورت جو عقل و دین میں اس سے آدھی اور رغبتِ شیطانی میں سو گنی۔ ہر مرد کے ساتھ ایک شیطان اور ہر عورت کے ساتھ دو۔ ایک آگے، ایک پیچھے۔ سلمیٰ پارسا ہے، ہاں پارسا ہے وبارک اللہ!

مگر جانِ برادر! کیا پارسائیں معصوم ہوتی ہیں؟ کیا صحبتِ بد میں اثر نہیں؟ بلکہ علمائے کرام فرماتے ہیں: "برعکس رواج عام، بیاہیوں کو آریوں سے کہیں زیادہ احتیاط و اجتناب چاہیے کہ ان میں نہ وہ حیا ہوتی ہے نہ اتنا خوف۔ نہ اس قدر لحاظ اور نہ اس کا وہ رعب۔ پھر یہ ذوق چشیدہ اور وہ انجان۔ تو ان کی رغبت ناگفتنی امور کی جانب، ان انجان نادانوں سے کہیں زائد ہوتی ہے تو احتیاط بھی زیادہ ہونی چاہیے۔"

(فتاویٰ رضویہ ملتقطاً و تشریحاً)

شمہ! آپ مسلمان ہیں، مسلمان گھرانوں کی زینت ہیں۔ اس باب میں جو احکام خدا و رسول جل و علا نے ارشاد فرمائے ہیں، انہیں پڑھیں اور پھر غور کریں کہ جو دین پاک کی پاک مسجدوں میں نمازوں کے موقعوں پر بھی مرد و عورت میں خلط ملط کا روادار نہیں۔

وہ عورتوں مردوں کی مخلوط مجلسوں بلکہ کالجوں میں، دفتروں میں کلبوں میں بلکہ بازاروں اور پارکوں میں اس اختلاط کو کیونکر جائز رکھ سکتا ہے۔ پھر ان بے حیائیوں، بے شرمیوں اور بدلحاظیوں کے مخلوط مجمعوں کو عینِ اسلامیہ اور روحِ اسلام ثابت کرنے والے، آپ فیصلہ کرلیں کہ کون ہوسکتے ہیں؟ دو میں سے کون؟ وفادار یا غدار، مخلص یا منافق؛ صاحبِ ایمان یا نام کے مسلمان؛

ف ۶۶ توبہ کی اصل رجوع الی اللہ ہے۔ غلام کا اپنے مولیٰ کی جانب لوٹنا پلٹنا۔ اس کے تین ارکان ہیں، ایک اعترافِ جرم کہ جو کچھ کیا واقعی بُرا کیا۔ دوسرے ندامت، اپنے کسی قول و فعل پر شرمندگی وخجالت تیسرے عزم ترک کہ آئندہ اس حرکت کے قریب نہ پھٹکوں گا۔ اور اگر گناہ قابلِ تلافی ہے، تو اس کی تلافی بھی لازم ہے، مثلاً حقوق اللہ میں پچھلی نمازوں اور روزوں کی قضا۔ اور یہ ممکن نہ ہو تو ہر نماز و روزہ کا کفارہ۔ اور حقوق العباد میں، جن کے حقوق مارے ہیں، مال دبایا ہے، اذیت پہنچائی ہے تو ان حقوق کی ادائیگی یا پھر بصورتِ دیگر ان سے طلبِ معافی۔ ۱۲

ف ۶۷ فلاح سے مراد یہاں فلاحِ کامل ہے۔ بتانا یہ ہے کہ معصیت وگناہ کا صدور، اگرچہ وجودِ ایمان کے منافی نہیں، لیکن اس سے صلاح و فلاح کو نقصان پہنچتا ہے اور ان میں مصروف مرد و عورت خود اپنا نقصان کرتے ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ آدمی مسلمان ہوتے فاسق کہلاتے اور فاجروں میں اس کا شمار کیا جائے۔ اور یہ فلاح یعنی کامل رستگاری اگرچہ محض مشیتِ الٰہی پر ہے کہ جسے چاہے ایسی فلاح عطا فرمائے۔ اگرچہ لاکھوں کبائر کا مرتکب ہوا ہو، مگر صدورِ معصیت اور کسی نافرمانی اور گناہ کے ارتکاب کے بعد، اس کا اعترافِ جرم، ندامت وپشیمانی اور عزمِ ترک یعنی توبۂ صحیحہ، اس فلاح کے حصول کا باعث ہے۔ تو آدمی اس سے غفلت کیوں برتے؛ اور کیوں فلاح سے محروم رہے؟ اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ احکامِ ربانی کی تعمیل میں جو کوتاہیاں سرزد ہوئیں، وہ معاف ہوجائیں گی، اور نفس کی تیرگی

نورانیت سے بدل جائے گی اور یہی کہ عنایتِ الٰہی اس کی طرف توجہ فرمائے گی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ

آیۂ مذکورہ بالا میں صرف ستر عورت سے متعلق احکام بیان فرمائے گئے ہیں یعنی یہ کہ ایک شریف مسلمان بی بی خود اپنے گھر میں اپنوں میں رہتے ہوئے کن حالات میں کس کس کے روبرو بلا تکلف آ جا سکتی اور اپنے بدن کے کن کن اعضاء کو ان کی موجودگی میں کھلا رکھ سکتی ہے۔ باقی رہے حجاب اور پردۂ شرعی کے احکام کہ عورت کن حالات میں اور کس طرح اپنے گھر سے باہر آ جا سکتی ہے، وہ یہاں مذکور نہیں۔ ان احکام کی تفصیل سورۂ احزاب کی چند آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، نیز فقہائے کرام کے ارشاداتِ عالیہ سے معلوم کی جا سکتی ہے اور خلاصہ ان احکام کا یہ ہے کہ:

(۱) چونکہ عورت کی آواز میں ایک قدرتی نرمی اور لوچ ہوتا ہے اور اس کو بڑا دخل مرد کی خواہشِ نفسانی کے ابھارنے میں ہے، اس لیے ہر عورت کو ہدایت ہے کہ اگر واقعی کسی ضرورت کے تحت غیر مردوں سے گفتگو کی نوبت ہی آ جائے تو وہ اپنی آواز کی نزاکت سے کسی نامحرم کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دے۔ پوری احتیاط سے بقدرِ ضرورت بات کرے۔

(۲) حیا و شرم اور عزت و آبرو کے جو طریقے شریعتِ مطہرہ سکھاتی ہے مسلمان عورت ان پر عمل پیرا رہے تاکہ کسی بدکردار کو آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہ پڑے۔

(۳) عورت کا اصل دائرۂ عمل اُس کا گھر ہے اس کو اسی دائرے میں رہ کر اپنے فرائض انجام دینے چاہئیں۔ گھر سے باہر نکل کر مردوں سے اختلاط کا موقع انہیں ملنا ہی نہ چاہیے۔

(۴) شرعی یا دنیاوی ضرورتوں کے باعث مسلمان عورت کو گھر سے نکلنا ہی پڑے تو ستر کامل اور حجاب کی پابندی اپنے اوپر لازم جانے۔ آزادی کے ساتھ مردوں میں آنا جانا بازاروں میں گھوم پھر کر وقت گنوانا اور اجنبیوں کے سامنے اپنے جسم کے حسن کو زیب و زینت اور چست یا عریاں لباسوں سے نمایاں کرنا اور ناز و ادا سے چلنا پھرنا مسلم معاشرے کی عورتوں کے طور طریق نہیں، بلکہ زمانۂ جاہلیت کے طریقے ہیں جو طرح طرح کے فتنوں اور برائیوں کو جنم دیتے اور انہیں پروان چڑھاتے ہیں۔

(۵) جب ضرورۃً باہر نکلنا ہو تو اپنی چادریں اچھی طرح اوڑھ لپیٹ کر ان کا ایک حصہ اپنے سروں سے اوپر لٹکا لیا کریں تاکہ چہرے کے اطراف خوب ڈھک جائیں اور خود چہرے کی ٹکیا بھی غیروں کی نظروں میں نہ آئے۔ اس کا فائدہ خود اس کے حق میں یہ ہوگا کہ مشتبہ سیرت و کردار کے لوگ اسے دیکھ کر کسی طمع میں گرفتار اور کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں گے اور کوئی اس کی عفت مآبی پر انگلی نہ اُٹھا سکے گا۔

تنبیہ

ستر و حجاب کی اتنی تاکید و پابندی کے بعد بھی، عورت کی آزادی کا ڈھنڈورا پیٹنے والے مرد اور ان کی ہم نوا عورتیں آج بھی قرآن و حدیث سے آزادیٔ نسواں نکتے ڈالنے ڈھونڈنے میں مصروف ہیں۔ یہ روحِ اسلام کے مقابلے میں جسارت اور ڈھٹائی بلکہ ہٹ دھرمی کی انتہا ہے۔ یاد رکھیے کہ ہر وہ نظام جو اسلامی نظام سے متصادم ہو، جاہلی نظام ہے اور زمانۂ جاہلیت کی یادگار، خواہ اسے کوئی نام دیا جائے۔

چند فقہی مسائل

اس باب کے مسائل چار قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) مرد کا مرد کو دیکھنا (۲) عورت کا عورت کو دیکھنا (۳) عورت کا مرد کو دیکھنا (۴) مرد کا عورت کو دیکھنا۔

۱۔ مرد مرد کے ہر حصّہ بدن کی طرف نظر کرسکتا ہے، سوا ان اعضاء کے جن کا ستر ضروری ہے، یعنی ناف سے لے کر گھٹنوں تک کہ اس حصّہ بدن کا چھپانا فرض ہے۔ بچہ جب دس برس کا ہو جائے تو اس کے لیے بالغ کا سا حکم ہے۔

۲۔ عورت کا عورت کو دیکھنا، اس کا وہی حکم ہے جو مرد کا مرد کی طرف نظر کرنے کا ہے، یعنی ناف کے نیچے سے گھٹنے تک کوئی عورت بھی کسی عورت کا جسم نہیں دیکھ سکتی۔ باقی جسم کا دیکھنا جائز ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں۔ اکثر دائیاں کافرہ ہوتی ہیں اور وہ بچہ جنانے کی خدمت انجام دیتی ہیں۔ اگر دائیاں مسلمان مل سکیں، تو کافرہ سے ہرگز یہ کام نہ کرایا جائے کہ کافرہ کے سامنے ان اعضاء کا کھولنا جائز نہیں۔

۳۔ عورت کا مرد اجنبی یعنی غیر محرم کی طرف نظر کرنے کا وہی حکم ہے جو مرد کا مرد کی طرف نظر کرنے کا ہے۔ یعنی وہ مرد کے ناف اور گھٹنوں کے درمیان نہیں دیکھ سکتی۔ اور باقی اعضاء کی طرف دیکھنا جائز ہے، بشرطیکہ عورت کو یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ اس کی طرف نظر کرنے سے شہوت پیدا نہیں ہوگی، دل میں وسوسے نہیں آئیں گے۔ اور اگر شبہ بھی ہو تو ہرگز اس کی طرف نظر نہ کرے، حتیٰ کہ مرد کے چہرے کو بھی بار بار نہ دیکھے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے۔

۴۔ مرد کا عورت کو دیکھنا فقہائے کرام نے اس کی بھی کئی صورتیں بیان فرمائی ہیں مثلاً:
(۱) مرد کا اپنی زوجہ یا باندی کو دیکھنا (۲) مرد کا اپنے محارم کی طرف نظر کرنا۔
(۳) مرد کا آزاد اجنبیہ عورت کو دیکھنا۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کی ایڑی سے چوٹی تک ہر عضو کی طرف نظر کرسکتا ہے۔ شہوت ہو خواہ نہ ہو۔ اسی طرح بیوی اپنے شوہر کے ہر عضو کو دیکھ سکتی ہے۔ ہاں

بہتر یہ ہے کہ مقام مخصوص کی طرف نظر نہ کرے، کیونکہ اس سے نسیان پیدا ہوتا ہے اور نظر بھی کمزور ہوتی ہے۔

اور دوسری صورت میں کہ عورت اس مرد کے محارم میں سے ہو اس کے سر، سینہ، پنڈلی، کان، گردن، شانہ، چہرہ، بازو، کلائی، اور قدم کی طرف نظر کر سکتا ہے جبکہ دونوں میں سے کسی کو شہوت کا اندیشہ نہ ہو، البتہ محارم کے پیٹ، پیٹھ اور ران، بلکہ کروٹ اور گھٹنے کی طرف نظر کرنا بھی ناجائز ہے۔ اور محارم سے مراد وہ عورتیں ہیں، جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو۔

اور تیسری صورت یعنی اجنبیہ کی طرف نظر کرنے کا حکم یہ ہے کہ اس کے چہرہ اور ہتھیلی کی طرف نظر جائز ہے، کیونکہ اس کی ضرورت پڑتی ہے کبھی اس کے موافق یا مخالف شہادت دینا ہوتی ہے یا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اگر اسے نہ دیکھا ہو تو کیونکر گواہی دے سکتا ہے مگر شرط یہاں بھی وہی ہے کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور ضرورت نہ ہو تو دیکھنا بھی جائز نہیں، یونہی چھونا بھی جائز نہیں۔ اور جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو تو اس نیت سے بھی اسے دیکھنا جائز ہے، اسی طرح عورت اس مرد کو جس نے اسے شادی کا پیغام بھیجا ہے، دیکھ سکتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے "جس سے نکاح کرنا چاہتے ہو اسے دیکھ لو کہ یہ بقائے محبت کا ذریعہ ہوگا" (دُرِّ مختار۔ عالمگیری۔ ہدایہ وغیرہا)

> وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

اور نکاح کردو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔ اگر وہ فقیر ہوں، تو اللہ انہیں غنی کر دے گا اپنے فضل کے سبب، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ (۳۲)

تشریح الالفاظ

اَنْکِحُوْا، نکاح کردو۔ اَلْاَیَامٰی بروزن اَلْیَتَامٰی جمع ہے اَیِّمٌ کی اور اَیِّمٌ کے معنی ہیں وہ عورت جو بے شوہر ہو یا وہ مرد جس کی کوئی بیوی نہ ہو۔ یہ لفظ عام ہے۔ ہر مرد و عورت کے لیے جس کا نکاح یا تو سرے سے ہوا ہی نہ ہو یا ہوا ہو، لیکن دوسرے کی وفات یا طلاق کے باعث اب مجرد و تنہا رہ گیا ہو۔ یعنی جو بے نکاح ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔ کنوارا ہو یا غیر کنوارا۔ اَلصّٰلِحِیْنَ جمع ہے صَالِح کی۔ اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے لائق ہوں۔ عِبَادِکُمْ تمہارے غلام۔ عِبَاد جمع ہے عَبْد کی۔ اور عبد و بندہ میں سوائے اختلافِ زبان کے کوئی فرق نہیں۔ ایک دوسرے کا پورا ترجمہ ہے۔ اِمَآءِ باندیاں، جمع ہے اَمَۃٌ کی۔ فُقَرَاءَ جمع ہے فَقِیْر کی۔ اور اصطلاحِ شرع میں فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو، مگر نہ اتنا کہ مقدارِ نصاب کو پہنچ جائے اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ یُغْنِھِمْ۔ انہیں غنی کر دے گا۔ اِغْنَاءٌ کا مضارع معروف ہے۔ اس کا مادہ ہے غِنَا۔

مطالب و مباحث

مسلمان بیبیاں کہ شریف اور عزت مآب ہوتی ہیں، ان کی عزت و ناموس اور پاکدامنی شریعتِ مطہرہ میں بڑی رفیع اور متاعِ عزیز ہے۔ اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عورت پر حیاداری اور حفظِ ناموس کی تاکید دوسرے بہت سے فرائض کی تعمیل پر مقدم

رکھی گئی ہے۔ اور عورت پر بہت سی قیود و حدود عائد کر کے حفاظتِ ناموس کا بندوبست کیا گیا ہے تاکہ انسان بہتر سے بہتر پاکیزہ سے پاکیزہ تر معاشرہ اور ماحول میں پہلے بڑھے اور پروان چڑھے۔ اور جسم و روح اور عقل و فراست ہر اعتبار سے پاک و صاف ہو اور اس کا ظاہر و باطن ہر اعتبار سے مجلیٰ و مصفّا رہے۔ زندگی کی راہ گزر کو خواہ مخواہ سخت اور تنگ بنا دینا نہ شریعت کا دستور ہے نہ یہ اسے پسند ہے۔

اسلام جو دینِ فطرت ہے، وہ معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے اور بے حیائی سے بچانے کے لیے صرف وعظ ہی نہیں دیتا، بلکہ وہ عملی تجاویز اور مشکلات کا صحیح حل بھی پیش کرتا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ جس معاشرہ میں بن بیاہی عورتیں خواہ کنواری ہوں یا مطلقہ یا بیوہ بکثرت موجود ہوں گی، وہاں جذبات کو کب تک قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ بڑے تحفظ اور احتیاط کے باوجود شدتِ جذبات سے مجبور و مغلوب ہو کر وہ غلط قدم بھی اٹھا سکتی ہیں اور شیطان بڑی آسانی سے انہیں ورغلا کر گمراہ کر سکتا ہے۔ بدکاری کا یہ بھی ایک دروازہ تھا جس کی طرف سے اگر اسلام اغماض کرتا، تو اسے حقیقت پسندی نہ سمجھا جاتا۔ چنانچہ اس آیت میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمان ایسے مردوں اور ایسی عورتوں کی طرف سے غفلت اور بے پرواہی نہ برتیں، بلکہ ان کا نکاح کر کے ان کو گھروں میں بسانا اپنا اخلاقی فرض سمجھیں۔ اس طرح ایک تو ان کی حالتِ زار بدل جائے گی۔ ان کی حرماں نصیبیاں ختم ہو جائیں گی اور دوسری طرف معاشرہ ان کی لغزش کے نتائج سے محفوظ ہو جائے گا۔"

ف شریعتِ اسلامیہ میں نکاح بجائے خود ایک فضیلت کی چیز ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "اے نوجوانو! تم میں سے جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتا ہے، وہ نکاح کرے کہ یہ اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے سے روکنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جس میں استطاعت نہیں، وہ روزے رکھے کہ روزہ شہوت کا قلع قمع کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور ایک حدیث میں آیا "جس نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پورا کر لیا۔ باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے" (طبرانی۔ بیہقی)

اور ابو یعلیٰ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہے کہ فرماتے ہیں "جب تم میں سے کوئی نکاح کرتا ہے کہ شیطان کہتا ہے، ہائے افسوس! ابن آدم نے مجھ سے اپنا دو تہائی دین بچا لیا۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں "جو اتنا مال رکھتا ہے کہ نکاح کرے اور پھر نکاح نہ کرے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

ان احادیثِ کریمہ کا جملہ جملہ بتا رہا ہے کہ نکاح، دین و ایمان، اخلاق و عادات کی حفاظت کا ایک مضبوط قلعہ ہے اور الفاظ کے عموم میں ہر وہ مرد و عورت داخل ہے جو سر دست بے نکاح اور تجرد کی زندگی گزار رہا ہے، جس کے اطلاق میں کنواری، مطلقہ اور بیوہ عورتیں بھی داخل ہیں۔ اور سب کے لیے حکم ہے کہ وہ حقوقِ نکاح ادا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں تو نکاح کو اپنا اخلاقی فرض تصور کریں۔

بعض گھرانوں میں نکاحِ بیوہ کو سخت ننگ و عار جانتے ہیں اور معاذ اللہ حرام سے بھی بڑھ کر اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ نوجوان لڑکی بیوہ ہو گئی، اگرچہ شوہر کا اس نے منہ بھی نہ دیکھا ہو۔ اب عمر بھر یونہی ذبح ہوتی رہے، لیکن ممکن ہے کہ نکاح کا حرف بھی زبان پر لا سکے اور اگر ہزار میں ایک آدھ نے خوفِ خدا و ترسِ روزِ جزا کر کے اپنا دین سنبھالنے کو نکاح کر بھی لیا، تو اس پر چاروں طرف سے طعن و تشنیع کی بوچھاڑ ہے۔ بیچاری کو کسی مجلس میں جانا بلکہ اپنے کنبہ میں منہ دکھانا دشوار ہے۔ جو ایسا کرتے ہیں، برا کرتے ہیں اور بیشک بہت برا کرتے ہیں۔ کفار کے اتباع میں ایک بیہودہ رسم ٹھہرا یعنی پھر اس کی بنا پر مباحِ شرعی پر اعتراض، بلکہ بعض صورتوں میں واجب کی ادائیگی سے اعراض کیسی سخت جہالت اور نہایت خوفناک حالت ہے۔

پھر حاجت والی عورتیں اگر رک گئیں اور معاذ اللہ بشامتِ نفس کسی گناہ میں مبتلا

ہوتیں، تو اس کا وبال، ان روکنے والوں پر پڑے گا کہ یہ اس گناہ کے باعث ہوتے۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل توراۃ شریف میں فرماتا ہے: "جس کی بیٹی بارہ برس کی عمر کو پہنچے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اور یہ دختر گناہ میں مبتلا ہو تو اس کا گناہ اس شخص پر ہے۔" (بیہقی فی شعب الایمان)
جب کنواری لڑکیوں کے بارے میں یہ حکم ہے، تو بیاہیوں کا معاملہ تو اور بھی سخت ہے کہ دختران دوشیزہ کو حیا بھی زیادہ ہوتی ہے اور گناہ میں رسوائی و فضیحت اور بدنامی کا خوف بھی زائد اور خود ابھی اس لذت سے آگاہ نہیں، صرف ایک طبعی طور پر ناواقفانہ خطرات دل میں گزرتے رہیں۔ اور جب آدمی کسی خواہش کا لطف ایک بار پا چکا، تو اب اس کا تقاضا بجگر ہوتا ہے۔ اور ادھر نہ ویسی حیا، نہ وہ خوف واندیشہ۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت بخشے۔
ہاں! جس عورت کو اپنے نفس سے خوف ہو کہ غالباً اس سے شوہر کی اطاعت اور اس کے حقوقِ واجبہ کی ادا وحفاظت نہ ہو سکے گی، تو بیشک اسے نکاحِ ثانی، بلکہ نکاحِ اول کی بھی ترغیب ہرگز نہیں دے سکتے کہ گناہ کا حکم دینا ہوگا اور حالات اگر ایسے ہوں کہ بے نکاح کے معاذ اللہ گناہ میں مبتلا ہونے کا گمان غالب ہے۔ ایسی عورتوں کو بے شک نکاح پر جبر کیا جائے۔ اگر خود نہ کریں گی، وہ گناہگار ہوں گی اور اگر ان کے اولیاء اپنے حدِ مقدور تک کوشش میں پہلو تہی کریں گے، تو وہ بھی گناہگار ہوں گے (فتاویٰ رضویہ)
ف ۶۹ مطلب یہ ہے کہ فقر وافلاس ایسی چیز نہیں کہ اسے نکاح نہ کرنے کی مستقل بنیاد بنا کر نکاح سے احتراز کیا جائے جو بصورت فقیر ہے کیا عجب کہ برکتِ نکاح اسے فراخی حاصل ہو اور وہ فضل خداوندی سے صاحب معاش اہلِ ثروت سے ہو جائے۔ آیت میں مراد یہ وعدہ نہیں کہ اہلِ افلاس کو نکاح کے بعد خواہ مخواہ غنا حاصل ہو ہی جائے گا اور اس طرح گویا نکاح بجائے خود ایک مستقل ذریعۂ معاش ووسیلۂ رزق ہے، بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ جب ایک طرح سے دوسرے حالات موافق ہوں تو محض اپنی ناداری کو بہانہ نہ بناؤ۔ اللہ کریم پر بھروسہ رکھو وہ جسے

چاہے غنی بنا سکتا ہے اور جسے چاہے خوشحالی سے نواز سکتا ہے۔
اس میں لڑکی والوں کے لیے بھی ہدایت ہے کہ نیک اور شریف آدمی اگر ان کے یہاں پیام دے تو محض اس کی غربت و ناداری دیکھ کر انکار نہ کر دیں۔ اور لڑکے والوں کو بھی تلقین ہے کہ کسی نوجوان کو محض اس لیے نہ ٹھکرائیں کہ ابھی وہ بہت نہیں کما رہا ہے اور نوجوانوں کو بھی یہ نصیحت ہے کہ زیادہ کشائش و خوشحالی اور فراغ دستی کے انتظار میں اپنی شادی کے معاملے کو خواہ مخواہ ٹالتے رہیں۔ تھوڑی بھی آمدنی ہو تو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر شادی کر ڈالنی چاہیے۔ بسا اوقات خود شادی ہی آدمی کے حالات درست ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ بیوی کی مدد سے اخراجات قابو میں آ جاتے ہیں اور بُرے حالات سگھڑ بیوی کی وجہ سے اچھے حالات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ (ماخوذ) ۱۲

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۳۳)

اور چاہیے کہ بچے رہیں وہ جو نکاح کا مقدور نہیں رکھتے، یہاں تک کہ اللہ مقدور والا کر دے اپنے فضل سے۔ اور تمہارے ہاتھ کی ملک باندی غلاموں میں سے، جو یہ چاہیں کہ کچھ مال کما نے کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو، تو لکھ دو۔ اگر ان میں کچھ بھلائی جانو، اور اس پر ان کی مدد کرو، اللہ کے مال سے جو تم کو دیا۔ اور مجبور نہ کرو اپنی کنیزوں کو بدکاری پر، جبکہ وہ بچنا چاہیں تاکہ تم دنیاوی زندگی کا کچھ مال چاہو اور جو انہیں مجبور کرے گا، تو بے شک اللہ بعد اس کے کہ وہ مجبوری ہی کی حالت پر رہیں، بخشنے والا مہربان ہے۔ (۳۳)

تشریح الالفاظ

وَلْيَسْتَعْفِفِ۔ ناپسندیدہ اور غیر شرعی کاموں سے بچتے رہیں۔ عفت و پاک دامنی کے لیے ضبط سے کام لیں۔ اس کا مصدر استعفاف یعنی غیر مستحسن امور سے دامن بچانا۔ اس کا مادہ ہے عِفَاف۔ یعنی پاک دامنی۔ عفیف و عفیفہ اسی سے ماخوذ ہے اور ظاہر ہے کہ پارسائی سے مراد زنا اور دواعی زنا سے بچنا اور اپنی پاک دامنی کا خاص اہتمام کرنا ہے۔ اَلَّذِيْنَ جو لوگ، وہ لوگ جو۔ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا۔ نکاح کا مقدور نہیں رکھتے، یعنی جنہیں مہر و نفقہ میسر نہیں۔ ان حقوق کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتے۔ حتیٰ کہ یہاں تک کہ يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ۔ اللہ انہیں مقدور والا کر دے، اور وہ مہر و نفقہ ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔ مصدر اس کا اِغْنَاء ہے اور مادہ غِنیٰ۔ مِنْ فَضْلِهٖ۔ اپنے فضل سے۔ وَالَّذِيْنَ، اور جو لوگ۔ يَبْتَغُوْنَ۔ خواہاں اور خواہش مند، اس کی خواہش و آرزو رکھتے ہیں۔ اَلْكِتٰبَ۔ عقد کتابت۔ مکاتبت۔ اور مکاتبت اصطلاحِ شرع میں غلام و آقا کے مابین ایک معاہدہ کا نام ہے کہ غلام اس قدر مال ادا کر کے آزاد ہو جاتے۔ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

تمہارے مملوک۔ تمہارے لونڈی غلام۔ فَكَاتِبُوهُمْ ان سے عقدِ مکاتبت کرلو، اور کمانے کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو۔ اِنْ عَلِمْتُمْ اگر تم جانو اور سمجھ پاؤ۔ فِيهِمْ ان (باندی غلاموں) میں۔ خَيْرًا بھلائی۔ بہتری۔ اور یہاں مراد اس سے امانت و دیانت ہے، اور کمائی کا سلیقہ اور کسبِ مال پر قدرت کہ وہ حلال روزی سے مال حاصل کرکے آزاد ہو سکے۔ فضول خرچی سے بچے اور آزادی کے لیے بھیک نہ مانگتا پھرے اور آزاد ہو کر دوسروں کو آزار نہ پہنچائے۔ وَاٰتُوْهُمْ انہیں دو، اس کا مصدر اِیْتَاء ہے اور مادہ اِیْتَان۔ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ اللہ کے مال سے۔ اَلَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ وہ مال جو اس نے تمہیں دیا۔ مال کی اضافت اللہ کی طرف کرکے یہ حقیقت تازہ کر دی کہ یہ مال تمہارا اپنا ہے کب! جو کچھ ہے اللہ کا۔ تو اس باب میں یا ہر کارِ خیر میں جو کچھ خرچ کرو گے، وہ اللہ ہی کا مال ہوگا۔ اس حکم کے مخاطب امتِ مرحومہ کے عام مسلمان ہیں اور انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ مکاتب غلاموں کو زکوٰۃ وغیرہ دے کر امداد کریں تاکہ وہ بدلِ کتابت دے کر اپنی گردن چھڑا سکیں اور آزاد فضاؤں میں آزادی سے سانس لے سکیں۔ خیال رہے کہ مکاتبین کی اعانت، مصارفِ زکوٰۃ میں سے ایک مصرف ہے۔ وَلَا تُكْرِهُوْا مجبور نہ کرو۔ اس کا مصدر اِکراہ ہے، جس کے معنی ہیں ناپسندیدہ کام پر کسی کو زبردستی آمادہ کرنا۔ کراہت و کراہیت اس کا مادہ ہے فَتَيٰتِكُمْ تمہاری اپنی کنیزیں۔ فتیات جمع ہے فَتَاة کی۔ اس کے لفظی معنی ہیں جوان عورتیں۔ اور یہاں اس سے مراد ہیں مطلق باندیاں، کنیزیں، خواہ کسی عمر کی ہوں۔ یہ مراد نہیں کہ اگر وہ جوان العمر نہ ہوں۔ خواہ ابھی حدودِ جوانی میں ان کے قدم بڑھ رہے ہوں یا جوانی کی حدود پار کر چکی ہوں تو ان کے لیے یہ فعلِ قبیح جائز و مباح ہو جائے گا۔ اَلْبِغَاءِ قحبہ گری۔ حرام کاری۔ اِنْ اَرَدْنَ، اگر وہ کنیزیں ہیں۔ تَحَصُّنًا، پاکدامنی، عفت تا کہ لِّتَبْتَغُوْا تاکہ تم حاصل کر سکو۔ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیاوی زندگی کا مال۔ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ اور جو انہیں مجبور کرے گا اور ناپسندیدہ امور پر انہیں زبردستی آمادہ کرے گا۔ مِنْۢ بَعْدِ

اِکْرَاهِهِنَّ یعنی جب تک وہ حالتِ مجبوری میں رہیں اور اول تا آخر کسی مرحلہ میں اس پر رضامند نہ ہوں۔

مطالب و مباحث

جنسی خواہشات کی تکمیل پر مرد کو مقدرت اور عورت کے نان و نفقہ اور مہر پر قدرت و دسترس حاصل ہو، تو اعتدال کی حالت میں کہ شہوت کا بہت زیادہ غلبہ نہ ہو۔ نکاح سنتِ مؤکدہ ہے کہ سنتِ مؤکدہ ہے کہ نکاح نہ کرنے پر اڑے رہنا گناہ ہے اور اگر مقصود اس نکاح سے اتباعِ سنت اور تعمیل حکمِ شریعت ہو کہ اولادِ صالح پیدا ہو اور نوعِ بشری پھلے پھولے، پروان چڑھے، تو انشاء اللہ تعالیٰ ثواب بھی پائے گا۔ اور اگر منظور صرف لذتوں کا حصول اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل ہو تو ثواب نہیں۔ اور غلبۂ شہوت یہ ہے کہ آدمی نکاح نہ کرے تو معاذ اللہ اندیشۂ زنا ہے یا اجنبی عورت کی طرف نگاہ اٹھنے سے رُک نہیں سکتا۔ یا معاذ اللہ اپنے ہاتھوں اپنی جوانی کو برباد کرنے کا اندیشہ دل و دماغ پر غالب ہے، تو اب نکاح واجب ہے اور اگر معاذ اللہ یہ یقین ہو کہ نکاح نہ کرنے سے زنا واقع ہو ہی جائے گا تو فرض ہے کہ نکاح کرے اور اس فعلِ قبیح و ملعون سے دُور بہت دُور بھاگے۔

اور اگر یہ اندیشہ ہے کہ نکاح کرے گا تو نان و نفقہ نہ دے سکے گا یا جو ضروری حقوق ہیں نکاح کے انہیں پورا نہ کر سکے گا تو نکاح مکروہ ہے۔ اور اگر یقین ہو کہ نکاح کے حقوق کی نگہداشت اس سے نہ ہو سکے گی، تو اب نکاح حرام ہے۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

اب نہ رہی مگر ایک صورت، اور وہ یہ کہ آدمی جوان ہے۔ حقوقِ زوجیت ادا کر سکتا ہے لیکن نہ مہر کی ادائیگی پر اسے قدرت ہے اور نہ نان و نفقہ اس کی مقدرت میں ہے تو کیا اُسے اُس کی اجازت ہے کہ وہ ناجائز طریقوں سے شہوت رانی کر سکے اور شرم و حیا و غیرتِ ایمانی کو پسِ پشت ڈال کر اسلامی معاشرہ کو تباہ و برباد و اپنی جوانی کو پامال کرتا پھرے۔ اس کا جواب ان آیات

میں دیا جاتا ہے :

ف یعنی اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ہر بندۂ مسلمان کو اس کی اپنی پسند کا رشتہ میسر آ جائے اور وہ کارخانۂ حیات میں یہ امر لازمی ہے کہ ہر شخص خوشحال ہو اور شادی کے تمام اخراجات مہر و نان و نفقہ اس کے اپنے قابو لینے اختیار میں ہوں لیکن اس کے باوجود یہ اجازت ہرگز نہیں کہ ناجائز اور غیر شرعی طریقوں کو اپنا کر اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کی جائے اور نفسانی خواہشات اور ہوس رانیوں کے دام فریب میں اگر خود بھی معصیت و معصیت میں پڑے اور معاشرہ میں بھی گندگی پھیلائے جیسا کہ شدید بھوک کے موقع پر بقدرِ ضرورت حرام کھا لینے کی اجازت ہے یا پیاس میں جان جاتی ہو تو متاعِ زندگی کی حفاظت کی خاطر شراب وغیرہ کا پی لینا کہ جان بچ جائے مباح ہے شریعت کہتی ہے کہ نفسانی اور جنسی خواہشات کا قیاس ان چیزوں پر نہ کیا جائے، بلکہ یاد رکھا جائے کہ شہوتِ جنسی کا انضباط کر لینا بھوک پیاس کی شدت کے مقابلہ میں نسبتۂ بہت آسان ہے، اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا گیا :

اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہے اسے نکاح کر لینا چاہیے کہ نکاح اجنبی عورت کی طرف نگاہ کو بدنظری سے بچانے اور آدمی کی عفت قائم رکھنے (اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے) کا اعلیٰ ذریعہ ہے اور جو نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزہ شہوتوں کو توڑنے والے ہیں۔ (روزوں سے آدمی کی طبیعت کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور آدمی پاک دامن رہتا ہے) (بخاری و مسلم)

تو جنہیں مہر و نفقہ پر قدرت و استطاعت نہیں، تو وہ اپنی پاک دامنی اور پارسائی کی حفاظت روزوں کو اپنی عفت کی ڈھال بنا کر کریں۔ ۱۲

ف تاکہ وہ اس قدر مال ادا کر کے آزاد ہو جائیں اور اس طرح کی آزادی کو کتابت کہتے ہیں۔ آیتِ کریمہ میں اس کا امر استحباب کے لیے ہے اور یہ استحباب اس شرط کے ساتھ مشروط ہے جو اس کے بعد ہی آیت میں مذکور ہے : "اگر ان میں کچھ بھلائی جانو"

جس کا ما حصل یہ ہے کہ باندیوں، کنیزوں اور غلاموں پر ملکیت رکھنے والے مسلمانوں کو اگر ظنِ غالب ہو اور وہ ایسے آثار پائیں کہ یہ غلام آزاد ہو کر مسلم معاشرہ کا ایک اچھا آزاد شہری بن سکے گا اور اپنے معاہدوں اور ذمہ داریوں کو باحسن وجوہ انجام دے سکے گا، نہ خود مبتلائے معصیت ہو گا نہ اوروں کے لیے باعثِ مصیبت واذیت بنے گا، تو غلاموں، کنیزوں سے مکاتبت کریں، جبکہ عام مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ وہ مکاتب غلاموں کو زکوٰۃ وغیرہ سے مدد کریں۔

غور کرنا چاہیے کہ شریعتِ مطہرہ نے جن مدات پر زکوٰۃ کی تقسیم کا حکم دیا اور انہیں مصارفِ زکوٰۃ قرار دیا ہے۔ اس سے ملک اور قوم اور افراد کی نوعی و شخصی ضروریات کو کس خوبی سے پورا کر دیا گیا ہے اور اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اسلام، اسلامی سلطنت کی اس آمدنی کو ان مدات پر تقسیم کر کے ایک مد غلاموں کی آزادی کو قرار دیتا ہے۔ جو لوگ تاریخ پر عبور رکھتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ غلامی، دنیا کے تمام متمدن ممالک میں ہزاروں سال سے رائج تھی اور عرب اور بیرونِ عرب، دنیا بھر کا معاشرہ غلاموں سے بھرا پڑا تھا اور سارا معاشی و معاشرتی نظام مزدوروں اور نوکروں سے زیادہ، ان غلاموں کے سہارے چل رہا تھا اور روئے زمین پر کوئی حکومت یا تحریک ایسی موجود نہ تھی جس سے غلاموں کو آزاد فضاؤں میں سانس لینے کا سہارا ملتا۔

اور جب اسلام آیا، تو یہ اسلام ہی ہے جس نے دنیا میں سب سے پہلے غلاموں کی تائید میں ایک زبردست اخلاقی تحریک شروع کی :

(۱) آزادیٔ غلامان کو نیکی کا اصول بتایا۔

(۲) آزادیٔ غلامان کو حصولِ نجات کا ذریعہ بنایا اور

(۳) آزادیٔ غلامان کو بعض تقصیرات میں بطورِ تعزیر و کفارہ مقرر فرمایا۔

اور بالآخر ان سب کے بعد اسلامی سلطنت کی آمدنی کا ایک حصہ ہمیشہ کے لیے اسی کام کے لیے خاص کر دیا۔ ۱۲

وہ دُنیاوی مال ومتاع جائز وشرعی پر میسّر آئے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اور بڑی قدر کی چیز۔ قرآن کریم نے اس مال ومتاع کو تمام عالمِ انسانیت کے لیے مایۂ زندگی، سرمایۂ حیات اور سامانِ معیشت قرار دیا ہے، جس کے اوپر انسان کی حیاتِ مادّی اور معاشرتی زندگی کا دارومدار ہے اور ساری آسائش وراحت کا یہی مال مبنیٰ ہے۔ نظامِ تمدن معیشت اور بالآخر نظامِ اخلاق کا مرکزی نکتہ یہی مال ہے اور تمام ضروریاتِ زندگی اسی پر مرکوز ہیں۔ (جعل اللہ لکم فیھا قیٰما)

یہی مال قرآن کریم کی نگاہوں میں فضلُ اللہ ہے، شخصی اور انفرادی حیثیت سے بھی پہلوئے خیر رکھتا ہے اور قومی واجتماعی حیثیت سے بھی، بشرطیکہ آخرت کا نفع باقی دُنیا کے نفعِ فانی پر غالب وفائق رہے اور اس کی تحصیل میں مشغول ہوکر امورِ آخرت کے سرانجام سے غافل نہ ہوجائے۔

اور یہی مال انسان کے لیے فتنۂ عظیم بھی ہے جبکہ اس سے متعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں بخلوصِ وحُسنِ نیّت ادا نہ کیے جائیں اور اس کی محبت وکسب میں منہمک ہوکر خدا اور رسول سے غافل اور پرسشِ یومِ آخرت سے غافل ہوکر رہ جاتے۔

اس کی نسبت بندوں کی طرف بھی قرآن کریم میں وارد ہے کہ اموالکم فرمایا گیا۔ تمہارے اموال اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی، بندوں کی طرف یہ نسبت مجازی ہے، جبکہ ہم سب عبدِ محض ہیں، اور تمام تر اسی کی مِلک۔ ہم خود بھی اور ہماری ہر چیز بھی، اپنی کوئی شے ہی نہیں، نہ بیوی نہ بچے، نہ مال نہ جائیداد، نہ وطن، نہ خاندان، نہ جسم، نہ جان ؂

جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم وگمان ہمارا

یہاں آیۂ کریمہ میں بھی مال کی اضافت، اللہ تعالیٰ کی طرف کرکے یہ حقیقت تازہ کردی اور یہ بات پھر یاد دلادی کہ کارِ خیر میں جو کچھ خرچ کروگے اللہ ہی کا مال ہوگا۔ تمہارا اس میں کیا؛ پھر اس موقعِ خیر پر صرف کرنے میں پس وپیش کرنا لاحاصل ہے، بلکہ مفت کی دردِسری - ۱۲

ف زمانۂ جاہلیت میں اہلِ جاہلیت میں عام دستور تھا کہ لوگ اپنی کنیزوں اور باندیوں کو ان کی خواہش کے خلاف عصمت فروشی پر مجبور کرتے اور مالی منفعت سمیٹتے۔ خود عبداللہ بن اُبَی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے وہ بدکاری کراتا اور اس کسب کی آمدنی خود اپنے مصرف میں لاتا۔ اور اس بدکاری سے حاصل ہونے والی ناجائز اولاد کو اپنے خدام و حشم میں شمار کرتا۔ انہیں لونڈیوں میں سے ایک لونڈی جن کا نام مُعَاذہ تھا، وہ ایمان لے آئیں اور انہوں نے توبہ کرنی چاہی، تو اس خبیث نے اُن پر تشدد کیا۔ آپ نے عبداللہ بن اُبَی کی اس خبیث حرکت کی شکایت جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے جا کر کی، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق ان کو اس کے قبضہ سے نکال لیا گیا۔ اُدھر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ نزولِ آیۂ کریمہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلان فرمادیا: "اسلام میں قحبہ گری کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔" (ابوداؤد) اور ساتھ ہی یہ بھی مشتہر کر دیا گیا: "زنا کے ذریعے سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی حرام، ناپاک اور قطعی ممنوع ہے" اور یہ کہ "زنا کے معاوضے میں حاصل کی جانے والی آمدنی بدترین اور ناپاک ترین آمدنی ہے"

اور ان احکام کی روشنی میں ہر ذی عقل بادنیٰ تأمل یہ سمجھ سکتا ہے کہ آیۂ کریمہ میں جو حکم دیا گیا ہے، اس کا اصل مقصود صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ لونڈیوں اور کنیزوں کے مالک انہیں زنا جیسے جُرم میں ملوّث ہونے پر مجبور نہ کریں، بلکہ یہ بھی مقصود ہے کہ قحبہ گری کی تمام صورتیں خواہ خوہ انہیں کوئی نام دیا جائے اور ان پر خواہ کوئی بھی لیبل چسپاں کر دیا جائے، قانونِ شریعت میں قطعاً ممنوع و حرام ہیں اور ان ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی یقیناً ناجائز و ناپاک ہے۔

ہاں! آیۂ کریمہ کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ لونڈیاں اگر ازخود ان بے حیائیوں پر آمادہ ہوں اور پاک دامن رہنا نہ چاہیں، تو انہیں ذریعۂ آمدنی بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ لونڈیاں اگر ایسی ہی بدقماش اور آبرو باختہ ہوں کہ خود اپنی مرضی سے ان بدکاریوں میں مبتلا رہنا چاہتی ہوں تو اپنے جرم کی وہ خود ہی ذمہ دار ہیں۔ قانونِ شریعت ان کے اس جرم پر خود ہی انہیں پکڑ کر باز پرس کرے گا، اور خود وہی اس جرم میں ماخوذ ہوں گی، لیکن اگر اس کا مالک اس پر جبر کر کے اس سے یہ پیشہ کرائے اور اس کے اس کسب کو اپنے لیے ذریعۂ آمدنی بنائے، تو اب ذمہ داری مالک پر ہے، تو اسی سے مؤاخذہ ہوگا۔ وہی اس جرم میں پکڑا جائے گا اور اپنے اس فعلِ قبیح کی سزا پائے گا۔ یونہی لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (کہ دنیاوی مال و متاع کا کچھ حصہ تمہیں حاصل ہو جائے)، اس فقرہ کا مقصود بھی یہ نہیں کہ اگر مالک اس کی کمائی نہ کھائے یا بالفاظِ دیگر اس حرام کاری و قحبہ گری کی کوئی فیس اس سے وصول نہ کرے تو عصمت فروشی پر مجبور کرنے کے جرم میں اس کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا، بلکہ اس کا مقصود یہ ہے کہ اس ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی خواہ کسی کے تصرف میں آئے، ہے یہ ایک ناجائز و ناپاک آمدنی ہی۔ جس سے بچنا اور دوسروں کو بچانا ہر صائب الرائے، ذی عقل کا اخلاقی فریضہ ہی نہیں بلکہ اب یہ قانونِ شرع ہے، جس کی پاسداری ہر متنفس پر لازم و ضروری ہے۔ ۱۲

۱؎ مطلب یہ ہے کہ عصمت فروشی و قحبہ گری، ایسی گری ہوئی اتنی ذلیل حرکت ہے کہ جبر و اکراہ کے بعد بھی وہ بُری کی بُری رہتی ہے، لیکن یہ حق تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ محض اپنی رحمتِ خاص سے ان لونڈیوں کو بھی معاف فرما دیتا ہے، جو واقعۃً اس فعلِ شنیع پر مجبور کی گئیں اور کسی مرحلہ پر ان کی رضا اس بد حالی میں اس کے شریک کار نہ ہوئی۔ اس صورت میں سارا وبال اس مکرہ پر ہوگا، جس نے زبردستی اس گڑھے میں اسے دھکیلا۔ یونہی یہ محض فضلِ الٰہی ہے کہ وہ ان مردوں کے اس جرمِ اکراہ کو بھی معاف فرما دیتا ہے، جو صدقِ دل سے تائب ہو جائیں، اور اطاعت گزار بندوں کی طرح اپنے مولیٰ عزوجل کی بارگاہ میں رجوع لائیں۔ مُکْرَهَہ کی معافی کی وجہ یہ ہے کہ اکراہ واقعی نے اس عورت سے اثم و

عقوبت زائل کر دیا، تو یہ اکراہ اس کے لیے عذر ہے اور مکرہ کے لیے وجہ معافی یہ ہے جب اس نے توبہ شرعیہ کر لی، توبحکم حدیث اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ کا مصداق بن گیا۔ ۱۲۰

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ وَمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۴﴾ ع

اور بے شک ہم نے اتاریں تمہاری طرف روشن آیتیں اور کچھ ان لوگوں کا بیان، جو تم سے پہلے ہو گزرے اور ڈر والوں کیلئے نصیحت۔

تشریح الالفاظ

لَقَدْ، ماضی پر اس کا دخول، فعل میں زور اور تاکید پیدا کرنے کے لیے آتا ہے۔ اَنْزَلْنَا، نازل کیا ہم نے، اتارا ہم نے۔ اٰیٰتٍ جمع ہے آیۃ کی۔ مُبَیِّنٰتٍ روشن، واضح، کھلی کھلی، اپنے مضمون و مطلب پر صریح۔ مَثَلًا خبر عجیب۔ مراد اس سے وہ حدود احکام بھی ہو سکتے ہیں، جن کا ذکر تورات و انجیل میں آیا اور قرآن کریم میں انہیں مذکور فرما دیا اور وہ افراد و اشخاص بھی ہو سکتے ہیں جنہوں نے انبیائے سابقین کی تکذیب کی۔ ان پر نازل فرمائے ہوئے احکام کو جھٹلایا یا ان سے اعراض کیا اور سرکشی و تمرد پر اتر آئے، تو جس طرح وہ اپنی ان بیہودگیوں کے باعث مبتلائے عذاب ہوئے انہیں

مرتکب کوئی ہو۔ مَوْعِظَةً نصیحت۔ گناہ و معصیت پر وعید۔ نافرمانی سے تحذیر۔
لِلْمُتَّقِيْنَ جمع ہے متقی کی۔ خداترس۔ ممنوعات چھوڑ کر نفس کو بچانے والے۔

مطالب و مباحث

سورۂ کریمہ میں شروع ہی سے بیان کیا جا رہا ہے کہ پاکدامنی اور عفت مآبی عورتوں کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے اور بے عصمتی اور عصمت فروشی صد درجہ قابلِ نفرت ہے۔ مسلمانوں کو ہر وہ تدبیر عمل میں لانی چاہیے جس سے معاشرہ میں پاکیزگی قائم رہے۔ بدچلنی اور بدکاری کی ہر روش کا قلع قمع کر دیا جائے۔ جو نکاح کی استطاعت رکھتے ہیں انہیں بے نکاح نہ رہنے دیا جائے۔ حتیٰ کہ لونڈی، غلام جو کمانے اور حقوقِ زوجیت ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، انہیں بھی پابندِ نکاح کر دیا جائے۔ غرض یہ کہ بدکاری، بدچلنی اور بدقماشی و کجروی کا ہر دروازہ سختی سے بند کر دیا جائے۔ یہاں ان تمام امور کو بھی اٰیٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ میں شمار فرما کر مسلمان کو زیادہ سے زیادہ اعمالِ صالحہ کی طرف ترغیب و تحریص فرمائی جا رہی ہے۔

ف۵ روشن آیتوں سے مراد ہیں وہ آیتیں جن میں حلال و حرام اور حدود و احکام سب کو واضح کر دیا گیا اور زنا، قذف اور لعان کا قانون بیان فرما دیا گیا اور آخر میں تنبیہ فرما دی گئی کہ ان احکام کی خلاف ورزی کرو گے، تو بُرا انجام دیکھو گے۔ ۱۲

ف۶ یعنی گزشتہ اقوام کے عبرت ناک واقعات بھی قرآن کریم میں جا بجا مذکور ہیں کہ ان کی سرکشی و تمرد نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اب اگر تم میں سے بھی کوئی اسی روش پر چلے گا، تو آپ ہی تباہی کے گڑھے میں پڑے گا۔ اس لیے خداترس بندوں کی طرح احکامِ شرع کی تعمیل میں مصروف رہو اور عذابِ الٰہی کو دعوت نہ دو کہ پھر یہ ٹالے نہ ٹلے گا۔ ۱۲

ف٢ اگرچہ قرآن کریم تمام بنی نوعِ انسانی کے لیے ایک مکمل ہدایت نامہ اور قابلِ تریں دستور العمل ہے۔ مکمل و مفصل دستورِ حیات ہے اور اس کی ہدایت ہر ناظر کے لیے عام ہے۔ مومن ہو یا کافر۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ھُدًی لِلنَّاس تمام نوعِ انسانی کے لیے سراپا ہدایت نامۂ حیات، لیکن یہاں اور ایسے ہی دوسرے مواقع پر متقین کی قید لگا کر صاف بتا دیا کہ اس قانونِ عام اور ہدایتِ تام سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہی لوگ ہوں گے جن کے اندر خوفِ خدا موجود ہو۔ کتاب ہدایت نازل تو ساری دُنیا کے لیے ہوئی ہے۔ خطاب سارے عالم سے کر رہی ہے، لیکن عملاً نفع اس سے صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔ آفتاب اپنی جگہ عالم تاب سہی، لیکن جن کی بصارت ہی ضائع ہو چکی ہے، ان کے لیے تیز سے تیز شعاع بے کار ہے یا جیسے کہتے ہیں کہ بارش سبزہ کے لیے ہے، یعنی منتفع اس سے سبزہ ہوتا ہے، اگرچہ برستی کلر اور بے گیاہ زمین پر بھی ہے اچھی زمین اگر مردہ ہے، تو اس کے حق میں بڑی سے بڑی بارش بے اثر ہے۔ غذا بہتر سے بہتر بھی ہیضہ کے مریض کے لیے لاحاصل کیا بلکہ مضر ہے، اسی طرح قرآن کریم سے استفادہ اور فیوض و برکات کی تحصیل کے لیے اولین شرط دل کے اندر کا تقویٰ ہے اور تقویٰ کی بنیاد ہے ایمان باللہ۔ یعنی ایمانیات کے دائرہ کے اندر کی جتنی بھی چیزیں ہیں، سب کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تصریحات و تشریحات کے مطابق اس طرح دل سے تسلیم کر لینا کہ دل میں کوئی تردّد، کوئی تذبذب، کوئی ریب اور کوئی شک باقی نہ رہے۔ ۱۲

احکام و فوائد کا خلاصہ

سورۂ کریمہ کے چوتھے رکوع سے جو فوائد و احکام حاصل ہوتے، ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) غیروں کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو جانا ممنوع و ناجائز ہے۔

(۲) اجازت لینے کا طریقہ ایسا ہو جس سے گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ کون آنا چاہتا ہے؟

(۳) دروازے کے سامنے کھڑے ہونے میں بے پردگی کا اندیشہ ہو تو اجازت چاہنے والا دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت طلب کرے۔

(۴) اجازت طلب کرنے میں اصرار نہ کیا جائے۔

(۵) صاحب خانہ کوئی عذر خواہی کرے تو اس کی بات کو مان لیا جائے۔

(۶) ایسی عمارتوں میں جانے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں، جہاں جانے کی ملائے عام اجازت ہو جیسے ہوٹل، مسافر خانے، مدرسے اور خانقاہیں وغیرہ۔

(۷) مرد خواہ عورت کے جسم کے جن اعضاء پر نظر کرنا سرے سے ناجائز ہے انہیں تو دیکھیں ہی نہیں اور جنہیں دیکھنا جائز ہے، انہیں بھی خواہش نفس سے نہ دیکھیں۔

(۸) عورتوں پر اجنبی مردوں کو گھور گھور کر دیکھنا بھی ایسا ہی حرام و ناجائز ہے جیسے مردوں کو اجنبی عورتوں پر نظریں جمانا نیز انہیں نامحرم مردوں کے سامنے ہونا جائز نہیں ح

(۹) عورتیں گھروں کی چار دیواری میں رہیں یا واقعی کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلیں؛ اُن پر فرض ہے کہ مواضعِ زینت؛ غیروں کی نظروں میں نہ آنے دیں۔

(۱۰) سر اور سینہ دو مقام خاص طور پر زینت کے ہیں۔ عورتیں ان کے ڈھانپنے کا اور زیادہ اہتمام کریں

(۱۱) مُسلمہ عورت کو کافرہ عورت کے سامنے بدن کھولنا جائز نہیں۔

(۱۲) قدرتی یا مصنوعی ہر وہ شے جو مرد کے لیے باعثِ رغبت و شوق ہو، یعنی اپنا بناؤ سنگھار، عورتیں اسے غیروں کی نظروں میں ہرگز نہ آنے دیں۔

(۱۳) جن کے کے چھپائے رکھنے میں عموماً سخت حرج و زحمت ہے، مثلاً چہرہ کی ٹکیا، ہتھیلیاں اور پیر، اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کا کھلا رکھنا بھی ممنوع ہے۔

(۱۴) جو مرد محرم ابدی ہیں، ان کے سامنے آنا جانا شرعاً جائز و روا ہے۔

(۱۵) عورتوں کو اجنبی مردوں سے ایسے کام لینا جن میں جسم کو مس کرنا پڑے جائز نہیں؛ اسی طرح مرد کو اجنبی عورتوں سے اس قسم کے کام لینا یا خادمہ کو خلوت میں بلانا یا اس پر نظر کرنا جائز نہیں ہے کہ یہ ذریعے ہیں ناجائز خواہشات کی پرورش کے۔

(۱۶) ایسے زیور جو از خود نہیں بجتے، بلکہ کسی چیز کی رگڑ سے بج اٹھتے ہیں، انہیں استعمال کرنے والی عورتیں اپنے پیر زور سے زمین پر نہ رکھیں کہ اس سے فتنے سر اٹھاتے ہیں۔

(۱۷) جہاں تک بن پڑے مردوں اور عورتوں کو بے نکاح نہ رہنے دیا جائے۔

(۱۸) جو لوگ مہر و نفقہ کی استطاعت نہیں رکھتے، وہ اپنی پاک دامنی کی جس طرح بھی بن پڑے حفاظت کریں اور اپنی زندگی داغدار نہ بنائیں۔

(۱۹) عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ مکاتب کی امداد و اعانت کریں اور اسلامی حکومت کو بھی حکم ہے کہ بیت المال میں جو مالِ زکوٰۃ جمع ہو اس کا ایک حصہ ان غلاموں کی آزادی میں صرف کریں۔

(۲۰) قحبہ گری خواہ کسی نام سے عمل میں آئے حرام ہے اور اس ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام و ناجائز ہے اور دنیا و آخرت میں باعثِ لعنت و عذاب۔ ۱۲

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ۳۵

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے
ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے
وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا۔ روشن ہوتا ہے برکت
والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا۔ قریب ہے کہ اس کا تیل
بھڑک اٹھے، اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ نور پر نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی
راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے
لیے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (۳۵)

تشریح الالفاظ

نُور، اپنے لغوی معنی میں وہ روشنی ہے جس کا ادراک آنکھ سے ہو سکے۔ یعنی وہ
ایک کیفیت ہے کہ نگاہ پہلے اُسے ادراک کرتی ہے اور اس کے واسطے دوسری
اشیائے دیدنی کو تو اس اعتبار سے حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق جب بھی ہو گا، مجازی معنی
ہی میں ہو گا کہ نور بایں معنی ایک عرض و حادث ہے اور ربّ عزوجل اس سے منزہ ۔
اور حق یہ ہے کہ نور اس سے اجلیٰ ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اور یہ جو بیان ہوا،
تعریفُ الجَلِی بالخَفِی ہے، جبکہ محققین کے نزدیک نور وہ ہے کہ خود ظاہر ہو اور دوسرں
کا مُظہِر یعنی دوسری چیزوں کو ظاہر کر دے۔ بایں معنی اللہ عزوجل نورِ حقیقی ہے بلکہ حقیقۃً
وہی نور ہے اور آیۂ کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بلا تکلف و بلا تاویل اپنے
معنیٰ حقیقی پر ہے۔ مجازاً نور کا لفظ علم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے برعکس
جہل کو تاریکی اور ظلمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس معنی میں بھی کائنات کا
نور ہے۔ اہلِ سماوات و ارض اُسی کے علم سے حقائق کا علم اور حق کی راہ پاتے ہیں۔

اور اسی کی ہدایت و توفیق سے جہالت کی تاریکی اور ضلالت و گمراہی سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ نور، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔ اَلسَّمٰوَات جمع ہے سَمَاء کی اور سَمَاء ہر اس بلند چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے سر کے اوپر ہو، اور اسی بنیاد پر آسمان کو سَمَاء فرمایا گیا، اور اَرْض ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو۔ یہاں مراد ہے اس سے زمین۔ اور آسمانوں اور زمین کا لفظ قرآن مجید میں بالعموم کائنات یعنی جملہ مخلوقات کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، لہٰذا دوسرے الفاظ میں آیت کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ ساری کائنات، جملہ مخلوقات کا نور ہے، یعنی اہلِ آسمان کا بھی اور اہلِ زمین کا بھی، اور تمام کائنات کو اُسی کے نورِ وجود، اُسی کے فیضانِ نور سے ایک وجود ملا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ یعنی اس کے نور کی عجیب و غریب صفت جو اس نے مومن کو عطا فرمائی جس سے وہ ہدایت پاتا اور راہ یاب ہوتا ہے۔ کَمِشْکٰوۃ۔ اس میں کاف تمثیل و تشبیہ کا ہے اور مشکوٰۃ اس مخصوص جگہ کو کہتے ہیں۔ جو دیوار میں چراغ رکھنے کے لیے بنائی جاتی ہے۔ ایک طرف سے کھلی اور باقی اطراف سے بند، یعنی چراغ دان، جسے اردو میں طاق یا طاقچہ بھی کہتے ہیں۔ اَلْمِصْبَاح۔ بڑا چراغ، جس کی روشنی اطراف میں خوب پھیلے۔ زُجَاجَۃ شیشے کا بنا ہوا فانوس، جس میں چراغ رکھا جاتا ہے اور وہ بجھنے سے محفوظ رہتا ہے اور روشنی بھی اور پھیل کر دُور دُور تک گرتی ہے۔ کَوْکَبٌ ستارہ، اس کی جمع کَوَاکِبٌ آتی ہے۔ دُرِّیٌّ، روشن چمک دار۔ صاف شفاف۔ موتی کی طرح جھلمل کرتا۔ یُوْقَدُ، روشن ہوتا ہے۔ شَجَرَۃٍ۔ درخت۔ اس کی جمع ہے اشجار۔ مُبَارَکَۃٍ، بابرکت۔ زَیْتُوْنَۃٍ ایک نہایت کثیر البرکت درخت ہے، کیونکہ اس کا روغن جسے زیت کہتے ہیں، اپنی لطافت و صفائی کے لیے مشہور ہے۔ نہایت صاف و پاکیزہ روشنی بھی دیتا ہے، سر میں بھی لگایا جاتا ہے اور سالن اور نانِ خورش کی جگہ روٹی سے بھی کھایا جاتا ہے۔ دُنیا کے اور کسی تیل

میں یہ وصف نہیں۔ درخت زیتون پتوں سے عاری بھی نہیں ہوتا۔ اس کی راکھ بھی
بے مصرف و بیکار نہیں۔ روئے زمین پر اُگنے والا یہ پہلا درخت ہے۔ طوفانِ نوح کے بعد
یہی درخت سب سے پہلا سطحِ زمین پر نمودار ہوا۔ انبیائے کرام نے اس کے لیے برکتوں کی
دُعائیں کیں۔ لَاشَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ، نہ پورب کا ہے نہ پچھم کا۔ نہ پورب رُخ
ہے نہ پچھم رُخ، بلکہ وسط کا ہے کہ نہ اسے گرمی سے ضرر پہنچے نہ سردی سے۔ دوسرے معنی یہ
بھی ہیں کہ وہ بڑی مخصوص لطیف صفات کا حامل ہے اور نہایت اجود و اعلیٰ۔ اس کا
فیض نہ شرق سے خاص ہے نہ غرب سے مخصوص۔ کوئی نسبت اور کوئی جانب اس کے
فیض سے خالی نہیں، یا معنی یہ ہیں کہ وہ کھلے میدان میں یا اونچی جگہ واقع ہو جہاں صبح تا
شام اس پر دھوپ پڑتی ہے کسی آڑ میں نہ ہو کہ اس پر صرف صبح کی یا صرف شام کی دھوپ
پڑے، زیتون کے ایسے درخت کا تیل اور زیادہ لطیف ہوتا ہے اور زیادہ تیز روشنی
دیتا ہے۔ زَيْتُهَا۔ اس کا روغن۔ يَكَادُ يُضِيْٓءُ قریب ہے کہ بھڑک اٹھے، اور
خود بخود جل اُٹھے۔ یعنی وہ روغن اپنی غایتِ تنویر سے از خود روشن ہو جاتے اور اس
سے روشنی کے شعلے بھڑک اٹھیں۔ اپنی صفا و لطافت کے باعث۔ وَلَوْ لَمْ
تَمْسَسْهُ النَّارُ، اگرچہ اسے آگ نہ چھوتے۔ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ، نور پر نور ہے،
نور ہی نور ہے۔ روشنی ہی روشنی ہے۔ یعنی روشنیوں کی فراوانی ہے۔ فزوں بر فزوں۔
يَهْدِيْ۔ راہ بتاتا ہے۔ ہدایت دیتا ہے۔ منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ لِنُوْرِهٖ۔ اپنے
نور کی۔ مَنْ يَّشَآءُ جسے چاہتا ہے۔ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ۔ اللہ بیان فرماتا ہے۔ اَلْاَمْثَالَ۔
مثالیں جمع ہے مَثَل کی۔ کہاوت، تمثیل۔ لِلنَّاسِ، لوگوں کے لیے تاکہ ان مثالوں کے
ذریعے سے، عقل و فہم میں نہ آنے والی باتیں، قریب الفہم ہو جائیں اور لوگ ان سے
بیش از بیش فوائد و ہدایات حاصل کر سکیں۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ
سب کچھ جانتا ہے۔ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

مطالب و مباحث

اللہ تعالیٰ کی روشن آیات کہ اپنے مضامین و مطالب پر صریح اور واضح الدلالۃ ہیں۔ اس کا کلام ہے جو کہیں زبور کے نام سے اترا۔ کہیں توراۃ و انجیل کے نورانی پیکر میں نازل ہوا اور کہیں قرآن مجید کے لباس میں جلوہ گر ہوا۔ نیز اس کائنات ارضی و سماوی کا ذرہ ذرہ آیات بینات میں داخل ہے کہ اسی کی طرف عقلِ سلیم کو دعوت دیتا اور اسی کی توحید و وحدانیت کی طرف بلاتا ہے ؎

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

انبیائے کرام اسی کی طرف ہدایت فرماتے اور اسی کے قدرت کے جلوے دکھاتے اور نورانیت پھیلانے آتے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا اور ہے کہ بندے اپنے رب کو پہچانیں۔ اس کی معرفت کی دولت سے مالا مال اور جام عرفان سے سرشار ہو کر اسی کا دم بھریں۔ اُسی کی اطاعت کریں اور اسی کے سامنے سربسجود رہیں۔ مبارک ہیں وہ بندے جن میں حق و حقانیت کا نور، جلوہ فگن رہے اور ان کے دل اس کی یاد میں بے قرار رہیں۔ ایمان کی روشنی ہی وہ روشنی ہے کہ جب قلبِ مومن میں جگہ پاتی ہے، تو کائنات اس پر روشن ہو جاتی ہے۔ صلاح و فلاح کے دروازے اُس پر کھل جاتے ہیں اور اس کا قلب اپنی استعداد کے مطابق ان آیات بینات سے فیوض و برکات پاتا اور قربت خداوندی کی لازوال دولت سے نوازا جاتا ہے۔ ہاں! بڑے بد بخت ہیں وہ بندے جن کی آنکھیں نورِ ایمان سے بے بہرہ ہو کر مُندھی کی مُندھی رہ جائیں۔ اور ان میں بھی انتہائی بدنصیب وہ شوربختی ہیں جو کلمہ پڑھ کر اسلام و مسلمین سے دشمنی ٹھانیں اور چہروں پر کلمہ گوئی کا نقاب ڈال کر مسلمانوں کی خیرخواہی کا دم بھرتے مگر اسلام و مسلمین کے درپئے آزار رہیں، تو کیا ایسوں

کو کبھی فلاح دائمی نصیب ہو سکتی ہے؟ کیا یہ اس قابل ہیں کہ حق و حقانیت کا بار اٹھا سکیں!

آیتِ کریمہ میں اسی قلبِ مسلم میں جاگزیں نور، اور منافق کے دل میں سمائی ہوئی ظلمت کا بیان ہے تاکہ اخلاص و نفاق، مخلص و منافق کا فرق واضح سے واضح تر ہو جائے اور ہر صاحبِ عقلِ سلیم پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے اہلِ ایمان سے فرمائے ہیں، وہ صرف انہیں کے حصے میں آتے ہیں جو صمیمِ قلب سے ایمان لائیں، اور پھر اس ایمان کے تقاضے پورے کریں، اور شریعتِ مطہرہ کو اپنے ظاہر و باطن کا رہبر بنائیں۔ یہ وعدے اُن بد نصیبوں اور کور بختوں کے لیے نہیں جو طوطے کی طرح محض زبان سے کلمۂ اسلام پڑھ کر مسلمانوں کی مردم شماری میں شامل ہو جائیں اور ان کے دلوں میں ایمان و تصدیق، اتقان و تحقیق کا کوئی شائبہ بھی موجود نہ ہو ؎

ذِیَابٌ فِی ثِیَابٍ، لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلامٌ اسلامِ ملحد کو، کہ تسلیم زبانی ہے

مقصود کلام یہ ہے کہ جنہیں بد بختی نے آن گھیرا ہے، وہ متنبہ ہوں اور نفاق کی اندھیریوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آئیں۔ اور دوم یہ ہے کہ جنہیں یہ دولتِ لازوال بفضلہٖ تعالیٰ حاصل ہے، وہ اس کی حفاظت سے غافل نہ رہیں۔ اور جب طاعتِ الٰہی اور شریعتِ مطہرہ کی اطاعت گزاری ہی اس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے تو اسی کی اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں کہ سب کچھ یہی ہے، سب کچھ اسی میں ہے۔ ۱۲

ف اس تمثیل کے معنی میں اہلِ علم کے کئی قول ہیں۔ ایک یہ کہ نور سے مراد ہدایت ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت غایتِ ظہور میں ہے اور عالمِ محسوسات میں اس کی تشبیہ ایسے روشن دان سے دی جا سکتی ہے جس میں صاف شفاف فانوس ہو۔ اُس فانوس میں ایسا چراغ ہو جو نہایت ہی بہتر اور مصفّٰی زیتون سے روشن ہو اور اس کی روشنی نہایت اعلیٰ و اجلیٰ ہو اور زیتون بھی وہ جو کسی حجاب سے محجوب نہ ہو نہ مشرق

میں ہو نہ مغرب میں۔ یعنی کسی طرف دھوپ کی روک نہیں۔ کھلے میدان میں کھڑا ہے۔ جس پر صبح وشام دونوں وقت دھوپ پڑتی ہے، اور تجربہ سے ثابت ہے کہ ایسے زیتون کا تیل اور بھی زیادہ لطیف اور صاف ہوتا ہے۔ غرض اس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدوں آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہو جائے گا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تمثیل نور سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "اس آیت کے معنی بیان کرو" انہوں نے فرمایا: "اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مثال بیان فرمائی ہے۔ اس میں مشکوٰۃ (روشن دان۔ طاق) سے مراد ہے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سینۂ اقدس۔ اور زُجَاجَۃ (فانوس) سے مراد ہے قلبِ انور، اور مصباح سے مراد نبوت ہے کہ شجرِ نبوت سے روشن ہے، اور اس نورِ محمدی کی روشنی اور اضاءت، اس درجۂ کمالِ ظہور پر ہے اور حضور کا نور اور حضور کی رفعتِ شان، لوگوں کے سامنے خود بخود اس مرتبۂ ظہور پر ہے کہ اگر آپ اپنی نبوت کا بیان نہ بھی فرماتے، جب بھی خلق پر آپ کا نبی ہونا ظاہر ہو جاتا جیسا کہ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رفعتِ شان اعلانِ نبوت سے پہلے ہی ظاہر تھی۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ روشن دان تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سینۂ مبارک ہے، اور فانوس قلبِ اطہر، اور چراغ وہ نور جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا کہ نہ شرقی ہے نہ غربی، نہ یہودی نہ نصرانی۔ ایک شجرۂ مبارکہ سے روشن ہے، وہ شجر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ نورِ قلبِ ابراہیم پر نورِ محمدی، نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ، نور پر نور ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ ۱۲۰

ف۹ مطلب یہ ہے کہ ایک تو اس میں خود قابلیت، نور کی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ پھر ادھر سے فاعل یعنی نار کے ساتھ اجتماع ہو گیا اور پھر اجتماع بھی ان کیفیات کے ساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو جس سے بالمشاہدہ چمک بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ ایسے طاق میں رکھا ہو جو ایک طرف کھلا اور تین طرف سے بند ہے۔ ایسے موقع پر روشنی کی شعاعیں ایک جگہ تیز ہو کر بہت تیز روشنی دیتی ہیں اور پھر تیل بھی زیتون کا جو اپنی صفا و صفتِ تنویر میں مشہور ہے، تو اس قدر روشنی ہو گئی کہ جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہو گئی ہوں اور ہر طرف نور ہی بکھرا ہو۔ اسی کو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ فرمایا۔

اور پہلی توجیہ کے اعتبار سے جسے عام مفسرین کرام نے اختیار و بیان فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ مومن کا شیشۂ قلب نہایت صاف شفاف اور خدائے قدوس کے فضل اور اس کی توفیق سے اس میں قبولِ حق کی ایسی تعداد پائی جاتی ہے کہ بدون دیا سلائی دکھاتے ہی جل اٹھنے کو تیار ہوتا ہے۔ اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی و قرآن کی حرارتِ معنوی نے اسے مَس کیا، فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔

یا یوں کہا جائے کہ مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نورِ ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اس کا انشراح اور جوہرِ قابلِ قبولِ حق کے لیے بڑھتا جاتا ہے اور ہر وقت وحیِ ربانی اور احکامِ شرع کی تعمیل کے لیے مستعد و تیار رہتا ہے۔ اور جب اس کو نورِ علم حاصل ہو جاتا ہے تو نورِ عمل سے (یعنی عزم علی العمل، تعمیلِ ارشادِ باری تعالیٰ کے شوق کے ساتھ جو ایک حالِ رفیع ہے) نورِ علم بھی منظم ہو جاتا ہے جسے وہ فوراً قبول کرتا ہے اور یوں علم و عمل کی روشنیاں مجتمع ہو کر نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا اسے مصداق بنا دیتی ہیں اور اس کے فیوض و برکات تمام کائنات پر عام و شامل اور جاری و ساری ہو جاتے ہیں۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ ۱۲

ف۱۰ یعنی انسان کو محض اپنے علم و عمل اور اپنی سعی و کوشش سے نورِ ہدایت و معرفت تک رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے کہ بندوں

کو اپنے قانونِ تکوینی کے ماتحت منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور یہ بھی اس ربِ کریم کی کرم نوازی ہے کہ وہ ان حقائق و معارف کو محسوس مثالوں کے ذریعہ آسان اور قریب الفہم بنا دیتا ہے، تاکہ ہم بآسانی اسے سمجھ جائیں، ورنہ انہیں سمجھنا عقلِ انسانی کے بس کا روگ نہیں۔ ۱۲

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

ان گھروں میں جنہیں[۸۱] بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان[۸۲] میں اس کا نام لیا جاتا ہے، اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، ان میں صبح و شام۔ وہ مرد[۸۳] جنہیں غافل نہیں کرتا، کوئی سودا، اور نہ خرید و فروخت، اللہ کی یاد اور نماز برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے، ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ[۸۴] جائیں گے دل اور آنکھیں، تاکہ اللہ انہیں بدلہ[۸۵] دے، ان کے سب سے بہتر کام کا، اور اپنے فضل سے انہیں انعام زیادہ دے اور اللہ روزی دیتا ہے جسے چاہے بے گنتی۔ (۳۶، ۳۷، ۳۸)

تشریح الالفاظ

فِیْ۔ میں بُیُوْتٍ جمع ہے بَیْت کی بمعنی گھر۔ یہاں گھروں سے مراد ہیں مسجدیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "مسجدیں بیت اللہ ہیں زمین میں"۔ اَذِنَ اللّٰہُ۔ اللہ نے اجازت دی، یعنی حکم دیا۔ اَنْ تُرْفَعَ۔ اس کا کہ انہیں بلند کیا جائے۔ اَنْ مصدریہ ہے جس نے مضارع کو معنی مصدری میں ڈھال دیا، یعنی بلند کرنا۔ یعنی حسی و معنوی حیثیت سے ان کی تعظیم بجالانا۔ وَیُذْکَرَ۔ ذکر کیا جائے۔ فِیْھَا، ان گھروں میں۔ اِسْمُہٗ اس کا نام۔ یُسَبِّحُ، تسبیح کرتے ہیں۔ تسبیح سے مراد نمازیں ہیں۔ صبح کی تسبیح سے، فجر اور شام کی تسبیح سے، ظہر و عصر اور مغرب و عشاء مراد ہیں۔ اَلْغُدُوِّ، صبح، یعنی زوالِ آفتاب سے پہلے کا وقت۔ اَلْاٰصَالِ شام۔ یعنی زوالِ آفتاب کے بعد کا وقت۔ عربی میں ان دونوں الفاظ کے یکجا استعمال سے عموماً وہی معنی مراد ہوتے ہیں، جو اُردو میں صبح و شام سے مراد لیے جاتے ہیں یعنی دوام و ہمیشگی۔ رِجَالٌ، جمع ہے رَجُلٌ کی بمعنی مرد۔ یا عام لوگ، جن میں تبعاً عورتیں بھی داخل ہوسکتی ہیں۔ لَاتُلْھِیْھِمْ، انہیں غفلت میں نہیں ڈالتی۔ غافل نہیں بناتی۔ اِلْھَاءٌ اس کا مصدر ہے اور لَھْیَان اور لَھْوٌ اس کا مادہ۔ تِجَارَۃٌ، سوداگری۔ بَیْعٌ، خرید و فروخت۔ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ، اللہ کے ذکر سے۔ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ، نماز برپا کرنا۔ اور یہاں مراد اس سے صرف نماز پڑھ لینا نہیں، بلکہ اس پر مداومت کرنا اور ٹھیک وقت پر پابندی کے ساتھ اس کے پورے پورے ارکان ادا کرنا اور ٹھیک وقت پر فرائض و واجبات سنن و مستحبات کی رعایت سے پڑھنا۔ ان میں سے کسی میں بھی کوئی خلل نہ آنے دینا اور مفسدات و مکروہات سے اس کو بچانا۔ غرض نماز کے حقوق اچھی طرح ادا کرنا ہیں۔ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ۔ زکوٰۃ ادا کرنا اور اس کی پوری پوری ادائیگی میں بحکم شریعتِ مطہرہ کوشاں رہنا اور ایسے

مصرف میں صرف کرنا اور باقی پائی پائی رتی رتی خوش دلی اور کشادہ رُوئی سے راہ مولیٰ میں خرچ کرنا۔ یَخَافُوْنَ ڈرتے ہیں، خوف کھاتے ہیں۔ یَوْمًا اس دن کا اس دن سے۔ تَتَقَلَّبُ، الٹ جائیں گے، اس کا مصدر تَقَلُّبٌ ہے، بمعنی رُخ کا تبدیل کرلینا، مڑجانا اور مادہ قلب ہے۔ فِیْهِ، اس دن میں۔ اَلْاَبْصَارُ، نگاہیں۔ آنکھیں۔ اَلْبَصَرُ، اس کا مفرد ہے اَلْبَاصِرَۃ، آنکھ کو کہتے ہیں، جبکہ بَصِیْرَتْ، عقل وزیرکی، اور فراست کو کہا جاتا ہے۔ لِیَجْزِیَهُمْ، تاکہ انہیں بدلہ دے۔ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا، ان کے لیے سب سے بہتر عمل۔ وَیَزِیْدَهُمْ، اور بھی زیادہ دے (بطور انعام واکرام کے) مِنْ فَضْلِهٖ، اپنے فضل سے۔ یَرْزُقُ، روزی دیتا ہے۔ مَنْ یَّشَآءُ جسے چاہے بِغَیْرِ حِسَابٍ بے شمار، بے گنتی۔

مطالبُ مباحث

ابھی اوپر ارشاد فرمایا تھا "اللہ تعالیٰ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے" یَهْدِی اللّٰهُ الآیۃ ان آیاتِ کریمہ میں ان خوش نصیب بندگانِ حق کے چند ظاہری اوصاف اور باطنی احوال بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ یہی ظاہری و باطنی اوصاف و احوال اس نورِ مطلق کی ہدایت اور نورِ معرفت سے مالامال ہونے کا باعث ہیں کہ ان کا اجتماع، بندوں کے بہرہ مند اور فیض یاب ہونے پر ایک روشن و واضح دلیل ہے۔ اور موقوف ہے یہ سب کچھ فضلِ الٰہی پر۔ تو ایک بندہ کامل ہی اس نورِ حقیقت کا آئینہ ہے اور اسی کے قلب روشن میں، انوارِ الٰہی کا چراغ روشن ہے۔ اسی چراغ کی روشنی سے کائنات روشن ہے اور اسی روشنی میں کائنات کا نور ہے۔

قُلُوْبُ الْاَبْرَارِ مَسَاجِدُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ

ف ۸۱ رَفَعَ کے لفظی معنی ہیں بلند کرنا، لیکن بلندی ہمیشہ مادی ہی نہیں ہوتی کہ

عمارتِ مسجد کو بلند سے بلند تر کر دیا جائے، بلکہ معنوی بھی ہوتی ہے اور مسجدوں کی معنوی بلندی یہی ہے کہ مسجدوں کی تعظیم و تکریم اور ان کی تقدیس و تطہیر کا خیال و اہتمامِ خاص رکھا جائے کہ ہمیشہ صاف ستھری رہیں کہ کوڑے کرکٹ نام کی کوئی چیز ان میں نہ چھوڑی جائے۔ دیواروں اور فرش و فروش کو بدنمائی سے بچایا جائے اور ہمیشہ ہر آن اس کے آداب ملحوظ رکھے جائیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، "مجھ پر میری امت کے اعمال اچھے اور بُرے سب پیش کیے گئے۔ نیک کاموں میں اذیت کی چیز کا راستہ سے دُور کرنا پایا اور بُرے اعمال میں مسجد میں تھوک کہ زائل نہ کیا گیا ہو (مُسلم شریف)

ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "مجھ پر میری امت کے ثواب (کے کام) پیش کیے گئے، یہاں تک کہ تنکا جو مسجد سے کوئی باہر کر دے۔"

اور ابن ماجہ کی ایک اور روایت میں ہے "جو مسجد سے اذیت کی چیز نکالے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک گھر جنت میں بنائے گا۔"

اسی لیے ایسا اکل و شرب (کھانا پینا) جس سے مسجد ملوث ہو، مطلقاً ناجائز ہے، اگرچہ کھانے پینے والا بحالتِ اعتکاف مسجد میں مقیم ہو۔ رمضان المبارک میں، خصوصاً گرمیوں میں، خصوصاً نمازِ ظہر کے بعد لوگ بلا تامل مسجدوں میں جا پڑتے ہیں، ظاہر ہے کہ مسجدیں سونے، کھانے پینے کو نہیں بنیں۔ تو غیر معتکف کو ان میں ان افعال کی اجازت نہیں ہے۔ اور بلاشبہ اگر ان افعال کا دروازہ کھولا جائے، تو زمانہ فاسد ہے اور قلوب ادب و ہیبت سے عاری ہیں تو مسجدیں چوپال ہو جائیں گی اور ان کی بے حرمتی ہوگی۔ ۱۲

تنبیہ جلیل

مساجد میں زینتِ ظاہری، زمانۂ سلف صالحین میں فضول و ناپسند تھی کہ خود ان کے قلوب تعظیم شعائر اللہ سے مملو تھے، اور دین الٰہی کے اعلام یعنی علامتیں اور نشانیاں ان کی ایمانی نگاہوں میں بڑی عظمت و رفعت کا مقام رکھتی تھیں، اگرچہ ان میں ظاہری شوکت نمایاں نہ ہو۔ اسی لیے مساجد پر فخر و مفاخرت کو اشراطِ ساعت (علامات قیامت) سے شمار فرمایا، مگر جب حالات میں نمایاں تغیرات رونما ہوئے تو تبدّل زمان کو بنیاد بنا کر علمائے اسلام نے تزئینِ مساجد اور مسجدوں کی ظاہری زیب و زینت اور آرائش کی اجازت دی کہ اب ظاہری شان و شوکت بھی مورث و موجب ہے نگاہوں میں عظمت اور دلوں میں وقعت کی، مگر اب بھی حکم ہے کہ دیوارِ قبلہ کو عموماً اور محراب کو خصوصاً ایسی آرائش سے بچایا جائے جو نمازی کی توجہ ہٹائے اور اس کا دل اس میں مشغول نہ کردے۔ اور ظاہر ہے کہ رہائشی مکانات جب ایسے خوشنما اور نظر فریب، عالی شان و دیدہ زیب ہوں اور مسجدیں نہایت درجہ سادہ اور ہر قسم کی عظمتِ شان و آرائش و زیبائش سے محروم، تو غیروں کی نگاہوں میں مساجد اللہ کی کیا عظمت آئے گی اور ان کے دلوں میں وہ وقعت کس طرح پیدا ہوگی جس کی وہ مسجدیں مستحق ہیں، خصوصاً جبکہ غیروں کے مندر، گرجے، کلیسے اور عبادت گھر، اس شان و شوکت کے ہوں کہ باید و شاید ۱۲ (فتاوی رضویہ ملتقطاً)

ف ۸۲ ذکرِ الٰہی کے تین طریقے ہیں ۱ صرف زبان ذکر میں مصروف ہو، یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ ۲ صرف دل، ذکر میں مشغول ہو۔ یہ متوسط درجہ ہے۔ ۳ دل اور زبان دونوں ذاکر ہوں۔ یہ درجہ اعلیٰ ہے۔

اقسامِ ذکر بھی تین ہیں ۱ اسماء و صفات اور ان کے معانی کا ذکر۔ ثنائے ربانی، اور توحید الٰہی۔ ۲ امر و نہی، حلال و حرام کا ذکر۔ ۳ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام، احسان اور

عطیات کا ذکر، اس کی بے پایاں نعمتوں کا بیان۔
مراتبِ ذکر بھی تین ہیں: ۱۔ وہ ذکر جو غفلت و نسیان کو اڑا دیتا ہے۔ ۲۔ وہ ذکر جو قیود سے چھڑا کر بقائے شہود تک پہنچا دیتا ہے۔ ۳۔ وہ ذکر جو انسان کو اپنی یاد سے فراموش کر کے، ذکرِ حقانی ہی کے ساتھ وابستہ و زندہ کر دیتا ہے۔
مبارک ہے وہ انسان جسے ذکرِ ربانی نے اپنا گرویدہ و فریفتہ بنا لیا ہے۔
مبارک ہے وہ صاحبِ ایمان جس نے فنائے عالم کا سبق بقائے ربِ العالم سے سیکھ لیا ہے۔
یاد رکھنا چاہیے کہ ذکر ہی اہلِ ایمان کا زادِ راہ ہے جسے لے کر وہ سفر کرتے ہیں۔
ذکر ہی وہ منشور ہے جس کی بدولت وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔
ذکر ہی دلوں کی زندگی ہے، جس کے بغیر اجسام بمنزلہ گور رہ جاتے ہیں۔
ذکر ہی وہ ہتھیار ہے جس سے رہزنوں اور دشمنوں کو ہٹایا جاتا ہے۔
ذکر ہی وہ پانی ہے جس سے دل کی آگ بجھائی جاتی ہے۔
ذکر ہی وہ دوا ہے جس سے باطن کا روگ دور کیا جاتا ہے۔
الٰہی ہمیں اپنے ذاکرین کے زمرے میں داخل فرما اور انہیں میں حشر برپا ہو اور انہیں میں اٹھا۔ آمین!

ف ۸۳ یہاں سے تشریح ہے، اُن چند اوصاف کی۔ جو صاحبِ ایمان مسلمان کو بارگاہِ الٰہی کا مقرب اور اسے خاص بندگانِ حق آگاہ بناتے ہیں۔ چنانچہ بیان فرمایا کہ یہ وہ بندے ہیں جو:
(۱) ذکر و طاعت میں نہایت مستعد اور عبادت کی ادا میں سرگرم رہتے ہیں۔
(۲) احکامِ الٰہی کی بجا آوری میں غفلت و کوتاہی نہیں برتتے۔
(۳) خرید و فروخت اور دُنیاوی معاملات میں مصروفیت و مشغولیت کے باوجود

ان کے دل یادِ الٰہی میں اٹکے رہتے ہیں۔

(۴) حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادا میں تساہل سے کام نہیں لیتے۔

(۵) اپنے حسنِ عمل کے باوجود ان کے کمالِ خشیت اور تقویٰ کا عالم یہ ہے کہ پابندی احکام کے باوجود، ہر وقت روزِ جزا سے ڈرتے رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہ ہو سکا، مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندگانِ حق وہ ہیں کہ ساری مصروفیتوں کے باوجود ان کے دل میں اپنے خدا کی یاد بسی رہتی ہے، اور وہ عملاً ان بلند درجات کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں، جن کی طرف ان کا مالک و مولیٰ رہنمائی فرمائے۔ ان پر چند روزہ زندگی کی تمام آسائشوں کی طلب کا الزام محض بہتان ہے، وہ دنیاوی فائدوں پر نہیں مرتے، بلکہ ان کی نگاہیں اُخروی اور ابدی زندگی پر لگی رہتی ہیں، اور اسی حیاتِ اخروی کی خاطر وہ اپنی زندگی اور دنیاوی عیش و آرام داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ ۱۲

ف۸۴ دلوں کا الٹ جانا یہ ہے کہ شدتِ خوف و اضطراب سے الٹ کر گلے تک چڑھ جائیں گے۔ نہ باہر نکلیں نہ نیچے اتریں، اور آنکھیں اُوپر چڑھ جائیں گی۔ حیرت و استعجاب کے مارے کہ دیکھیں نجات میسر آتی ہے یا ہلاکت۔ یا یہ معنی ہیں کہ کفار کے دل کفر و شرک سے ایمان و یقین کی طرف پلٹ جائیں گے اور ان کی آنکھوں سے پردے اٹھ جائیں گے، اس روز انہیں کامل یقین آ جائے گا کہ قیامت برحق ہے اور کفر و طغیان کی سزا جہنم و عذابِ نار۔ یہ بیان ہے حشر کی ہولناکیوں اور دہشتوں کا کہ بڑے بڑے دہشتناک قوی الجثہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں گے۔ شدتِ خوف سے دل کانپ کانپ کر رہ جائیں گے اور رہ رہ کر گھبرائیں گے، آنکھیں اٹھیں گی، لیکن ہولناک منظر دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور دل ڈر کے مارے گلے میں اٹک جائیں گے، تو آنکھیں خوف کے مارے پلک نہ جھپکا سکیں گی۔ ۱۲

ف۵ یعنی بندگانِ حق جو کچھ کرتے ہیں، وہ اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے اور محض اپنی رحمت و رأفت سے ان اعمال کی بہتر سے بہتر جزا دے۔ ان کی توقع کے عین مطابق ربِ کریم وعدہ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال پر انہیں جزائے خیر بھی عطا فرمائے گا اور اپنے فضل وکرم کے غیر متناہی خزانوں سے انہیں وہ نعمتیں بھی بخشے گا، جن کا نہ کوئی حساب ہے نہ شمار، بلکہ وہ ایسی نعمتیں ہیں جن کا تصور، بادشاہِ ہفت اقلیم بھی نہیں کرسکتا۔ مولائے کریم اپنے بندگانِ خاص کے طفیل ہمیں بھی ان نعمتوں سے نوازے۔ آمین! ۱۲

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَاؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

ع ۱۱

اور جو کافر ہوئے ان کے کام ایسے ہیں جیسے دھوپ میں چمکتا ریتا
کسی جنگل میں کہ پیاسا اسے پانی سمجھے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس
آیا، تو اسے کچھ نہ پایا، اور اللہ کو اپنے قریب پایا، تو اس نے حساب پورا بھر دیا۔
اور اللہ جلد حساب کر لیتا ہے۔ یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈے کے دریا میں؛
اس کے اوپر موج، موج کے اوپر موج، اس کے اوپر بادل۔ اندھیرے
ہیں ایک پر ایک۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو سوجھائی دیتا معلوم نہ ہو۔
اور جسے اللہ نور نہ دے، اس کے لیے کہیں نور نہیں۔ (۳۹، ۴۰)

تشریح الالفاظ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اور جو لوگ کافر ہوئے، جنہوں نے اسلام کے مقابل کفر کو
اختیار کیا۔ حالتِ کفر پر اپنی سرکشی کے باعث جمے رہے۔ اَعْمَالُهُمْ ان کے اعمال؛
جو ان کی نگاہوں میں کارِ خیر اور باوقعت تھے۔ اَعْمَال کی جمع عَمَل کی، بمعنی کام۔ كَ
برائے تشبیہ۔ سَرَابٌ۔ دھوپ میں ریگستان کا چمکتا ہوا ریت۔ بِ بمعنی فِيْ یعنی میں۔
قِيْعَةٍ جمع ہے قَاعٌ کی۔ چٹیل میدان۔ بے آب و گیاہ جنگل۔ يَحْسَبُهُ، وہ اسے
سمجھتا ہے، اس کے ظن و گمان میں آتا ہے۔ مَاءً پانی۔ اَلظَّمْاٰنُ پیاسا۔
پیاس سے نڈھال۔ حَتّٰى یہاں تک۔ اِذَا، جب جَاءَهُ، اس کے پاس آیا۔
لَمْ يَجِدْهُ اسے نہ پایا۔ شَيْئًا کچھ بھی۔ وَوَجَدَ اللّٰهَ اور اللہ کو پایا۔ عِنْدَهُ۔
اپنے قریب یا اپنے عمل کے قریب۔ فَوَفّٰهُ، تو اس نے پورا چکا دیا، اس کے عمل کا
بھرپور صلہ دے دیا۔ حِسَابَهُ، اس کا حساب۔ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔
اللہ جلد حساب کر لیتا ہے۔ یعنی ان بندوں کے اعمال پر جزا دنیا ہی میں عطا فرما دیتا ہے۔

کَظُلُمٰتٍ: اندھیروں جیسے ظُلُمٰت جمع ہے ظُلْمَۃ کی یعنی تاریکی۔ اندھیرا۔ بَحْرٍ، سمندر۔ لُّجِّيٍّ، عمیق گہرا۔ یَّغْشٰهُ، ڈھانپ لیا اُسے۔ مَوْجٌ، لہر مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ، اس لہر پر ایک اور لہر۔ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ، اس کے اوپر بادل۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔ اندھیرے ہیں ایک پر ایک۔ اوپر تلے۔ اَخْرَجَ، جب کوئی نکالے۔ يَدَهٗ۔ اپنا ہاتھ۔ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا، سوجھائی دیتا معلوم نہ ہو۔ لگتا نہیں کہ نظر آجائے۔ لم یجعل اللہُ، اللہ نہ دے۔ فَمَا لَهٗ تو نہیں ہے اس کیلئے۔ مِنْ نُّوْرٍ، نور کا کوئی حصہ۔ کہیں سے کوئی نور۔

مطالب و مباحث

کافر دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو اپنے زعم و عقیدے کے مطابق کچھ اچھے کام، خیر خیرات کرتے مثلاً سرائے، مسافر خانے بناتے و سبیلیں لگاتے، رفاہِ عامہ سے متعلق اور دوسرے کارِ خیر عمل میں لاتے اور انہیں یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ نیکیاں بعد مرگ مرے پیچھے ان کے کام آئیں گی، حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر نیک انجام بھی معلوم ہو تو کفر و شرک کی شامت سے وہ عند اللہ مقبول و معتبر نہیں کہ تمام اعمالِ خیر کی اصل ایمان ہے جو ان کافروں کو مرتے دم تک نصیب نہ ہوا اور ساری عمر دولت اتباعِ حق سے محروم رہے۔

دوسرے وہ ہیں جو سرتاپا دُنیاوی آلائشوں سے مُلَوَّث، دنیاوی آسائشوں میں گرفتار، دُنیاوی لذتوں کے پرستار، اور سر سے لے کر پیر تک مادی آلائشوں میں غرقاب رہتے ہیں۔ نہ ایمان کی دولت انہیں نصیب کہ راہِ راست پر آجائیں اور خدا سے لو لگائیں، نہ یومِ آخرت کے قائل کہ اپنی سرکشی و طغیان پر شرمائیں اور خوفِ آخرت کھا کر نافرمانی و عصیان سے باز آئیں۔ جہل و کفر اور ظلم و معصیت کی اندھیریوں میں

پڑے غوطے کھا رہے ہیں۔ نیکی نام کی کوئی چیز ان کے سرمایۂ حیات میں نہیں اور خیر خیرات کا کوئی سراغ ان کی دولتِ زیست میں نہیں۔ ساری زندگی اندھیروں میں گزاری اور تمام عمر انہیں گمراہیوں میں برباد کی۔ آنے والی دونوں تشبیہیں دونوں کے حق میں ارشاد ہوئی ہیں۔ ۱۲

ف ۸۶ یہ مثال ان کافروں منکروں کی ہے جو اپنے اپنے باطل مذہب پر قائم ہیں، اپنے زعم میں عمر بھر اعمالِ صالحہ میں لگے رہے، نیکیاں کرتے رہے اور ساری عمر یہ سمجھتے رہے کہ یہ نیکیاں اس کے کام آئیں گی، اور مرنے کے بعد وہ اس کا ثواب پائے گا اور ایمان و طاعت و اتباعِ رسول کے بغیر یہ اعمالِ حسنہ بعد مرگ اس کے حق میں نفع بخش اور مفید ہوں گے۔ مثال کے پیرائے میں انہیں بتایا گیا کہ تم اپنے جن ظاہری و نمائشی اعمال پر پھول رہے ہو، اور آخرت میں ان سے فائدے کی امید رکھتے ہو۔ ان کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں کہ ایک پیاسا جو پیاس سے تڑپ رہا ہے، ریگستان یا کسی چٹیل میدان میں، دھوپ سے چمکتی ہوئی ریت کو دور سے دیکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ پانی کا ایک تالاب موجیں مار رہا ہے اور اپنے اس گمان کے پیچھے لگ کر منہ اٹھائے ادھر دوڑتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائے اور اپنی پیاس بجھائے، لیکن جب وہاں پہنچتا ہے، تو وہاں پانی کا نام و نشان بھی نہیں پاتا اور پیاس میں تڑپ تڑپ کر بےکسی کی موت مر جاتا ہے۔

اسی طرح یہ بدنصیب جب عرصاتِ قیامت میں پہنچے گا اور اپنے ان اعمالِ خیر پر ثواب و جزائے خیر کا امیدوار ہوگا اور اپنے کفر و نفاق کے باعث، وہاں کوئی ثواب، کوئی جزائے خیر، کوئی نیک صلہ نہ پائے گا اور اس کی دل خوش کن امیدیں کچھ بھی کام نہ دیں گی، تو غایتِ تحسر اور انتہائے حسرت و اندوہ کا شکار ہو کر قعرِ ذلت میں گر جائے گا۔ اور اس کا غم و اندوہ اس پیاسے سے کہیں زیادہ ہوگا جو ریگستان کے سراب پر جا کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اس کی ساری امیدیں جو سراب سے وابستہ تھیں خاک میں مل گئیں۔"

ف۸۶ یہ مثال ان کافروں کی ہے جو سرے سے ملحد یا لامذہب ہیں اور اپنی عمر کا ایک ایک لمحہ قطعی اور آخرت سے کامل جہالت کی حالت میں بسر کر رہے ہیں اور جنہیں کوئی وہمی سہارا بھی آخرت کا حاصل نہیں۔ آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مکمل تہ بہ تہ تاریکیوں میں گم گیا ہو، ایسی جگہ پھنس گیا ہو جہاں مکمل تاریکی ہو۔ روشنی کی ایک کرن تک نہ پہنچ سکتی ہو اور باوجودیکہ ہاتھ نہایت ہی قریب اور اپنے جسم کا جزو ہے، وہ بھی نہ سوجھائی دے، تو اور دوسری چیز کیا نظر آنے گی۔

چنانچہ یہ ملحد بھی اپنے اعراض کے باعث ایسی تاریکیوں میں گرے اور پڑے رہ گئے ہیں کہ اب ان کا کوئی سہارا نہیں، بلکہ ان کے پاس تو روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں، جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والوں کو نظر آتی تھی۔ گھٹا ٹوپ اندھیریاں، اس کا مقدر ہیں اور انہیں میں گھٹ گھٹ کر مرجانا اس کا نصیب۔ ۱۲

ف۸۸ یعنی سمندر کی تہ میں اس کی گہرائی کا اندھیرا۔

اس پر ایک اور اندھیرا، طوفانی لہروں کا جو ایک پر ایک چڑھی آتی ہیں۔

اس پر ایک اور اندھیرا، بادلوں کی گھری ہوئی گھٹاؤں کا۔ قعر سمندر کی تاریکیاں خود ہی معاذ اللہ کیا کم ہیں؟

پھر سطحِ سمندر پر موج در موج۔

پھر اس پر چھائی ہوئی کالی گھٹائیں۔ غرض کیسا کچھ اندھیرا گھپ۔ ۱۲

ف۸۹ یعنی راہ یاب وہی ہوتا اور منزلِ مقصود وہی پاتا ہے جس کو وہی راہ دے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت سے محروم رہتے ہیں، جو خود ہی حصولِ ہدایت کا قصد نہیں کرتے۔ بندوں کو چاہیے کہ حصولِ ہدایت کا قصد اپنی طرف سے کریں اور اتباعِ احکامِ الٰہی کو اپنا نصب العین بنائیں، تو رب کریم اپنے وعدۂ کریمہ کے موافق انہیں ضرور نورِ ہدایت سے سرفراز فرمائے گا۔ ۱۲

احکام و فوائد کا خلاصہ

سورۂ کریمہ کے پانچویں رکوع سے جو فوائد و احکام حاصل ہوئے ان کا خُلاصہ یہ ہے:۔

(۱) اللہ عزوجل نورِ حقیقی ہے، بلکہ حقیقۃً وہی نور ہے۔

(۲) مجازاً نور کا لفظ علم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جبکہ جہل کو ظلمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) تمام کائنات کو اللہ تعالیٰ ہی کے نورِ وجود اور اسی کے فیضانِ نور سے وجود ملا ہے۔

(۴) زیتون ایک نہایت کثیر البرکت درخت ہے اور اس کا تیل اپنے فوائد و لطافت و صفائی کے لیے مشہور ہے۔

(۵) مثالیں بیان کی جاتی ہیں کہ ان کے ذریعے عقل و فہم میں نہ آنے والی باتیں قریب الفہم ہو جائیں، اور لوگ ان کی بدولت بیش از بیش فوائد حاصل کر سکیں۔

(۶) ایمان کی روشنی جب قلبِ مومن میں جگہ پاتی ہے تو کائنات اس پر روشن ہو جاتی ہے۔

(۷) شریعتِ مطہرہ ظاہر و باطن، ہر دو احوال میں رہنمائی فرماتی ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ جب قلبِ مومن میں نورِ ہدایت ڈالتا ہے، تو روز بروز اس کا جوہرِ قابل قبولِ حق کے لیے بڑھتا جاتا ہے اور احکامِ شرع کی تعمیل کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتا ہے۔

(۹) محض اپنے علم و عمل کی بدولت نورِ ہدایت و معرفت تک رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ یہ دولت وہبی ایک دولت ہے اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ۔

(۱۰) مسجدوں کی تعظیم و تکریم کا خاص اہتمام رکھنا چاہیے اور اس کا احترام ہمیشہ مدِ نظر۔

(۱۱) ذکرِ الٰہی کے طریقے، اقسام اور مراتبِ ذکر۔

(۱۲) بندگانِ حق آگاہ اور مقربانِ بارگاہ کے چند اوصاف۔

(۱۳) حشر کی ہولناکیاں اور دہشتیں۔
(۱۴) محبوبانِ حق کے لیے بے حساب نعمتوں کا قدرے بیان۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

کیا[۴۱] تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، اور پرندے پر پھیلائے۔ سب[۴۱] نے جان رکھی ہے کہ اپنی نماز اور اپنی تسبیح۔ اور اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے[۴۲]۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ ہی کی طرف پھر جانا ہے۔

تشریح الالفاظ

اَلَمْ تَرَ، کیا تم نے نہ دیکھا، کیا تمہیں معلوم نہیں۔ یُسَبِّحُ، تسبیح کرتا ہے۔ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اَلطَّیْرُ، پرندے، یہ جمع ہے طائر کی۔ صٰٓفّٰتٍ، پر پھیلائے ہوئے۔ یہ جمع ہے صافۃ کی۔ کُلٌّ، ہر ایک، سب۔ عَلِمَ، جانا، اس نے۔ صَلَاتَهٗ، اپنی نماز جیسی کہ اس پر لازم ہے۔

تَسْبِیْحَہٗ اپنی تسبیح، جیساکہ اسے القا کی گئی۔ مُلْکُ سلطنت۔ اِلَی اللّٰہِ۔ اللہ ہی کی طرف۔ اَلْمَصِیْرُ پھر کر جانا، واپسی۔

مطالبُ مباحث

ابھی اوپر گزرا کہ قلبِ مومن جب انوارِ الٰہی سے مزین ہو جاتا ہے، تو اس کی تنویر اور فیض رسانی کا عالم کیا ہوتا ہے اور وہ خود کن اوصاف کا حامل اور کون کونسی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ایک مردِ کامل ہی نورِ حقیقت کا پرتو اور آئینہ ہے کہ اسے دیکھ کر خدا تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح یہ کامل الاوصاف بندے، قندیلِ معرفت ہیں اور ان کی بدولت، دولتِ عرفان نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح آدمی اپنے ہوش و حواس میں رہے اور اپنی عقل و خرد کو کام میں لائے تو بلندی و پستی کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی شانِ یکتائی پر شاہدِ عدل بن کر اس کے سامنے نمودار ہو۔ اور خود اس پر اپنی حقیقت، اپنی معرفت اور اپنی تخلیق کا منشا واضح ہو جائے اور وہ اطاعت الٰہی کے لیے ہر لحہ کمربستہ بلکہ ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہے۔ انسان کو تو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ربِ قدوس کی اطاعت و عبادت اور تسبیح و تقدیس میں مصروف رہے اور ایک انسان ہی پر کیا موقوف ہے۔ اس معبودِ برحق نے کائنات کی ہر شے کو اپنی تسبیح و تقدیس کا طریقہ الہام فرما دیا ہے۔ سب اپنے اپنے انداز، اپنی اپنی زبان اور اپنے اپنے مخصوص طریقوں پر اس کی یاد میں مصروف ہیں۔ پھر انسان کہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے، اسے یہ بات کب زیب دیتی ہے کہ وہ اپنا سرمایۂ حیات غفلت و نسیان کے ہاتھوں بربادی و تباہی کے لیے چھوڑ دے۔ ۱۲

ف۹۰ مخاطب اس قولِ مبارک کے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ہو سکتے ہیں، جنہیں ان کے ربِ علیم و خبیر نے وہ علم عطا فرمایا جو یقین و ایقان میں

قائم مقام مینی مشاہدہ کے ہے اور کائناتِ ارضی وسماوی میں ایسی کون سی چیز ہے
جس کی انہیں خبر نہ ہو۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ خطاب عام سننے والے سے ہے
اور مقصودِ کلام کافروں مشرکوں اور غفلت کے مارے عام لوگوں کو یہ تنبیہ فرمانا ہے
کہ کیا تجھ پر دلالتِ عقل اور مشاہدے سے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ کائنات کا ذرہ ذرہ
بارگاہِ الٰہی میں اپنے مخصوص انداز میں مصروفِ بندگی اور اس کی تسبیح میں مشغول ہے۔ پھر
تو کیوں حواس باختہ، اس کی بارگاہِ صمدیت سے منہ موڑ کر اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔
اپنی عقل وخرد کو کام میں لا اور اسی کی بارگاہ میں سرِ عبودیت جھکا، اسی میں تیری نجات
ہے اور یہی فلاح کی راہ۔ ۱۲

ف۹۱ رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے، تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ
وَمَنْ فِيْهِنَّ (الآیۃ) اس کی پاکی بولتے ہیں، ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان
میں ہیں (جمادات ونباتات وحیوانات) اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی
پاکی نہ بولے۔ ہاں تم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ یہ کلیۂ عامہ تمام اشیائے عالم کو شامل
ہے۔ ذی روح ہوں یا بے رُوح، کہ وہ اجسامِ محضہ بھی جن کے ساتھ کوئی رُوحِ نباتاتی
بھی قائم نہیں، وہ بھی دائم التسبیح ہیں کہ اِنْ مِنْ شَیْءٍ کے دائرے سے خارج نہیں،
مگر ان کی تسبیح بے منصبِ ولایت نہ مسموع ہے کہ سننے میں آئے، نہ مفہوم ہے کہ عقل
میں سمائے۔ اور وہ اجسام جن سے رُوحِ انسی یا ملکی یا جنی یا حیوانی یا نباتاتی متعلق
ہے، ان کی دو تسبیحیں ہیں، ایک تسبیحِ جسم کہ اس رُوحِ متعلق کے اختیاری نہیں۔
وہ اسی دن اِنْ مِّنْ شَیْءٍ کے عموم ہیں اس کی اپنی ذاتی تسبیح ہے۔

دوسری تسبیحِ رُوح، یہ ارادی واختیاری ہے اور برزخ میں ہر مسلمان کو مسموع
ومفہوم۔ اس تسبیح ارادی میں غفلت کی سزا حیوانات ونباتات کو قتل وقطع سے دی جاتی
ہے اور اس کے بعد جب جانور مرجاتے یا نباتات خشک ہوجاتے منقطع ہوجاتی ہے۔

ولہذا ائمۂ دین نے فرمایا: ترگھاس مقابر سے نہ اکھیڑیں کہ وہ جب تک تر ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، تو میت کا دل بہلتا ہے، مگر جسم حیوانی کی موت و قتل اور جسم نباتاتی کے قطع و یبس (خشک ہو جانے) کے بعد بھی وہ تسبیح کہ نفس جسم کی تھی جب تک اس کا ایک جزو لَا یَتَجَزّٰی باقی رہے گا، منقطع نہ ہوگی۔ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ کا محض روح سے تعلق نہ تھا کہ تعلق روح نہ رہنے سے منقطع ہو جائے (احکام شریعت وغیرہ

یاد رکھنا چاہیے کہ ہر مخلوق اپنے خالق کی الوہیت، شانِ ربوبیت، شانِ حاکمیت، اور شانِ قدوسیت کا اعلان اپنے مرتبۂ وجود کے متناسب و مطابق برابر کرتی رہتی ہے۔ خواہ زبانِ حال سے ہو کہ ان کے وجود، صانع کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور موجوداتِ عالم کا ذرہ ذرہ اپنے حدوث و امکان کی بنا پر صانع مطلق کے نہ صرف وجوب وجود کی، بلکہ اس کی یکتائی اور صناعی قدرت کی بھی شہادتیں دے رہا ہے۔ خواہ زبانِ حال سے، خواہ زبانِ قال سے اور یہی صحیح ہے۔ احادیثِ کثیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور سلف سے یہی منقول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ہر زندہ چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور ہر چیز کی بندگی اس کے حسب عادت ہے۔"

مفسرین کرام نے فرمایا ہے: "دروازہ کھولنے کی آواز اور چھت کا چٹخنا، یہ بھی تسبیح کرنا ہے اور ان سب کی تسبیح سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشتِ مبارک سے پانی کے چشمے جاری ہوتے ہم نے دیکھے اور یہ بھی ہم نے دیکھا کہ کھانا کھاتے وقت میں کھانا تسبیح کرتا تھا" (بخاری شریف)

حدیث شریف میں ہے "سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت کے زمانے میں مجھے سلام کیا کرتا تھا" (مسلم شریف)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے "رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
لکڑی کے ایک ستون سے تکیہ لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر بنایا گیا اور
حضور منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو وہ ستون رو دیا۔ حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم
نے اس پر دستِ کرم پھیرا اور شفقت فرمائی اور تسکین دی" (بخاری شریف)
ان تمام احادیثِ کریمہ سے جمادات کا کلام اور تسبیح کرنا ثابت ہوا (خزائن العرفان وغیرہ)
آیت میں لفظِ تسبیح اپنے عموم کے ساتھ تسبیح قالی اور حقیقی اور تسبیح حالی اور حکمی دونوں کو شامل ہے"

ف ۹۲ اور جب اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور ان کافروں کے احوال پر بھی مطلع ہے
جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھے ہوتے ہیں اور جنہوں نے اپنی عقلوں کو اندھا کر لیا ہے اور
ان کی سمجھ میں یہ دلالتِ حالی بھی نہیں آتی جو ہر مخلوق ہر وقت اپنے خالق و صانعِ عالم کی
قدوسیت و توحید اور حاکمیتِ اعلیٰ کے ثبوت میں پیش کر رہی ہے تو انہیں سمجھ رکھنا
چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو وقتِ موعودہ پر ضرور سزا دے گا اور وہ اپنی اس غفلت و اعراض
اور واضح دلالتوں کے باوجود انکار جیسے جرم پر سزا پانے سے بچ نہ سکیں گے اور نہ اس کی
گرفت سے کہیں بھاگ کر جا سکیں گے کہ آسمانوں پر بھی اسی کی حکومت و سلطنت ہے
اور زمینوں پر اس کی حکمرانی و بادشاہت، اور آج نہیں تو کل بروزِ قیامت اس کی شاہنشاہیت
اور اعلیٰ مالکیت کا مشاہدہ ہو ہی جائے گا کہ آخر کار سب کو مرنا اور سب کو لوٹ کر اسی کی بارگاہ
میں جانا ہے کہ جیسے اس کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے اور وہ
بالتفصیل ذرے ذرے، پتے پتے اور قطرے قطرے کو جانتا ہے، یونہی اس کی حاکمیت و مالکیت،
کارخانۂ عالم کے تمام علویات و سفلیات پر حاوی ہے۔

قرآن کریم بار بار اور نئے نئے اسلوب و انداز سے غافل بندوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ وہ عقل کے
ناخن لیں، ہوش و حواس کو کام میں لائیں، اسی کو اپنا معبود جانیں، اسی کی بارگاہ میں سر جھکائیں۔
اور یاد رکھیں کہ آخر کار اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنے کیے کی جزا پانا ہے۔ ۱۲

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ
بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ
يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ
يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا
بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ
اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ[۹۳] نرم نرم چلاتا ہے بادل کو، پھر انہیں آپس
میں ملاتا ہے، پھر انہیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ تو تو دیکھے کہ اس کے بیچ
میں سے مینہ نکلتا ہے اور اتارتا ہے آسمان سے، اس میں جو برف[۹۴] کے پہاڑ
ہیں، ان میں سے کچھ اولے۔ پھر ڈالتا ہے انہیں جس پر چاہے اور پھیر دیتا ہے
انہیں جس سے چاہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھ لے جائے۔ اللہ
بدلی کرتا ہے رات[۹۵] اور دن کی۔ بیشک اس میں سمجھنے کا مقام[۹۶] ہے نگاہ والوں کو۔
(۴۳)(۴۴)

تشریح الالفاظ

یُزْجِیْ بے شک انداز اور نرمی سے چلاتا ہے۔ اس کا مصدر اِزْجَاءٌ ہے
بمعنی ہانکنا نرمی سے ہٹانا۔ ثُمَّ، پھر یُؤَلِّفُ ان میں تالیف کرتا اور باہم ملادیتا ہے
اس کا مصدر تالیف ہے، جس کے معنی ہیں جدا جدا چیزوں کو ایک نظم اور ترتیب میں
لانا۔ اسی لیے کتاب کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ، پھر کر دیتا ہے اس بادل کو
رُکَامًا، تہ بہ تہ۔ فَتَرَی، پھر تو دیکھتے یا دیکھتا ہے۔ اَلْوَدْقَ مینہ بارش۔
مِنْ خِلَالِهٖ اس کے بیچ میں سے۔ وَیُنَزِّلُ اور اتارتا ہے مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے
مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا ان میں جو پہاڑ ہیں ان میں سے۔ جِبَال جمع ہے جَبَل کی بمعنی
پہاڑ۔ مجازاً گراں ڈیل اور بڑی قد وقامت وضخامت والی چیز کو بھی جبل کہہ دیتے ہیں
اُردو میں بھی یوں ہی مستعمل ہے۔ مِنْ بَرَدٍ، کچھ اولے۔ علماء کرام نے لکھا مِنَ الجبال
اور مِنْ بَرَدٍ دونوں میں مِنْ زائد ہے۔ اور تقدیر کلام یوں ہے، یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ
بَرَدًا یَکُوْنُ کَالْجِبَالِ (یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے برف اتارے جو وہاں پہاڑوں کی
مانند ہوتی ہے) یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو پہاڑ فرمایا،
تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بادل سے، یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں سے اولے برساتا
ہے۔ فَیُصِیْبُ بِهٖ، پھر ڈالتا یا گراتا ہے وہ اولے۔ مَنْ یَّشَآءُ جس پر چاہے۔
وَیَصْرِفُهٗ، اور پھیر دیتا ہے، انہیں جس سے چاہے۔ سَنَا چمک۔ بَرْقٌ،
بجلی۔ یَکَادُ قریب ہے۔ گویا کہ یَذْهَبُ لے جائے، یا لے جانا چاہتی ہے
بِالْاَبْصَارِ جمع ہے بَصَرٌ کی بمعنی بَاصِرَۃ یعنی آنکھ یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
بجلی کی چمک آنکھ کی بینائی لے جائے گی اور روشنی کی تیزی آنکھوں کو بیکار کر دے گی
یُقَلِّبُ بدلی کرتا ہے، الٹتا پلٹتا رہتا ہے کہ رات کے بعد دن لاتا ہے اور دن کے

بعدرات ۔ اِنَّ ، بے شک ۔ فِیْ ذٰلِکَ ، اس میں ۔ لَعِبْرَۃً ۔ عبرت ودلالت اور سمجھنے کا مقام ، اسے سبق سے بھی تعبیر کرتے ہیں ۔ لِاُولِی الْاَبْصَارِ ۔ نگاہ والوں کے لیے ۔ اہلِ بینش کے لیے جو کارخانۂ قدرت کو غور وتدبر سے دیکھیں اور فکر وتفکر کو کام میں لائیں ۔

مطالبِ مباحث

خالقِ کائنات کی قدرتِ کاملہ کا ایک ثبوت ابھی اوپر گزرا کہ عقل کی آنکھیں کھلی ہوں تو ہر شخص معلوم کرسکتا ہے کہ کائنات کی ایک ایک چیز ، اپنے مخصوص انداز میں اس کی بندگی کا اظہار اور اس کی شانِ معبودیت کا اقرار کررہی ہے ۔ ان آیاتِ کریمہ میں ایک اور ثبوت ، اس کی قدرت کی اعلیٰ شانوں کا بیان فرمایا جارہا ہے کہ ان عجائب وغرائب کو چشمِ بینا سے دیکھ کر آدمی اس کی کمالِ قدرت پر ایمان لائے ، اور اسی کے سامنے سر جھکائے ۔ ۱۲

ف ۹۳ یعنی ایک مناسب وقت پر ، مناسب موسم میں ، ابر کا پیدا ہونا ، اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا اپنی اپنی جگہ سے چل کر اکٹھا ہونا ۔ پھر تہ بہ تہ بڑا بادل بن جانا ، پھر انہیں ایک مناسب بلندی پر لے جانا ، ہوائیں مناسبِ حال تغیرات پیدا کرنا ، ابر کے منتشر ٹکڑوں کو تلے اوپر جمع کرکے انہیں گھنگھور گھٹا کی شکل میں تبدیل کرنا ۔ پھر ایک مناسب مقدار میں ، مناسب مدت تک بارش کرتے رہنا ، یہ سب کام اسی صانعِ مطلق وحکیم برحق کے ہیں ، مگر نادان انسان غفلتوں میں پڑا ۔ اس کی یاد سے غافل اور نورِ معرفت سے محروم ومہجور رہتا ہے ، تو یہ خود اس کا قصور ہے : اور اس کی کوتاہی ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ف۹۴ اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ جس طرح زمین میں پتھر کے پہاڑ ہیں۔ اسی طرح آسمان میں برف کے پہاڑ، اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں اور یہ اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ ان پہاڑوں سے وہ اولے برساتا ہے۔ یا یہ معنی ہیں کہ آسمان سے اولوں کے پہاڑ کے پہاڑ برساتا ہے، یعنی بہ کثرت اولے برساتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں، اولے برساتا ہے۔ پھر جس کے جان و مال کو چاہتا ہے، اُن سے ہلاک و تباہ کرتا ہے اور جس کو چاہے، اس کے جان و مال کو محفوظ رکھتا ہے۔ ۱۲

ف۹۵ یہ مضمون بھی قرآن کریم میں جا بجا وارد ہے اور مقصودِ کلام، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت اور اس کی صنعتِ کاملہ و قدرتِ مطلقہ کا بیان ہے کہ یہ ساری صناعیاں اُسی قادرِ مطلق کی ہیں۔ گردشِ لیل و نہار بھی اسی کے حکم سے وجود میں آتی ہے۔ یعنی دن کے بعد رات، اور رات کے بعد دن، اسی کی قدرتِ کاملہ سے کبھی دن کو گھٹاتا اور رات کو بڑھا دیتا ہے اور ان کی گرمی کو سردی سے اور سردی کو گرمی سے بدلتا رہتا ہے۔ غرض یہ کہ کائنات میں ہر قسم کا تقلب و تصرف اسی کی مشیت اور قدرت کے تابع و محکوم ہے۔ یہ سارے تقلبات و تصرفات بغیر کسی کی شرکت و اعانت کے محض ارادۂ الٰہی سے رات دن ہوتے رہتے ہیں۔ ۱۲

ف۹۶ یعنی ہونا تو یہ چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ان عجائب و غرائب قدرت کو دیکھ کر آدمی عبرت و بصیرت حاصل کرے اور اس معبودِ برحق اور شہنشاہِ حقیقی کی طرف صدقِ دل سے رجوع لائے جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات کے تمام تصرفات و تقلبات کی ڈور ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ آنکھ کے اندھے، عقل کے کورے، اس کی وحدانیت و یکتائی پر ایمان لانے کی بجائے جھوٹے خداؤں کا ڈھونگ رچاتے اور اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ آخر اس عقل دشمنی کی کوئی حد بھی ہے؟ ۱۲

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۚ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

اور اللہ نے زمین پر ہر چلنے والا پانی سے بنایا۔ تو ان میں سے کوئی اپنے پیٹ پر چلتا ہے اور ان میں سے کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے اور ان میں کوئی چار پاؤں پر چلتا ہے۔ اللہ بناتا ہے جو چاہے۔ بیشک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے، بیشک ہم نے اتاریں صاف بیان کرنے والی آیتیں، اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ (۴۵) (۴۶)

تشریح الالفاظ

خَلَقَ۔ پیدا کیا، بنایا۔ کُلّ، ہر۔ دَآبَّۃ، زمین پر چلنے والی مخلوق۔ یَمْشِیْ، چلتا ہے۔ عَلٰی بَطْنِہٖ، اپنے پیٹ پر۔ بَطْن، ہر چیز کا اندرونی حصہ۔ پیٹ۔

دِجْلَیْنِ، دو پاؤں - یہ تثنیہ کا صیغہ ہے - اس کا واحد ہے دِجْلٌ اور جمع سے اَرْجُلٌ،
اَرْبَعٍ، چار، یعنی تین اور پانچ کا درمیانی عدد - یا تین اور پانچ کے مجموعہ (۸) کا نصف
کہ ہر عدد اپنے ماقبل و مابعد کے مجموعہ کا نصف ہوتا ہے - صِرَاطٍ، راستہ - مُسْتَقِیْمٍ،
سیدھا - جو اپنے راہرو کو منزل تک لے جاتے -

صنعتِ کاملہ اور قدرتِ مطلقہ کا ایک اور ثبوت کہ تمام اجناسِ حیوانات کو پیدا
کیا گیا، ایک ہی پانی کی جنس سے، اور پانی ان سب کی اصل ہے، لیکن کیسی حیرت ناک،
محیر العقول ہے - یہ حقیقت کہ یہ سب متحد الاصل ہونے کے باوجود کس قدر مختلف الحال
ہیں کہ کوئی زمین پر رینگتا ہے - کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے - کوئی چار ہاتھ پاؤں سے حرکت
کرتا اور زمین پامال کرتا ہے اور کوئی ہوا میں محوِ پرواز ہے، اور یہ اس خالقِ عالم کے علم و
حکمت اور اس کے کمالِ قدرت کی ایک اور روشن دلیل ہے - ۱۲

ف ۹۷ پانی سے مراد اگر یہاں بارش ہے، تو بارش کے پانی سے براہِ راست یا بالواسطہ
ہر جاندار کا مستفید ہونا ظاہر ہی ہے - اور اگر مراد نطفہ حیوانی لیا جائے، تو اس سے
بھی ہر جاندار کا وجود میں آنا رات دن کا مشاہدہ ہے اور یاد رکھنا چاہیے کہ لفظِ کُل
یا بہت بڑی اکثریت کے مرادف مستعمل ہے، اس لیے اگر کسی جاندار کی پیدائش کا
استثنا اس قاعدہ سے ثابت ہو جائے تو یہ عموم قانون کے منافی نہیں - ۱۲

ف ۹۸ پیٹ کے بل چلنے والوں میں کُل رینگنے والے جانور اور حشرات الارض یعنی
کیڑے مکوڑے مثل سانپ وغیرہ کے آ گئے - اور تیرنے والے جانور بھی مثل مچھلی کے -
اور دو پایہ یعنی دو پیروں پر چلنے والے جانوروں کی مثال خود انسان بھی اور پرندے بھی -
اور جب وہ زمین پر چل رہے ہوں اور چوپایہ جانوروں کی مثالیں بالکل ظاہر ہیں اور ان
میں خشکی و تری کا ہر چار پاؤں والا جانور شامل ہے - خواہ مانوس ہوں جیسے گائے،

بھینس، بکری، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ، یا جیسے غیر مانوس مثلاً جنگلی جانور کہ جنگلوں میں بسیرا کرتے ہیں اور درندے اور کسی جانور کو اس سے ترا کہ پاؤں دیئے ہوں تو کچھ بعید نہیں۔ اس کی لامحدود قدرت و مشیت کو کوئی محدود و محصور نہیں کرسکتا۔ ۱۲

ف ۹۹ اہل سنت کو بحمد اللہ تعالیٰ ان کے رب عزوجل نے ایک پاکیزہ قطعی یقینی قانون ایسا بتا دیا ہے جو کہیں منتقض نہیں ہوتا اور جو کہیں ٹوٹ نہیں سکتا اور نہ کبھی اس میں تبدیلی ممکن ہے۔ اس قانونِ الٰہی نے نیچریوں اور مغربی علوم کی یلغار سے مسخ شدہ ذہنیتوں کی ناپاک گڑھت کے قانون سے یکسر غنی کر دیا، اور دربارۂ قدرتِ الٰہی، جن سخت خلفشاروں میں ابلیس لعین نے ان مسخروں کو ڈالا، ان سب سے نجات دے کر مسلمانانِ اہل سنت و جماعت کو اپنے ظلِ حمایت میں لے لیا۔ تمام کائنات از اول تا آخر ابد الآباد تک اور نہ صرف موجودات بلکہ جملہ ممکنات اسی ایک سچے قانون سے وابستہ ہیں، جس پر ایمان لانے والے کو نہ کسی مشکل کا سامنا، نہ کسی اعجوبہ سے گھبرا کر توجیہ و تاویل اور تحویل و تبدیل کا دامن تھامنا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

ہاں! جانتے ہو وہ پاک مبارک قانون کیا ہے؟ وہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، بے شک اللہ جو چاہے وہ کرسکتا ہے۔

اور فرمایا، يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ، اللہ جو چاہے کرتا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

تیرا رب جو چاہے بناتا اور اختیار فرماتا ہے، ان کا کچھ اختیار نہیں۔

نیز ارشاد فرمایا، لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ

اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ کیوں کیا؟ اور سب سے سوال ہوگا

کیسا صاف صریح واضح، واشگاف اور روشن بیان ہے کہ اللہ عزوجل نہ کسی قانون کا پابند، نہ کسی عادت کا محکوم، نہ کوئی اُسے ممکن نہ دشوار، نہ کسی شے کا اس پر وجوب و

لزوم کہ اسے کرنا ہی پڑ جاتا ہے۔

اسی نورانی، منور و معطر عقیدے کو اہلِ سنت نے متون کتب عقائد میں ان دو لفظوں سے ادا کیا ہے کہ لَا یَجِبُ عَلَیْہِ شَیْءٌ۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ فلاسفہ نے تو اسے سرے سے فاعلِ مختار ہی نہ جانا۔ معتزلہ نے اس پر عدل واجب کیا اور روافض نے اس پر الطف واصلح فرض کر دیا۔ اور نیچریہ نے اپنے معبود کے گلے میں اپنے خود ساختہ نیچر کی رسی ڈال دی۔ سخت زنجیروں میں جکڑ دیا کہ دم نہیں لے سکتا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (افاداتِ رضویہ)

معجزات کا انکار یا اس کے معنی میں تحریف و باطل تاویل کرنے والے ذرا اسے بھی آنکھ کھول کر دیکھ لیں۔ ۱۲

فتا سیدھی راہ جس پر چلنے سے رضائے الٰہی و نعمتِ آخرت میسر ہو، دینِ اسلام ہے، یا قرآن، یا خلقِ عظیم نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اور ان کا اُسوۂ حسنہ یا خود اُن کی ذاتِ کریم یا حضور کے آل و اصحاب ہیں۔ خود قرآن کریم نے صراطِ مستقیم اُس سیدھی راہ کو فرمایا ہے جو طریقہ رہا ہے انبیاء و مرسلین اور شہداء، صالحین کا، تو جن امور پر ان بزرگانِ دین کا عمل رہا ہو، وہ صراطِ مستقیم میں داخل ہے کہ ساری کی ساری تعلیمات و ہدایات تو قرآنِ کریم کے الفاظ و عبارات میں آگئیں، لیکن مشیتِ ایزدی نے مزید شفقت و کرم سے، ان تعلیمات و ہدایات کے عملی نمونے بھی انسانی روح و قالب میں، بشری صورت و سیرت میں بکثرت بھیج دیئے کہ اس صراطِ مستقیم پر چلنا اور زیادہ آسان ہو جاتے اور یہی حضرات ہیں انبیاء و مرسلین کہ ان کی زندگی کے واقعات و حالات، قرآن کریم میں بکثرت نقل ہوتے ہیں اور ان میں بالخصوص اس پاکیزہ جماعت کے پاکیزہ ترین سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں کہ آپ کی سیرتِ کریمہ کا ایک ایک جزئیہ تک محفوظ ہے۔ پھر اس کے بعد آپ کے

صحیح نائب وجانشین یعنی اولیائے امت یا صدیقین یا پھر شہیدانِ راہِ حق اور دوسرے صالحین کہ یہ بھی اپنے اپنے درجے میں نمونہ کا کام اپنے بعد آنے والوں کے لیے دے اور دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے اور اسی سے یہ بات ثابت ہوتی کہ صراطِ مستقیم طریقِ اہلِ سنت ہے۔ جو اہلِ بیت واصحاب اور سنت وقرآن اور سوادِ اعظم سب کو مانتے ہیں۔ مولائے کریم ہمیں انہیں میں رکھے، انہیں میں حشر دے، انہیں کے ساتھ رہنا نصیب فرمائے۔۱۲

وَيَقُولُونَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوۤا اَمْ يَخَافُونَ اَنْ يَّحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿۵۰﴾ ع

اور کہتے ہیں[۱۰] ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور حکم مانا۔ پھر کچھ ان میں کے اس کے بعد پھر[۱۱] جاتے ہیں اور مسلمان نہیں، اور جب بلائے جائیں اللہ

اور اس کے رسول کی طرف کہ رسول ان میں فیصلہ فرماتے تو تبھی ان میں کا ایک فریق منہ پھیر جاتا ہے۔ اور اگر ان کی ڈگری ہو تو اس کی طرف آئیں مانتے ہوتے۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک رکھتے ہیں یا یہ ڈرتے ہیں کہ اللہ و رسول ان پر ظلم کریں گے، بلکہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔
(۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰)

تشریح الالفاظ

وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں، یعنی منافقین۔ اٰمَنَّا، ہم ایمان لائے، ہم نے دل سے تصدیق کی اور بالیقین مانا۔ بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ اللہ اور رسول پر، وَ اور، اَطَعْنَا، ہم نے حکم مانا۔ ثُمَّ، پھر۔ يَتَوَلّٰى، سرتابی کرتا اور پھر جاتا ہے۔ اس کا مصدر تَوَلِّیْ ہے بمعنی پیٹھ دکھانا، منہ پھیر لینا، سرتابی کرنا۔ فَرِيْقٌ ایک گروہ، کچھ لوگ۔ مِنْهُمْ ان میں کا۔ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ اس کے بعد۔ وَاِذَا، اور جب۔ دُعُوْا بلائے جائیں، اس کا مصدر دَعْوَۃ ہے، جو اپنے اسی معنی میں اُردو میں بھی بصورتِ دعوت مستعمل ہے۔ یعنی کسی کو کسی امر کی طرف بلانا۔ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔ لِيَحْكُمَ تاکہ فیصلہ کرے، اس کا مصدر حکم اور حکومت ہے، بمعنی فیصلہ کرنا، کسی کو کسی امر کا پابند بنانا۔ مُعْرِضُوْنَ جمع ہے مُعْرِضْ کی، اس کا مصدر اِعْرَاض ہے مُعْرِضْ اور اِعْرَاض۔ دونوں انہیں معنی میں اُردو میں استعمال کیے جاتے ہیں، یعنی منہ پھیرنے والا اور منہ پھیرنا یا منہ موڑنا۔ وَاِنْ يَّكُنْ، اور اگر یہ ہو۔ لَهُمْ، ان کے لیے، ان کا۔ اَلْحَقُّ، سچائی، راستی، انصاف۔ ثابت شدہ نصیب۔ ڈگری۔ فیصل شدہ امر۔ يَاْتُوْا، آئیں۔ اِلَيْهِ، اس کی طرف۔ مُذْعِنِيْنَ، سر تسلیم خم کرتے۔ مانتے ہوتے۔ یہ جمع ہے مُذْعِنْ کی۔ اس کا مصدر اِذْعَان یعنی بے دریغ طاعت و فرمانبرداری اور مِذْعَان

آسانی سے فرمانبردار ہونے کو کہتے ہیں۔ اَ۔ استفہام کے لیے مستعمل ہے، یعنی کیا؛ فِیْ، میں۔ قُلُوْبِهِمْ، ان کے دل۔ مَرَضٌ بیماری۔ اَمْ، یا بلکہ۔ ارْتَابُوْا، جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کا مصدر اِرْتِیَاب بمعنی رَیْب و شک۔ یَخَافُوْنَ، خوف کھاتے ہیں، ڈرتے ہیں۔ اَنْ یَّحِیْفَ، کہ ظلم کرے۔ یہ لفظ حَیْف سے بنایا گیا۔ بمعنی ظلم و زیادتی۔

مطالب و مباحث

ابھی اوپر آیاتِ مُبیّنٰت کے انزال کا ذکر فرمایا اور آسمان و زمین میں اپنی حاکمیتِ اعلیٰ و قدرتِ کاملہ کی نشانیاں بھی بیان فرمائیں۔ ان آیات کی نشاندہی کے بعد اب فرمایا جارہا ہے کہ اللہ عزوجل کی ربوبیت و یکتائی پر ایسی روشن و واضح نشانیوں کے باوجود انسان تین فرقوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک وہ جنہوں نے ظاہر میں تصدیق کی اور باطن میں تکذیب کرتے رہے، وہ منافق ہیں۔

دوسرے وہ جنہوں نے ظاہر میں بھی تصدیق کی اور باطن میں بھی معتقد رہے، یہ مخلصین ہیں۔
تیسرے وہ جنہوں نے ظاہر میں بھی تکذیب کی اور باطن میں بھی، یہ کفار اشرار ہیں۔
اور اب انہیں تین گروہوں کا ذکر بالترتیب فرمایا جارہا ہے تاکہ منافقین اپنے نفاق سے اور مشرکین اپنے کفر و شرک سے باز آئیں، اور مخلصین اپنے اخلاص و ایمان کی ترقی و بقاء کے لیے مصروفِ کار رہیں۔

۱۰۱ قرآن کریم نے منافقوں کی منافقانہ سرشت کا واضح و واشگاف الفاظ میں ذکر فرمایا ہے، کہیں تفصیل سے، کہیں اجمالی طور پر، یہاں بھی اجمالی طور پر بیان فرمایا جارہا ہے کہ منافق بھی ہوتے کافر و منکر ہی ہیں، لیکن اپنے کفر و نفاق پر، پردۂ مکر و فریب کا ڈالے رکھتے ہیں، یعنی زبان پر دعویٰ اسلام رکھتے ہیں، لیکن دل میں کفرِ خالص۔ زبان

سے اقرار ایسا کہ جس میں قلب کی تصدیق کسی درجہ میں بھی شامل نہ ہو۔ ان ننگِ انسانیت انسانوں کے نزدیک جرم نہیں، مصلحت اندیشی اور ڈپلومیسی ہے یعنی وہ اپنے خیال و پندار میں، خدا اور رسول کو بھی فریب دیا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کا فریب نہ خدا پر چلے، نہ رسول پر، نہ اہلِ ایمان پر، بلکہ درحقیقت وہ اپنی جانوں کو فریب دے رہے ہیں اور ان کے اس نفاق سے نقصان کسی اور کا نہیں، خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوگا۔ آخرت میں عذاب اور دنیا میں فضیحت و رسوائی اور منافقت کی پردہ دری۔ لیکن ان احمقوں کو فرطِ غفلت سے اس کا بھی احساس نہیں۔

• یاد رکھنا چاہیے کہ نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اعلان و اظہار بھلائی کا کرتا پھرے جس میں دعویِٰ ایمان بھی شامل ہے اور شر کو اندر ہی اندر چھپاتے رکھے جس میں اسلام و مسلمین کی ایذا رسانی اور اسلام کے خلاف ہرزہ بھی داخل ہے۔ پھر نفاق کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک نفاقِ حقیقی یا اعتقادی۔ جس میں ایمان سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اور اس کی سزا ہے ہمیشہ ہمیش آتشِ جہنم میں جلنا۔

دوسرا نفاق عملی یا مجازی، اس میں ایمان کا استحضار نہیں رہتا، نورِ ایمان حجاب میں آجاتا ہے، اور انسان گناہ پر بے دریغ جری ہوجاتا ہے۔ ۱۲

ف۲ یعنی دل میں ایمان تو کسی ایسے منافق کے نہیں، لیکن ان کھلم کھلا عدولِ حکمی اور اپنے قول کی پابندی نہ کرنے والوں نے تو اس ایمان کا ظاہری پردہ بھی ہٹا دیا کہ جب اس زبانی دعوی کے عملی ظہور کا وقت آتا ہے تو ان میں کا زیادہ تر حصہ صاف نکل جاتا ہے۔ اور جو کچھ زبانی جمع خرچ ہے، امتحان و آزمائش کے وقت اس کی بھی قلعی کھل جاتی ہے۔ آج بھی بہت سے مدعیانِ اسلام کو اس کسوٹی پر پرکھ لیا جائے تو دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہوجائے۔ ۱۲

ف۳ یعنی ان کے دل میں ایمان کا گزر ذرہ برابر بھی نہیں۔ ایمان انہیں چھو کر بھی

نہیں گیا۔ یہ تو منافق ہیں، کیونکہ ان کے دل ان کی زبانوں کے موافق نہیں۔ آیت میں حرفِ بار تاکید کے لیے ہے اور ظاہر سیاقِ کلام کا تقاضا یہ تھا کہ فعل ماقبل اٰمَنَّا اور اَطَعْنَا کی تردید و تغلیط میں کہ یہ جھوٹے ہیں اور ان کے زبانی دعوے غلط کوئی فعلِ ماضی ہی لایا جاتا، لیکن یہاں تاکید اور زور کے لیے بجائے فعل کے اسم فاعل لایا گیا تاکہ ان لوگوں سے نفی ایمان کی، ماضی حال مستقبل ہر زمانہ سے متعلق نکل آتے۔ ۱۲

وکنا کفار و منافقین بارہا تجربہ کر چکے تھے اور انہیں کامل یقین تھا کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ سراسر حق و عدل ہوتا ہے، اس لیے ان میں جو سچا ہوتا، وہ تو خواہش کرتا تھا کہ حضور اس کا فیصلہ فرمائیں اور جو ناحق پر ہوتا وہ جانتا تھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سچی عدالت سے وہ اپنی ناجائز مراد نہیں پا سکتا۔ اس لیے وہ حضور کے فیصلہ سے گھبراتا تھا، جیسا کہ شانِ نزول کے باب میں علمائے کرام نے بیان فرمایا کہ "بشر نامی ایک منافق تھا۔ ایک زمین کے معاملے میں اس کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا۔ یہودی جانتا تھا کہ وہ اس معاملہ میں سچا ہے اور اسے یقین تھا کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حق و عدل کا فیصلہ فرماتے ہیں۔ اس لیے اس نے خواہش کی کہ یہ مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیصل کرایا جائے، لیکن منافق بھی جانتا تھا کہ وہ باطل پر ہے اور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عدل و انصاف میں کسی کی رُو رعایت نہیں فرماتے۔ اس لیے وہ حضور کے فیصلے پر تو راضی نہ ہوا، البتہ کعب بن اشرف یہودی سے فیصلہ کرانے پر مُصِر ہوا اور حضور کی نسبت کہنے لگا کہ وہ ہم پر ظلم کریں گے۔"

اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ اپنے قضیتوں جھگڑوں کے فیصلے کے واسطے جب یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں طلب کیے جاتے ہیں تو یہ لوگ یہ سمجھ کر کہ وہاں تو فیصلہ تمام تر حق و انصاف کے مطابق ہی ہوگا اور کوئی خیانت اور کوئی چالاکی چلنے نہ پائے گی، ٹال مٹول کر جاتے ہیں جیسا کہ آج بھی عام مشاہدہ ہے۔ ۱۲

ف۵ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی طلبی صرف بارگاہِ رسول ہی میں ہوتی تھی، مگر چونکہ رسولِ اکرم و اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلے، عین خدائی ہی فیصلے کے نافذ کرنے والے ہوتے تھے، اس لیے دُعُوا کے ساتھ اِلَی اللّٰہِ بڑھا دیا گیا۔ اور یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ رسولِ خدا کا فیصلہ، اللہ کا فیصلہ ہے، اور اس کا حکم، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ رسول کی طرف بلایا جانا صرف رسول ہی کی طرف بلایا جانا نہیں، بلکہ اللہ اور رسول، دونوں کی طرف بلایا جاتا ہے۔"

ف۶ یعنی جب ان کا حق کسی اور کے ذمہ نکلتا ہوتا ہے اور یہ خود مظلوم بنے ہوتے ہیں، تو پھر بے تکلف سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں چلے آتے ہیں، اس اطمینان پر کہ وہاں تو حق رسی ہوگی ہی اور حق حقدار کو مل کر ہی رہے گا، تو بارگاہِ نبوی میں ان کی یہ حاضری کسی عقیدت و محبت اور ایمان پر مبنی نہیں، بلکہ اپنی غرض کے باؤلے بن کر حاضری دیتے ہیں، تو ان کے دعویٰ اسلام کا کیا اعتبار، اور یہ کب اس قابل ہیں کہ اہلِ ایمان انہیں منہ لگائیں اور انہیں اپنی محفلوں میں جگہ دیں یا خود ان کی مجلسوں کی رونقیں بڑھائیں اور نتیجۃً خود انہیں کے ساتھ، انہیں کی رسی میں باندھے جائیں۔

ف۷ یعنی مقدمات و خصومات میں فیصلے کے لیے، بارگاہِ رسالت میں حاضری سے پہلوتہی اور روگردانی کی تین ہی توجیہیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ آدمی کے دل میں کفر کی آلودگی ہو اور آدمی سرے سے ایمان ہی نہ لایا ہو، انکارِ نبوت کے جرم میں مبتلا ہو اور منافقوں کی طرح محض ازراہِ فریب دہی مسلم معاشرے میں شرکت کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہو۔ دوسرے یہ کہ ایمان کے دعوے کے باوجود، اسے اب تک اس باب میں شک و تردد ہے کہ یہ رسول، اللہ کے رسول ہیں یا نہیں؟ اور قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب ہے یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ وہ خدا اور رسول کو مانتے ہوئے بھی اس اندیشہ میں مبتلا ہے کہ فلاں حکم کی بجاآوری اسے کسی مصیبت میں نہ ڈال دے۔

اور معاذ اللہ خدا اور رسول کے کسی ظلم و زیادتی کا یہ شکار ہو کر نہ رہ جائے۔ پھر خود قرآن کریم

نے ارشاد فرمایا کہ یہ خوب جانتے اور مانتے ہیں کہ اللہ ورسول کسی پر ظلم نہیں فرماتے اور وہ ہرگز کوئی ایسا حکم نہیں دیتے جو کسی کو مصائب کا شکار بنا دے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیصلہ حق ہے۔ ان کا کوئی فیصلہ حق سے متجاوز ہو ہی نہیں سکتا، اور کوئی بد دیانت آپ کی عدالت سے پرایا حق مارنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا یہی

ان بدبختوں کی موت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فیصلۂ خصومات میں آپ کی بارگاہ میں حاضری سے کتراتے اور آپ کے فیصلہ سے اعراض کرتے ہیں۔

اور جب ان کے دلوں میں کفر و نفاق اور شک کی بیماری ہے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں پیدا کر رکھی ہے اور یہ لوگ محض مسلمانوں سے نفع حاصل کرنے کے لیے ان کی گرفت سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے مسلمان کہہ رہے ہیں۔ تو مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے کہ ان کے کوتکوں سے آگاہ رہیں۔ ان کے فریب میں نہ آئیں اور یاد رکھیں کہ جو شخص ازراہِ فریب مُسلم معاشرے کا ایک رُکن بن کر مختلف قسم کے فائدے اس معاشرے سے حاصل کر رہا ہے' وہ بہت بڑا دغاباز، خائن اور جعل ساز ہے' اسے اسلام و مسلمین سے کوئی شغف ہے، نہ اسلام و مسلمین کی ترقی سے کوئی دلچسپی۔ اسے پاس ہے تو اپنی قوم کا' اسے لحاظ ہے تو اپنے "ہمکر شریک" ساتھیوں کا، اور اسے خیال ہے تو صرف ایسے لوگوں کا' جو خود اس کی طرح دعویٰ اسلام کریں اور اندرونِ خانہ عمارتِ اسلام کے انہدام میں مصروف و مشغول ہیں۔ ۱۲

احکام و فوائد کا خلاصہ

سورۂ کریمہ کے چھٹے رکوع سے جو فوائد و احکام حاصل ہوتے' ان کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) جمادات و نباتات اور حیوانات بلکہ جملہ کائنات' تمام اشیائے عالم خواہ ذی روح ہوں یا بے روح' سب دائم التسبیح ہیں اور ان میں ہر چیز رب عزوجل کی یکتائی اور اس کے کمالِ قدرت پر گواہ ہیں۔

(۲) ہر چیز کی نماز و تسبیح اور طریق بندگی اس کے حسب حیثیت ہے۔

(۳) صحابہ کرام نے بغیر اداک شعور و ادراک سے جمادات و نباتات کی تسبیحات سنیں۔

(۴) اندھی ہیں وہ آنکھیں اور اندھے ہیں وہ دل جنہیں کھلے ہوتے دلائل حق اور روشن آیاتِ الٰہی بھی نظر نہیں آتے، انہیں کل خلائق عذاب سے کوئی نہ بچا سکے گا۔

(۵) بادلوں کا گھنگھور گھٹا کی شکل میں مجتمع ہو کر بارش برسانا بھی قدرتِ الٰہی سے ہے' اور آسمان سے اولوں کا گرانا یہ سب کچھ صانع عالم کی قدرتوں کے نمونے ہیں۔

(۶) گردش لیل و نہار، اللہ عزوجل ہی کی مشیت و قدرت کے تابع فرمان ہے۔

(۷) زمین پر رینگنے اور دو یا چار پاؤں پر چلنے والے جانوروں کا وجود اور ایک ہی اصل سے پیدائش کے باوجود، ان کا اپنے احوال و اوصاف میں مختلف ہونا اس کے کمال قدرت کی روشن دلیل ہے۔

(۸) ایک مبارک قانون کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔

(۹) صراطِ مستقیم دینِ اسلام ہے جو طریقہ ہے انبیاء و مرسلین اور شہداء و صالحین کا۔

(۱۰) انسانی گروہ تین فرقوں میں منقسم ہیں۔

(۱۱) منافق خواہ کچھ ہوں، مسلمان ہرگز نہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

مسلمانوں کی بات[ف] تو یہی ہے، جب اللہ اور رسول[ف ۱۹] کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض کریں۔ ہم نے سُنا اور حکم مانا۔ اور یہی لوگ مراد کو پہنچے، اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا، اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے[ف ۱۱]، تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ (۵۱) (۵۲)

تشریح الالفاظ

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ مسلمانوں کا قول تو ایک ہی ہوتا ہے اور ان کے ایمان کا تقاضا ہی صرف یہ ہے کہ وہ دل سے مانیں اور زبانوں سے اقرار کریں۔ لِیَحْکُمَ۔ تاکہ رسول فیصلہ فرماتے۔ بَیْنَھُمْ۔ ان کے مابین۔ اَنْ یَّقُوْلُوْا۔ کہ وہ عرض کریں اور بے ساختہ بلا تردد کہہ اٹھیں۔ سَمِعْنَا۔ ہم نے سنا ان کا قول۔ وَاَطَعْنَا۔ اور مانا ان کا حکم۔ اُولٰٓئِکَ یہی لوگ، ایسے ہی لوگ۔ اَلْمُفْلِحُوْنَ، فلاح یاب اور اپنی مراد کو پہنچنے والے۔ وَمَنْ، اور جو کوئی۔ یُطِعْ، اطاعت کرے، حکم مانے۔ وَیَخْشَ۔ اور ڈرے۔ وَیَتَّقْہِ، اور پرہیزگاری کرے، نافرمانی سے بچے۔ اَلْفَائِزُوْنَ، فائز المرام، بامراد، کامیاب۔ جمع ہے فائز کی، اور مصدر اس کا فَوْز ہے، بمعنی نجات پانا۔ اور ہر ناگوار بات سے محفوظ رہنا۔

مطالب و مباحث

ابھی اوپر بتایا گیا کہ منافق کو نہ ایمان عزیز ہے نہ اسلام و مسلمین سے اس کا دلی لگاؤ۔ نہ حقیقۃً خدا و رسول کے احکام کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت، اور نہ انہیں خدا و رسول کے فرمودات کا کوئی لحاظ، ان کا ایمان اور زبانی اقرارِ اسلام کی جان، زیادہ سے زیادہ

اپنے ذاتی و مادی مفادات کا حاصل کرنا اور انہیں سمیٹنا ہے، خواہ وہ بارے جی، بارگاہِ رسول میں حاضر ہو کر ملیں یا دور رہ کر ہاتھ آئیں۔ اور اب بتایا جا رہا ہے کہ ان منافقوں کے احوال کے حالات برخلاف مسلمان اور صاحبِ ایمان اللہ، رسول کا فرمانبرداری و اطاعت گزار ہوتا ہے اور ہر وہ کام کر گزرتا ہے جس کی بدولت اسے خدا اور رسول کی رضا و خوشنودی حاصل ہو، بلکہ ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندے، اطاعت و فرمانبرداری میں سرگرم رہیں اور کوئی خواہش، کوئی آرزو انہیں رسول اللہ کی اطاعت گزاری سے نہ روک سکے۔ یہی راہ ہے دُنیا و آخرت میں فائز المرام اور بامراد رہنے کی ۱۲۰

ف۱۰۱ کیسا صاف صاف اور واضح اعلان ہے کہ ایمان صرف زبان سے طوطے کی طرح کلمہ رٹ لینے کا نام نہیں بلکہ ایمان کی حقیقت ہے، خدا اور رسول کے احکام و فرامین کو گوشِ ہوش سے سننا، دل سے انہیں مان لینا اور ان کی ایسی تصدیق کرنا جس میں شک و ریب کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ اسی پر مبنی ہے دُنیا آخرت کی فلاح۔ دنیا کی فلاح تو یہ کہ انہیں راہِ ہدایت نصیب ہو گئی اور انفرادی و اجتماعی شخصی و قومی ہر حیثیت سے جامع ترین اور بہترین دستورِ حیات، منازلِ زندگی طے کرنے کا ان کے ہاتھ آگیا، اور آخرت کی فلاح یہ کہ وہاں پورا پورا صلہ مل کر رہے گا۔ فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دُنیا و آخرت کی ساری خوبیوں کا جامع ہے۔ ائمۂ لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ کلامِ عرب میں خیر کی تمام کیفیات و جزئیات اور اس کے اصناف و انواع و اقسام کا جامع، فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں، اس لیے اَلْمُفْلِحُوْنَ کا پورا ترجمہ کامیاب، بامراد، جیسے الفاظ سے کما حقہٗ ہو جانا دشوار ہی ہے۔ ۱۲۰

ف۱۰۹ یہاں یہ بات پھر ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ رسولِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ نبوی میں حاضری، درگاہِ خداوندی میں حاضری کے مترادف ہے، اس لیے کہ ان کے فیصلے عین خدائی فیصلوں کے نافذ کرنے والے فیصلے ہیں۔

پھر یہ حکم اور یہ معاملہ صرف نبیِ اکرم و اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ مبارکہ ہی تک محدود و مقید نہیں۔ لاؤ اللہ! فقہائے ملت اور اکابر ائمہ دین نے صاف صاف

جتا دیا اور واشگاف الفاظ میں حکم فرما دیا کہ حاکمِ اسلام جب کسی مقدمہ میں کسی جھگڑے کسی قضیے کے تصفیہ کے لیے بلائیں تاکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کریں، تو ان کی شرعی عدالتوں میں بھی حاضری لازمی ہے کہ حاکم شرعی کی شرعی عدالت میں طلبی، خدا و رسول کی بارگاہ میں طلبی ہے، تو اس سے منہ موڑنے اور اعراض کرنے والا، درحقیقت اللہ اور اس کے رسول سے منہ موڑنے والا اور اعراض کرنے والا ہے۔ اس مضمون کی یہ تشریح خود نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرسل حدیث میں مروی ہے: "جو شخص مسلمانوں کے حکامِ عدالت میں سے کسی حاکم کی طرف بلایا جائے اور وہ (اس طلبی کے باوجود حاضر نہ ہو)

فَهُوَ ظَالِمٌ لَا حَقَّ لَهٗ (وہ ظالم ہے اس کا کوئی حق نہیں")

اور اسی حدیث سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ ایسا شخص سزا کا مستحق بھی ہے کہ ظالم ہے اور اس کا بھی مستحق ہے کہ اسے برسرِ باطل فرض کر کے اس کے خلاف یکطرفہ فیصلہ دے دیا جائے (تفصیل کے لیے دیکھیں احکام القرآن جصاص)

نیز ان آیات بینات سے یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سچی اطاعت کے بغیر، نہ دعویٔ ایمان مقبول، نہ طاعت و عبادت قبول۔ اور اطاعتِ خدا و رسول کا کوئی مطلب اس کے سوا نہیں کہ مسلمان بحیثیتِ فرد اور بحیثیت قوم، اس قانون کو بلا ریب تسلیم کر لیں اور ہر اس قانون کے آگے جھک جائیں جو خدا اور رسول کی بارگاہوں سے انہیں دیا گیا ہے۔

ف۱۱ تقویٰ یعنی پرہیزگاری کے مراتب بہت ہیں۔ عوام کا تقویٰ ایمان لا کر، کفر سے بچنا ہے۔ متوسطین کا تقویٰ اوامر و نواہی یعنی جملہ احکاماتِ خداوندی کی اطاعت ہے۔ اور خواص کا تقویٰ، ہر ایسی چیز کو چھوڑ دینا اور اس سے ہاتھ اٹھا لینا ہے، جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تقویٰ سات قسم پر ہے۔ (۱) کفر سے بچنا، یہ ہر مسلمان کو حاصل ہے۔
(۲) بدمذہبی سے بچنا، یہ ہر سُنّی کو نصیب ہے۔ (۳) ہر کبیرہ سے بچنا۔
(۴) صغائر سے بھی بچنا (۵) شبہات سے احتراز (۶) شہوات سے بچنا۔
(۷) غیر کی طرف سے التفات سے بچنا۔ یہ اخص الخواص کا منصب ہے اور قرآن کریم ساتوں مرتبوں کا ہادی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کے اعمال، افعال، اقوال، احوال ایسے ہوناکہ اگر انہیں پر خاتمہ ہو تو کرمِ الٰہی سے بعید واثق ہو کہ بلا عذاب داخلِ جنّت کیا جائے، وہ فلاح ہے، جس کی تلاش کا حکم ہے: سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ کسبِ انسانی اسی سے متعلق ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں،

(۱) فلاحِ ظاہر (۲) فلاحِ باطن

اور فلاحِ ظاہر سے حاشا یہ مراد نہیں، جو نرے ظاہر داروں کو مطلوب ہے۔ اور جن کی نظر صرف اعمالِ جوارح پر مقصود رہتی ہے، یعنی یہ کہ اپنا ظاہر، احکامِ شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزہ کر لیا اور متقی و مفلح بن گئے، اگرچہ باطن مہلکات اور ہلاکت آفرین آفات سے گندہ ہو رہا ہے جیسے مزبلہ (کوڑے دان) پر زر لبفت کا خیمہ۔ اوپر زینت اور اندر نجاست۔ ظاہر ہے کہ اس صورت کو فلاح سے علاقہ نہیں، صاف ہلاکت ہے، بلکہ فلاحِ ظاہر یہ ہے کہ دل اور بدن، دونوں پر جتنے احکامِ الٰہیہ ہیں سب بجالائے۔ نہ کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے نہ کسی صغیرہ پر مُصِر رہے کہ صغیرہ کا بار بار مرتکب ہونا اُسے کبیرہ اور اسے کبیرگی کا مرتکب بنا دیتا ہے۔

اور فلاحِ باطنی یہ ہے کہ قلب و قالب، جسم و جان، تمام رذائل سے متخلّی، ہر قابلِ نفرت عادت سے خالی، اور فضائل سے متجلّی، ہر قابلِ قبول اور پسندیدہ و محبوب خصلت

کی آماجگاہ بناکر بقایائے شرکِ خفی دل سے دُور کیے جائیں۔ یہاں تک کہ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہ پھر لَا مَشْهُوْدَ اِلَّا اللّٰہ، پھر لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ متجلی ہو، یعنی قلب ارادۂ غیر سے خالی ہو۔ پھر غیر نظر سے معدوم ہو۔ پھر حق حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اسی کے لیے ہے۔ باقی سب ظلال و پرتو۔ اور یہی منتہائے فلاح ہے، اسی پر فلاح کی انتہا۔ فلاح ظاہر میں عذاب سے دوری اور جنت کا چین ہے، تو اس فلاح باطن میں عذاب کا کیا ذکر، کسی قسم کا اندیشہ و غم بھی ان کے پاس نہیں آتا۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کہ اللہ کے دوستداروں کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ ملال۔ ۱۲

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی، اپنی حلف میں حد کی کوشش سے کہ اگر تم انہیں حکم دو گے، تو وہ ضرور جہاد کو نکلیں گے۔ تم فرماؤ، قسمیں کھاؤ، موافق شرع حکم برداری چاہیے۔ اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ تم فرماؤ، حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا۔ پھر اگر تم منہ پھیرو، تو رسول کے ذمہ ہے جو اس پر لازم کیا گیا، اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر تم رسول کی فرمانبرداری کرو گے، راہ پاؤ گے اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا۔ (۵۳) (۵۴)

تشریح الالفاظ

وَاَقْسَمُوْا، اور انہوں نے قسم کھائی۔ بِاللّٰہِ۔ اللہ کی قسم۔ جَھْدَ۔ غایت زور، بھرپور کوشش۔ اَیْمَان جمع ہے یَمِیْن کی بمعنی قسم۔ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ۔ اپنی قسم میں حد کی کوشش۔ بڑی بڑی تاکیدی قسمیں۔ لَئِنْ، اگر۔ اَمَرْتَھُمْ۔ تم انہیں حکم دو۔ لَیَخْرُجُنَّ، ضرور نکلیں گے۔ قُلْ، تم فرماؤ، کہہ دو۔ لَاتُقْسِمُوْا، قسمیں نہ کھاؤ، صیغہ نہی ہے۔ طَاعَۃٌ، حکم برداری، اطاعت گزاری۔ مَعْرُوْفَۃٌ، موافق شرع، معلوم و معروف، جانی پہچانی۔ خَبِیْرٌ، خبردار و آگاہ۔ رَتّی رَتّی کا جاننے والا۔ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ جو کچھ تم کرتے ہو، تمہارے نیک اعمال اور تمہارے کرتوت۔ اَطِیْعُوْا، حکم مانو، اطاعت کرو۔ فَاِنْ، اگر۔ تَوَلَّوْا، تم منہ پھیرو، پیٹھ دکھاؤ، روگردانی کرو۔ فَاِنَّمَا عَلَیْہِ، اس کے ذمہ ہے۔ مَا۔ وہ چیز۔ حُمِّلَ، لازم کی گئی۔ بار رکھا گیا۔ وَعَلَیْکُمْ۔ اور تم پر وہ لازم ہے، تمہاری وہ ذمہ داری ہے۔ تم جس بات کے جوابدہ ہو۔ مَا حُمِّلْتُمْ، جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا، جس کے ذمہ دار تم بنائے گئے۔ وَاِنْ،

اور اگر۔ تُطِیْعُوْا، فرمانبرداری کروگے، اطاعت بجالاؤگے۔ ﮦ، اس رسول کی۔ تَهْتَدُوْا، راہ پاؤگے، راہ سے جالگوگے۔ وَمَا نافیہ۔ عَلَی الرَّسُوْلِ، رسول کے ذمہ۔ اِلَّا مگر۔ اَلْبَلٰغُ، پہنچادینا۔ اَلْمُبِیْنُ، صاف صاف۔ جس میں کوئی لاگ لپیٹ نہ ہو، اور نہ کسی کی رُو رعایت، اور نہ تبلیغِ حق میں کسی کا پاس، لحاظ کہ کوئی حکم تقیۃً چھپالیا جائے۔

مطالب و مباحث

نفاق، گوناگوں امراضِ قلب کا مجموعہ، اور ہر ناکردنی و ناگفتنی کی اصل ہے۔ یہ ساری بدمذاقیاں اور بیہودگیاں، جن سے آج ہمارا معاشرہ دوچار ہے، اسی نفاق کی پیداوار ہے۔ بڑی بڑی تاکیدوں سے مؤکد قسمیں کھاکھا کر اپنے ایمان و اسلام کا اقرار کرنا اور اپنے کفر و نفاق سے صاف مکر جانا، منافقین کا ہمیشہ شیوہ رہا، اور آج بھی ہے۔ تو پھر زبانی طور پر اطاعتِ رسول کا دم بھرنے اور قسمیں کھاکھا کر مسلمانوں کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوششوں میں سرگرم رہنے میں ان کا کیا بگڑتا ہے۔ قرآن کریم ان کی اس روش کا پردہ چاک کرتا اور اطاعتِ رسول کی سیدھی سادی راہ پر چلنے کے سیدھے سادے طریقے تعلیم فرماتا اور انہیں تنبیہ کرتا ہے۔ ۱۲

ف ۱۱۱ منافقین اپنے کفر و نفاق کو دل میں چھپاتے رکھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ، نیز مسلمانوں کی عام مجلسوں میں زبانی دعوے یہ کرتے کہ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ اور آپ کے ہم نوا ہیں۔ اگر آپ جہاد کے لیے نکلیں، تو ہم گھربار سب چھوڑ چھاڑ آپ کے قدم بہ قدم جہاد پر جانے کے لیے تیار ہیں، اور یہیں قیام پذیر رہیں، تو ہم آپ کے فرماں گزار و تابع فرماں ہیں، اور اپنے ان زبانی دعووں کو بڑی بڑی قسموں سے مؤکد کرتے۔ ان سے فرمایا گیا کہ زبانی اور نمائشی دعووں سے

کچھ بھی نہیں ہونے کا۔ ضرورت صرف مخلصانہ عمل کی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت گزاری، جبکہ وہ خلوص وصدق پر مبنی ہو۔ تمہاری ان قسموں سے کہیں بہتر ہے، ورنہ تمہارے طور طریق اور لچھن تو یہ بتاتے ہیں کہ اسلام کے لیے، اسلام کی راہ میں خدا ورسول کے حکم کے مطابق جب کسی قربانی کے دینے کا وقت آئے گا، تو تم منہ چھپاتے پھروگے اور اپنے اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ رہو گے، جیسا کہ تمہارا معمول ہی یہ رہا ہے، اور دنیا جانتی ہے کہ اہلِ ایمان سے جو اطاعت مطلوب ہے، وہ مطابقِ شرع اور ہر قسم کے شبہ سے بالاتر ہے نہ کہ وہ اطاعت جس کا یقین دلانے کے لیے قسمیں کھانے کی ضرورت پڑے اور سننے والوں کو پھر بھی یقین نہ آئے۔

جو لوگ حقیقت میں اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوتے ہیں، ان کا رویہ، ان کی روش، اور ان کا طور طریق کسی پر چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ ہر شخص ان کے طرزِ عمل کو دیکھ کر محسوس کر لیتا ہے کہ یہ اپنے دعویٰ میں مخلص اور واقعی اطاعت گزار ہیں۔ پھر اگر تمہاری قسموں کو مان کر اور تمہاری چاپلوسی اور چکنی چپڑی باتوں میں آکر سیدھے سادے مسلمان، تمہاری بات مان بھی جائیں، تب بھی کسی نہ کسی وقت یہ پردہ چاک ہو کر رہے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے واقف ہے۔ زبانی اطاعت اور عملی مخالفت، اس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ وہ حقیقتِ حال سے اپنے رسول کو آگاہ فرمائے گا اور رسول کے ذریعے مسلمان اس سے آگاہی پائیں گے، تو تمہاری فریب کاریاں، خود تمہاری رسوائی وفضیحت کا سبب بن جائیں گی اور دنیا وآخرت میں تمہاری یہ بیہودگیاں وبالِ جان بن جائیں گی، اس لیے سچے دل اور سچی نیت سے اطاعتِ رسول کا مقدس فریضہ انجام دو۔ ۱۲

ف ۱۱۲ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری سے جان بچانا، اور منہ چھپاتے پھرنا، خود ان لوگوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا اسلام ومسلمین کا اس میں کوئی ضرر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ تو دین

کی تبلیغ تھی اور احکام الٰہیہ کا بندوں تک پہنچا دینا اس فرض سے عہدہ برآ ہو چکے جو بات بندوں تک پہنچانی تھی اسے اچھی طرح پہنچا چکے اب آگے اس پر عمل کرنا یہ تمہارا کام ہے۔ تم وہ نہیں کرتے، تو انجام کار خود ہی اس کی سزا پاؤ گے۔ رسول کا یا اسلام و مسلمین کا اس میں کیا ضرر، کیسا ضرر ۱۲

ف ۱۱۳ یعنی رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت و فرمانبرداری عین اطاعت الٰہی ہے بندوں کے پاس اور کوئی ذریعہ ہی احکام الٰہی اور رضائے الٰہی کے علم کا نہیں، بجز وساطت رسول کے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہی وہ دولت عظمیٰ ہے جس کی بدولت حقیقت حال کا علم ہوتا اور ہدایت کی دولتیں میسر آتی ہیں۔ اسوۂ رسول کو اگر درمیان

سے نکال دیا جائے تو قرآن کریم کی بھی پیروی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم کی آیات کریمہ کو ماننا اور قرآن کریم لانے والے کی تشریحات جنہیں احادیث و سنن و آثار کہا جاتا ہے۔ نہ ماننا خود آپ اپنی روحانی موت کا سامان ہے اور گمراہی و ضلالت۔

مسلمانانِ اہلِ سنت خوب یاد رکھیں کہ:

ربِ خبیر و علیم جل جلالہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو علمِ اولین و آخرین عطا فرمایا۔ حضورِ اقدس عالم اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر قرآنِ عظیم اتارا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ ہر چیز کا روشن بیان۔ تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ۔ ہر چیز کی کامل شرح اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا، إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ۔

"اے محبوب! بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو، جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔"

آیتِ کریمہ اس باب میں صریح ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ منصبِ عالی عطا فرمایا ہے کہ آپ کی رائے ہمیشہ صواب

نے حقائق و حوادث آپ کے پیشِ نظر کر دیئے ہیں۔ سب کچھ بتا دیا سب کچھ سمجھا دیا اور سب کچھ سکھا دیا، لہٰذا ان کا فیصلہ حق صریح اور ان کی رائے قرآن کریم کے عین مطابق ہے۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو کچھ حکم، جو کچھ رائے، جو کچھ طریقہ اور جو کچھ ارشاد ہے سب قرآنِ عظیم سے ہے۔ سب قرآنِ عظیم میں ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

بالجملہ قرآنِ کریم جا بجا صاف صریح ارشاد فرماتا ہے کہ نبی کا حکم بعینہٖ اللہ عزوجل کا حکم اور ان کی اطاعت بعینہٖ طاعتِ الٰہی ہے اور اسی لیے طاعتِ الٰہی بے طاعتِ رسول ناممکن۔ اور ہدایت و راہ یابی، ان کے اتباع بغیر لاحاصل، پھر جبکہ رسول کا کام احکامِ الٰہی کی تبلیغ ہے۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت واضح طور پر ان احکام کو بندوں تک پہنچا دیا جو ان کے لیے نازل ہوتے تھے اور بہت واضح طور پر انہیں آگاہ فرما دیا، تو اب بندوں کے لیے اطاعتِ رسول امرِ ناگزیر ہے تو جو سچے دل اور سچی نیت سے ان کا اتباع کریں گے، فلاح پائیں گے اور جو اس سے کترائیں گے خود ہی گمراہی و ضلالت میں بھٹکیں گے اور اپنی دنیا و آخرت خراب کر لیں گے۔

آیت کریمہ کسی لاگ لپیٹ کے بغیر اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ حضورِ اکرم شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے فرضِ تبلیغ سے عہدہ برآ ہو چکے تو اب جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نبی نے چھپا رکھا۔ تقیۃً یعنی خوف کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے نہ پہنچایا، وہ اس ارشادِ ربانی کا منکر۔ قرآن کریم کا باغی اور اسلامی برادری سے خارج و کافر ہے کہ وہ انکار کرتا ہے صریح آیۂ قرآنی کا۔ اسی آیۂ کریمہ کی روشنی میں علمائے دین نے فرمایا کہ احکامِ تبلیغیہ میں انبیاء کرام سے سہو و نسیان محال ہے۔ ۱۲

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٥٧﴾ ع

اللہ نے وعدہ دیا ان کو، جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا، جیسی ان سے پہلوں کو

دی[۱۱۵]۔ اور ضرور ان کے لیے جما دےگا[۱۱۶] ان کا وہ اپنا دین جو ان کے لیے
پسند فرمایا ہے اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا۔[۱۱۷]
میری[۱۱۸] عبادت کریں، میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد[۱۱۹]
ناشکری کرے تو وہی لوگ بے حکم ہیں۔ اور نماز برپا کرو[۱۲۰] اور زکوٰۃ دو اور
رسول کی فرمانبرداری کرو، اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔ ہرگز کافروں[۱۲۱] کو خیال نہ
کرنا کہ کہیں وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں زمین میں۔ اور ان کا ٹھکانا
آگ[۱۲۲] ہے، اور ضرور کیا ہی بُرا انجام۔ (۵۵) (۵۶) (۵۷)

تشریح الالفاظ

وَعَدَ اللّٰهُ، وعدہ دیا اللہ نے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، ان کو جو ایمان لائے۔
مِنْكُمْ۔ تم میں سے۔ وَعَمِلُوْا، اور کام کیے۔ اَلصّٰلِحٰتِ، اچھے اور مطابق
شرع اعمال۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّ، ضرور خلافت دے گا، حکومت دنیاوی عطا فرمائے گا۔
هُمْ۔ انہیں لوگوں کو۔ فِي الْاَرْضِ، زمین میں۔ كَمَا، جیسی، جیسا کہ۔ اسْتَخْلَفَ۔
خلافت دی، خلیفہ بنایا، حکومت بخشی۔ اَلَّذِيْنَ، انہیں، ان لوگوں کو۔ مِنْ قَبْلِهِمْ
ان سے پہلے، پہلوں کو۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ، اور ضرور جما دے گا، قوت دے گا، تمام دینوں پر غالب
کرے گا۔ لَهُمْ، ان کے لیے۔ دِيْنَهُمْ، ان کا دین، یعنی دین اسلام۔ ارْتَضٰى،
پسند کیا، اس کا مصدر اِرْتِضَاء ہے اور مادہ رضا و رِضوان بمعنی پسندیدگی
و خوشنودی۔ وَلَيُبَدِّلَنَّ، اور ضرور بدل دے گا، تبدیل کر دے گا۔ مِنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ،
ان کے خوف کے بعد، یعنی کافروں سے دہشت زدگی کے بعد۔ اَمْنًا، امن و اطمینان۔
يَعْبُدُوْنَنِيْ۔ عبادت کریں وہ لوگ میری۔ اس کا مصدر عبادت ہے بمعنی پرستش و

بندگی۔ لَا یُشْرِکُوْنَ، شریک نہ ٹھہرائیں بِیْ، میرا۔ شَیْئًا، کسی شے کو۔ وَمَنْ کَفَرَ، اور جو کوئی ناشکری کرے، کفرانِ نعمت پر اتر آئے اور یہاں اس سے مراد یہی کفرانِ نعمت وناشکرگزاری ہے۔ اور دلیل اس پر یہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کو تو الْفٰسِقُوْنَ فرمایا کہ بے حکم ونافرمان ہیں، اور مراد اس سے کفر مقابلِ ایمان ہوتا تو انہیں کَافِرُوْن فرمایا جاتا۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ، نماز برپا رکھو، پابندی سے ادا کرتے رہو۔ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دو، وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ، اور فرمانبرداری کرتے رہو رسول کی۔ لَا تَحْسَبَنَّ، ہرگز خیال نہ کرنا۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا، ان لوگوں کو جنہوں نے کفر اختیار کیا، یعنی کافروں کو۔ مُعْجِزِیْنَ جمع ہے مُعْجِزٌ کی، اس کا مصدر اعجاز ہے، جس کے معنی ہیں کسی کو عاجز و بے بس کر دینا، اسی لیے مُعجزہ کو معجزہ کہتے ہیں۔ تھکا دینے والے، قابو میں نہ آنے والے، بے قابو۔ مَاْوٰھُمُ، اُن کا ٹھکانا، اَلنَّار۔ دوزخ۔ لَبِئْسَ، بُرا اور بہت بُرا۔ اَلْمَصِیْرُ، انجام۔ پلٹنے کا مقام۔

مطالب ومباحث

ابھی اوپر اہلِ ایمان کے متعلق بیان فرمایا گیا کہ خدا و رسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرماں گزاری اور ان کے ہر حکم وامر کی تعمیل، ان کی سرشت میں داخل اور ان کے خمیرِ فطرت میں شامل ہے اور ایمان نام ہے تصدیق بماجاء بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا۔ یعنی نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو ہر بات میں سچا جاننا حضور کی حقانیت کو صدقِ دل سے ماننا، اور ایمانیات وضروریاتِ دین کے دائرہ کے اندر جتنی چیزیں بھی ہیں، ان پر ایسا یقین واثق ہونا کہ کوئی شائبہ کسی شک وریب کا باقی نہ رہے۔ ایمان کی کیفیتِ نفسی شک وریب اور تردد وتذبذب کی بالکل ضد ہے۔ ایمان سے دماغ کو سکون، دل کو اطمینان اور رُوح کو تسلی نصیب ہوتی ہے اور یہی یقینِ کامل و

ایمانِ واثق، مسلمان کو ہر آن، ہر لحظہ، خدا و رسول کی اطاعت اور اعمالِ صالحہ کا امتزاج ہوتا ہے۔ گویا اعمالِ صالحہ ایمان کے ہم مزاج بن جاتے ہیں تو نتیجہ وہ نکلتا ہے کہ بندۂ مومن کو خلافتِ ارضی سے نوازا، اور اسے ہر اندیشہ و خوف سے مامون و محفوظ فرما دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیاتِ کریمہ اسی وعدۂ الٰہیہ کا بیان فرماتی اور اسے بیش از بیش ایمان پر ثبات اور اعمال صالحہ کی طرف بلاتی ہیں۔

عملِ صالح یا نیک عمل کے سمجھنے میں بہتوں کو دھوکہ ہوا ہے اور یہ مغالطہ آجکل بہت عام ہو گیا ہے اور سمجھا یہ جانے لگا ہے کہ نیکی اور ایمان، گویا ایک دوسرے سے بالکل الگ اور بے تعلق چیزیں ہیں۔ اور پھر اس مفروضہ کی ایک فرع یہ قائم کی گئی ہے کہ ایک شخص ممکن ہے کہ بہت صالح اعمال کا ہو، لیکن ایمان سے یک لخت دور و محروم۔ حالانکہ یہ تخیل ہی سرتاسر غلط ہے۔ نیکی ایمان سے الگ نہیں، ایمان ہی کی عملی شکل کا نام ہے۔ ایمان جب تک قلبی ہے ایمان ہے۔ اگر قولی و لسانی ہے تو اسلام ہے اور وہی ایمان جب عمل سے ظاہر ہونے لگتا ہے، تو اس کا نام حُسنِ عمل اور حُسنِ کردار یا عملِ صالح پڑ جاتا ہے اور حُسنِ عمل کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ عمل رضائے الٰہی کے مطابق ہو۔ کوئی نیکی اگر ایسی پیش کی جاتی ہے جس کی تہ میں جذبۂ ایمانی خفیف سا بھی موجود نہیں، تو وہ نیکی نہیں۔ نیکی کی صرف صورت ہے، نیکی کی صرف نقل ہے۔ اور جس طرح نماز کی نقل محض، نماز نہیں، اسی طرح کسی نیکی کی نقل پر اطلاق، نیکی کا نہیں ہو سکتا۔ عملِ صالح و کارِ خیر یا اچھے اور نیک عمل کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل ضابطۂ شریعت کے مطابق اور موافق ہو (ماخوذ)

یہی وجہ ہے کہ کفار و مشرکین کے وہ اعمالِ صالحہ جو بظاہر صالحہ نظر آتے ہیں، آخرت میں ان پر کوئی اجر، کوئی ثواب، کوئی صلہ مترتب نہیں۔ جو کچھ ہے اسی دنیائے فانی کی فانی آسائشوں تک ہے، یہی ان کا صلہ ہے: وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔

شانِ نزول

سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے وحی نازل ہونے سے دس سال تک مکہ مکرمہ میں مع اصحاب کے قیام فرمایا اور کفار کی ایذاؤں اور ستم رسانیوں پر جو شب و روز ہوتی رہتی تھیں، صبر اختیار کیا اور دولتِ ایمان کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ پھر بحکمِ الٰہی مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی اور انصار کے منازل کو اپنی سکونت سے سرفراز کیا، مگر قریش اور کفارِ مکہ اس پر بھی باز نہ آئے۔ روزمرہ ان کی طرف سے جنگ ہوتے رہتے اور طرح طرح کی دھمکیاں ان غریب الدیار مہاجرین اور مدینہ طیبہ کے قدیم باشندے انصار کرام کو دی جاتیں، اور تقاضائے فطرتِ انسانی کے تحت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہ جاں نثار، جاں گسار صحابی ہر وقت خطرے میں گھرے رہتے اور اپنی حفاظت و مدافعت کے لیے اپنے ہتھیار ساتھ رکھتے کہ نہ معلوم، روز و شب کی کس گھڑی میں دشمن یلغار کر دیں اور ایک روز ایک جاں نثار صحابی نے بارگاہِ رسالت میں عرض کر ہی دیا کہ "یارسول اللہ! کبھی ایسا بھی زمانہ آئے گا کہ ہمیں امن و اطمینان میسر ہو اور ہتھیاروں کے بار سے ہم سبکدوش ہو جائیں" اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "وہ وقت انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد آنے والا ہے، جب تم آرام و اطمینان سے رہ سکو گے اور تمہارے جسم پر کوئی ہتھیار نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ کی تائید میں یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں۔

ف۱۱۴ یعنی ایمان و اعمالِ صالحہ کی برکت سے، ان اہلِ ایمان کو، یہ استخلاف، یا حکومتِ ارضی حاصل ہو کر رہے گی، چونکہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدۂ صادقہ ہے اور کفار کی فرمانروائی ختم ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ سیّدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ "جس جس چیز پر شب و روز گزرے ہیں، ان سب پر دینِ اسلام داخل ہوگا۔"

ہوئی مسلمانوں کا تسلط ہوا۔ مشرق و مغرب کے ممالک' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فتح فرمائے
اکاسرہ کے ممالک خزائن ان کے قبضہ میں آتے اور دنیا پر ان مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔
اور امن و تمکین، غلبۂ دین، عزتِ اسلام اور شوکتِ مسلمین کے پھریرے لہرانے لگے۔ ۱۲
ف۱۱ جیسا کہ حضرت سلیمان و دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو خلافت بخشی،
اور قوم لوط کو جالوت اور زبردست فلسطینیوں کے مقابلہ میں یا یوشع بن نون کے زمانہ میں
بنی اسرائیل کو زبردست قوم عمالقہ کے مقابلہ میں خلافت دی اور ان ممالک پر ان کو مسلط
کیا۔ ۱۲

ف۱۲ یعنی خلافتِ الٰہیہ کا ثمرہ یہ ہوگا کہ دینِ اسلام تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ اللہ
کا پسندیدہ دینِ اسلام مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے گا۔ چنانچہ دنیا نے چند سال ہی میں
دیکھ لیا اور اسلام عرب سے نکل کر ایشیا۔ و افریقہ کے بڑے حصے پر چھا گیا اور اس کی
جڑیں اپنی پیدائش کی زمین ہی میں نہیں، بلکہ کرۂ زمین میں جم گئیں۔ ۱۲

ف۱۳ ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ دیتا کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ میں مذہب
غیر از اسلام کو بھی لفظ دین سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس لیے آیت کا یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے
کہ محض زبانی دعویٰ ایمان کرنے والی قومیں بھی اس میں داخل مانی جاسکتی ہیں اور ان کی
ملوکیت و حکومت کو اس خلافت میں شامل کیا جاسکتا ہے لیکن قرآن کریم نے اس کے ساتھ ہی
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ کے پاک الفاظ بھی نازل فرمائے تاکہ اس اشتباہ کی جڑ ہی
کٹ جائے اور دنیا کے حقائق پسند اہل الرائے پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان الفاظ
سے جس دین پاک کی جانب اشارہ ہے، وہ وہی دین ہے جس کے لیے وَرَضِيْتُ
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ اور پھر اسلام ہی کے متعلق یہ بات بھی واضح کر دی کہ اِنَّ
الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اور اسی سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے جن بندوں
کو خلافتِ ارضی دینے کا وعدہ فرمایا ہے، اس کے مخاطب غیر مسلم تو غیر مسلم، وہ کلمہ گو اور مدعیانِ

اسلام بھی نہیں جو محض مردم شماری کے اعتبار سے مسلمان ہیں۔ یہ وعدہ صرف اور صرف ایسے مسلمانوں کے حق میں ہے جو صادق الایمان ہوں۔ اخلاق اور اعمال کے اعتبار سے صالح ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کا اتباع کرنے والے ہوں اور ہر قسم کے کفر و نفاق سے پاک ہوکر خالص اللہ عزوجل کی بندگی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کے پابند ہوں۔ ان صفات سے عاری' اور محض زبان سے ایمان کے مدعی نہ اس وعدے کے اہل ہیں اور نہ ان سے یہ وعدہ کیا گیا ہے، لہٰذا وہ اس میں حصہ دار بننے کی توقع نہ رکھیں۔ باغی طاقتیں بھی اگر خلافت کے اس منصب عالی پر سرفراز مان لی جائیں تو پھر فرعون و نمرود آخر کیوں اس زمرے میں شمار نہ کیے جائیں۔ ۱۲

معلوماتِ کثیرہ پر مشتمل فائدۂ جلیلہ

قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ
"ہم نے اس کتاب یعنی قرآن مجید میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔" اس لیے ہمارا ایمان ہے کہ قرآن میں تمام احکاماتِ جزئیہ تفصیلیہ ہی نہیں، بلکہ ازل ہی سے ابد تک وجود و ظہور میں آنے والے تمام حوادث و واقعات، بالاستیعاب اس میں مذکور ہیں۔

امیر المومنین حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور پُر نور شافع یوم النشور عالم اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ (رواہ الترمذی)
"قرآن کریم کہ کتاب اللہ ہے، اس میں خبر ہے ہر اس چیز کی جو تم سے پہلے ہے اور ہر اس شے کی جو تمہارے بعد ہے اور حکم ہے ہر اس شے کی جو تمہارے بعد ہے اور حکم ہے ہر اس امر کا جو تمہارے درمیان ہے۔"

اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، "اگر میرے اونٹ

کی رسّی گم ہو جائے، تو میں قرآنِ عظیم میں اسے پالوں۔" (الاتقان للسیوطی)

اس لیے یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم کا اخبار ماضیہ یعنی گزشتہ واقعات کی خبریں دینا، جس طرح ایک زبردست دلیل اس کے کلام اللہ ہونے پر ہے۔ یونہی آنے والے حادثات کو بیان کرنا اور زمانۂ مستقبل کے متعلق پیشگوئیوں کا اعلان کرنا بھی، ایک برہانِ ناطق ہے اس کے کلامِ الٰہی ہونے پر۔ اور چودہ صدیوں کا عہدِ طویل شہادت دے رہا ہے کہ نزولِ قرآنِ پاک کے بعد سے آج تک ان میں سے وہ پیشگوئیاں کس طرح تمام دنیا کے سامنے حرف بہ حرف اور ہو بہو پوری ہوتی رہی ہیں۔

مذکورہ بالا آیہ کریمہ بھی خلافتِ راشدہ کے متعلق ایک پیشگوئی ہے، جس میں خلافتِ راشدہ سے متعلق علامات بھی واضح طور پر بیان فرمائی گئی ہیں اور یہ ایک پیشگوئی دراصل چھ پیشگوئیوں اور ایک تنبیہ پر مشتمل ہے:

(۱) اللہ انہیں زمین میں خلافت دے گا، اور بجائے کفار کے ان کی فرمانروائی ہوگی۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ خلفائے راشدین کا نام قرآن مجید میں خلفاء رکھا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا تقرر و انتخاب منجانب اللہ تھا۔

(۲) آیتِ کریمہ ثبات و مکنتِ دین، عزتِ اسلام اور شوکتِ دین متین کا بھی وعدہ کرتی ہے۔

(۳) اس میں امن بسیط، آسائش تام، رفاہیت کاملہ اور اندرونی و بیرونی نظم و نسق کا اظہار ہے جو خلافتِ خلفاء راشدین میں حاصل ہوا تھا۔

(۴) یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ کے لفظ نے خلفاء کے خلوصِ قلب، صدقِ ارادت اور استحکام علم و عمل پر مہر لگا دی۔

(۵) لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ فرمانے سے وصف کی تکمیل ہو گئی اور نفی شرک نے توحید کامل، اعتقاد کا رسوخ ایمان کی سلامتی اور دوام عمل کو بخوبی راسخ کر دیا۔

(۶) شَیۡـًٔا کے فرمانے سے شرک خفی کی بھی نفی ہو گئی اور ریاء و سمعہ کا شائبہ بھی جاتا رہا۔

(۷) اور ان تمام علامات کے بعد یہ بھی بتلا دیا کہ خلفاء راشدین کی برکتوں کا انکار یا اس پیشگوئی میں اشتباہ بہت برے انجام تک پہنچاتا ہے اور بارگاہ الٰہی سے اسے مستحق لعنت بناتا ہے۔

خبر دی گئی اور جس کی فتح مندی، نصرت و امن اور دینداری و صداقت گستری کی بابت پیشگوئی فرمائی گئی۔ خلافتِ راشدہ میں ٹھیک اسی طرح ہر ایک بات پوری اتری جس کی شہادت نہ صرف مسلمانوں کی تاریخ بلکہ معاندینِ اسلام کی تحریروں اور ممالکِ غیر کی تواریخ سے بخوبی حاصل ہوتی ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ گویا نص ہے۔ خلفاء اربعہ راشدین کے برسرِ حق ہونے کی۔ ان کی ذواتِ مقدسہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ استخلاف فی الارض اور تمکینِ دین، امنِ بسیط اور آسائش تام اور رفاہیتِ کامل پوری پوری طرح پورا ہو کر رہا۔ اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم کی اس پیشگوئی کا ظہور بھی ہوا جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیدنا عدی بن حاتم طی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمائی تھی: "وہ اپنی عمر میں دیکھ لے گا کہ ایک عورت صنعاء سے تنہا چل کر حج کرے گی، اور راستے میں اسے خوفِ الٰہی کے سوا، اور کسی کا خوف نہ ہوگا۔"

قرآن کریم کی پیشگوئی فرما رہی ہے کہ ان بندگانِ حق کی خلافت ان ہر دو اوصاف کی جامع ہوگی اور وہ دنیا میں حکومت کا ایک ایسا نمونہ چھوڑے گی، جس کی تقلید کرنے سے آج تک فرانس و امریکہ کی جمہوریت بھی درماندہ و عاجز ہے۔ البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو سلطنتِ مصطفویہ کے پہلے سلطانِ عادل اور اولِ ملوک اسلام ہیں، وہ اس زمرے میں شامل نہیں کہ وہ نزولِ آیت کے وقت ایمان نہیں لاتے تھے اور نص میں ان کی جانب اشارہ نہیں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "خلافت میرے بعد تیس سال ہے، پھر ملوکیت و بادشاہت ہوگی۔" تو منہاجِ نبوت پر خلافتِ حقہ راشدہ تیس سال رہی کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھ مہینے پر ختم ہوگئی۔ اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت دو برس، تین ماہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال چھ ماہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بارہ سال۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت چار سال نو ماہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی خلافت چھ ماہ ہوئی۔ البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اول ملوک اسلام ہیں اور ان کی بادشاہی اور انداز فرماں روائی، اگرچہ سلطنت اور شاہانہ شان و شوکت سے عبارت ہے، مگر یہ سلطنت بھی ہے کس کی ؟ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جس کی جانب توراۃ مقدس میں اشارہ ہے ، مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَمُهَاجَرُهٗ طَيْبَةُ وَمُلْكُهٗ بِالشَّامِ (یعنی وہ نبی آخر الزماں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) مکہ میں پیدا ہوگا اور مدینہ کو ہجرت فرمائے گا اور اس کی سلطنت شام میں ہوگی -"
اور خلافت راشدہ کے بعد ملک شام میں جو سلطنت وجود میں آئی. وہ سلطنت ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، تو جو ان سے بغض رکھے اور جسے ان کے ساتھ سوء عقیدت ہو وہ گمراہ و بدمذہب اور مستحق جہنم ہے اگرچہ چاروں خلفاء کو مانے اور اپنے آپ کو سُنّی کہلائے۔

ناظرین ! یاد رکھیں کہ یَعْبُدُوْنَنِیْ کے لفظ نے خلفاء اربعۂ اسلام کے خلوص قلب، صدق ارادت اور استحکام علم و عمل پر مہر لگادی اور رب قدوس تبارک و تعالیٰ کی جانب سے کسی بندہ کی قبولیت کا اظہار، وہ انتہائی فخر و عزت ہے جو قرآن مجید میں انبیائے کرام ہی کے لیے خاص تھا۔ یہاں اس شرف میں خلفائے راشدین کو بھی شامل کر لیا گیا. پھر لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ فرمانے سے وصف کی تکمیل ہوگئی کہ اوصاف عالیہ کی تقسیم اثبات و سلب پر کی جاتی ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ وصف مثبت ہے اور لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ صفت سلبی ہے جس نے وصف مثبت کی تکمیل کردی۔ یہاں بھی نفی شرک نے توحید کامل، اعتقاد کا رسوخ، ایمان کی سلامتی اور دوام عمل کو بخوبی واضح کر دیا اور شَیْئًا کے فرمانے سے شرک جلی کے ساتھ شرک خفی کی بھی نفی ہوگئی. ریا و سمعہ نمائش و خود نمائی کا شائبہ بھی جاتا رہا اور نور صدق و صفا کا کامل ظہور ہوگیا اور ان علامات کے بعد یہ بھی بتادیا کہ

خلفاء کی برکتوں کا انکار یا اس پیشگوئی کا اشتباہ بہت بڑے انجام تک پہنچاتا ہے اور بارگاہِ الٰہی سے اسے دُور، محروم و مہجور بنا دیتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قیام خلافتِ حقہ کے اعزاز کو ہمیشہ اپنے ہی اقتدار و اختیار اور انتخاب میں رکھا ہے، اور مومنین و صالحین میں سے جنہیں اس خلافت کے لیے منتخب فرمایا اور انہیں وعدۂ خلافت دیا اور ان سے یہی فرمایا "اللہ انہیں خلیفہ بنائے گا، اللہ انہیں خلافت عطا فرمائے گا" اس سے ایک تو یہ ثابت ہو گیا کہ خلفائے راشدین کا نام قرآن مجید میں خلفاء رکھا گیا ہے۔ دوم یہ کہ ان کا تقرر و انتخاب منجانب اللہ تھا۔ اب بھی جو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے، وہ اپنا سر کھپائے اور جہنم میں جائے (رحمۃ للعالمین وغیرہ)

ف ۱۱۸ کیسا صاف صریح ارشاد ہے کہ اس استخلاف فی الارض کی شرط یہی ہے کہ تم خالص اللہ تعالیٰ کی بندگی پر قائم ہو، جس میں شرک کی ذرہ بھر بھی آمیزش نہ ہونے پائے۔ اور کسی طرح کا شرک بھی اس کے ساتھ روا نہ رکھا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جسے بھی دُنیا میں اور دنیا کے کسی گوشہ میں فرمانروائی حاصل ہے اسے بندۂ مومن و صالح اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کا پیرو اور بندگیٔ حق پر عامل اور شرک سے مجتنب قرار دے دیا جائے اور اس کی خاطر ایمان، صلاح، دینِ حق، عبادتِ الٰہی اور شرک وغیرہا امور کا مفہوم ہی بدل دیا جائے۔ یہ قرآنِ کریم کی بدترین معنوی تحریف ہے جسے بعض کلمہ گو فرقوں نے اختیار کیا اور اسے دین و مذہب بنا کر اس وعدۂ الٰہیہ کو یہاں سے اٹھا کر عیسائیوں اور یہودیوں بلکہ ملحدوں دہریوں کی حکومت پر جما دیا۔ ۱۲

ف ۱۱۹ یعنی اس وعدۂ صادقہ کے ظہور کے بعد بھی جو لوگ حق سے منحرف ہو جائیں اور طریق حق سے ہٹ جائیں اور اپنی منافقانہ روش سے باز نہ آئیں تو ان کا فسق و فجور دوسروں کے فسق و فجور سے کہیں بڑھ کر ہے اور اسی اعتبار سے وہ سزا کے مستحق ہیں۔ ۱۲

ف ۱۲۰ نماز برپا کرنے سے مراد اسے بہ پابندیٔ اوقات، تمام حقوق و فرائض و سنن و

مستحبات کی رعایت کے ساتھ ادا کرنا ہے اور اسی میں داخل ہیں، تمام بدنی طاعات، یونہی ادائے زکوٰۃ میں تمام مالی عبادتیں شامل ہیں اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام طاعات بدنی ومالی میں مشغول اور رسولِ برحق کے تمام احکام وہدایات پر کاربند رہو ۱۲

ف ۱۲۱ یعنی آخرت میں تو ان کافروں، ملحدوں کے لیے عذاب ہے ہی، دنیا میں بھی یہ خیال گزرے کہ ان کی چالیں، خدائی تدبیروں پر غالب آسکتی ہیں اور معاندین منکرین اس کی گرفت سے بچ کر کہیں نکل بھاگ سکتے ہیں۔ جب ان کی گرفت ہوگی تو ڈھونڈے سے کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ ۱۲

ف ۱۲۲ یہ آگ دنیا کی نہیں، دوزخ کی آگ ہوگی۔ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ تیز اور جلانے والی۔ یہ دنیا کی آگ (جس کی تیزی اور گرمی سے کون واقف نہیں کہ بعض موسم میں تو اس کے قریب جانا، بلکہ اس کے پاس سے گزرنا شاق ہوتا ہے پھر بھی یہ آگ) خدا سے دعا کرتی ہے کہ اسے جہنم میں پھر نہ لے جائے۔ بعض احادیثِ کریمہ میں آیا ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر حصے زیادہ تیز ہوگی۔ آخرت کا یہ عذابِ آتشیں کافروں کے لیے ہے۔ اہلِ فسق وعصیان جو تادیب کے لیے اس میں داخل کیے جائیں گے، ان کا دخول محض عارضی ہوگا۔ اپنے کیے کی سزا پاکر بفضلِ الٰہی جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں کی نعمتوں میں، صالحین کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ شامل ہوں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مصائبِ جہنم کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے، اس سے ثابت ہے کہ جہنمیوں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ، آگ[ا] کے کپڑے، آگ[ب] کے اوڑھنے، آگ[ا] کے بچھونے، اوپر[ت] آگ کے پہاڑ، نیچے آگ[ث] کے پہاڑ، کھولتے[ج] ہوئے پانی، کھولتے ہوئے پیپ کا پلایا جانا، آگ[د] کے کانٹے، جہنمی[ذ] تھوہر کا کھلایا جانا، صعود[ر] پہاڑ پر چڑھا کر گرایا جانا، لوہے[ز] کے گرزوں سے سروں کا کچلا جانا، ستر[س] ہاتھ کی آتشیں زنجیر میں پرویا جانا، جہنم[ش] کے کھولتے ہوئے پانی کا سر پر ڈالا جانا، آگ[ص] کی بیڑیوں میں جہنمیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جکڑا جانا۔ گھروں[۱۵] میں آگ

کا طوق ڈالا جانا، جہنّم کے کھولتے ہوئے پانی کے پینے سے جو کچھ پیٹوں کے اندر ہے اُس کا گل سڑ جانا، سروں پر پانی ڈالے جانے سے کھالوں کا گل جانا، جیسے ہی ایک کھال پک جائے گی، فوراً ہی دوسری نئی کھال کا بدن پر آجانا تاکہ عذاب کا مزہ چکھتے ہی رہیں۔ رال کے کرتے پہنائے جانا تاکہ عذاب کی سختی اور بڑھ جائے۔ والعیاذ باللہ۔

بالجملہ دوزخ اس قہار و جبار کے جلال و قہر کا مظہر ہے، جس طرح اس کی رحمت و نعمت کی انتہا نہیں کہ انسانی خیالات و تصورات جہاں تک پہنچیں وہ ایک شمہ ہے اس کی اُن بے شمار نعمتوں سے، جن کو آنکھوں نے نہ دیکھا، نہ کانوں نے سُنا، نہ کسی کے دل پر ان کا خطرہ گزرا، اور جو ایمان والوں کو جنت میں مہیا کی جائیں گی۔ اسی طرح اس کے قہر و غضب کی کوئی حد نہیں کہ ہر وہ تکلیف و اذیت کہ ادراک کی جائے، ایک ادنیٰ حصہ ہے اس کے بے انتہا عذاب کا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ دوزخ سے پناہ مانگیں اور ان اعمال سے بچیں جن کی جزا جہنّم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ جہنّم سے پناہ مانگتا ہے، جہنّم کہتا ہے اے رب تعالیٰ! یہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو اس کو پناہ دے۔" قرآن کریم میں بکثرت ارشاد ہوا "جہنّم سے بچو، دوزخ سے ڈرو۔" ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم کو سکھانے کے لیے کثرت کے ساتھ اس سے پناہ مانگتے: رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

یہاں یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ قیامت و بعث و حشر و حساب و ثواب و عذاب کی طرح جنت و دوزخ کے بھی وہی معنی ہیں جو مسلمانوں میں مشہور ہیں۔ جو شخص ان چیزوں کو توحق کہے مگر ان کے معنی نئے گھڑے مثلاً ثواب کے معنی اپنے حسنات کو دیکھ کر خوش ہونا اور عذاب کے معنی اپنے بُرے اعمال کو دیکھ کر غمگین ہونا بتائے یا یہ کہے کہ جسم سے الگ ہو کر روح کو اپنے اچھے اعمال کی فلم دیکھ کر خوشی ہوگی۔ اسی روحانی خوشی کا نام جنت ہے اور بُرے کاموں کی فلم دیکھ کر جو صدمہ ہوگا، بس اسی روحانی صدمے کا نام دوزخ ہے جیسا کہ آجکل کے نیچری کہتے ہیں تو وہ حقیقۃً ان چیزوں کا منکر اور کافر ہے اور اسلامی برادری سے خارج ۱۲۰

احکام و فوائد کا خلاصہ

سورۂ کریمہ کے ساتویں رکوع سے جو فوائد و احکام حاصل ہوتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) ایمان کا تقاضا اور مسلمان کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اطاعت و فرمانبرداری میں منہمک و سرگرم رہے اور کوئی خواہش، کوئی آرزو اس راہ میں اس کے آڑے نہ آسکے۔

(۲) ایمان کی حقیقت، خدا اور رسول کے احکام و فرامین کو گوشِ ہوش سے سننا، دل سے انہیں مان لینا اور ایسی تصدیق ہے جس میں شک و شبہ کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔

(۳) دنیا و آخرت کی ہر فلاح ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ پر مبنی ہے اور یہی اصل کار ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلے، بعینہٖ خدائی فیصلوں کے نافذ کرنے والے فیصلے ہیں۔

(۵) حاکم شرعی کی شرعی عدالت میں طلبی، خدا اور رسول کی بارگاہ میں طلبی کے مترادف ہے۔

(۶) اطاعتِ رسول کے بغیر نہ دعویٰ ایمان مقبول، نہ طاعت و عبادت قبول۔

(۷) تقویٰ کے مراتب اور ان کی اجمالی تفصیل، فلاحِ ظاہر و فلاحِ باطن کا تبیان۔

(۸) نفاق، گوناگوں امراضِ قلب کا مجموعہ اور ہر ناکردنی و ناگفتنی کی اصل ہے۔

(۹) زبانی اور محض نمائشی دعوے کوئی حقیقت نہیں رکھتے، ضرورت مخلصانہ عمل کی ہے۔

(۱۰) اطاعتِ رسول سے روگردانی سراسر محرومی کا پیش خیمہ ہے اور باعثِ لعنت۔

(۱۱) اسوۂ رسول کو درمیان میں لائے بغیر قرآن کریم کی پیروی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو کچھ حکم ہے سب قرآنِ عظیم سے ہے، سب قرآن عظیم میں ہے۔

(۱۳) ایمان و اعمالِ صالحہ کے امتزاج کا نتیجہ، زمین پر خلافتِ الٰہیہ کی تحصیل ہے۔

(۱۴) قرآن کریم میں خلفائے راشدین و خلافتِ راشدہ کی علامات اور پیشگوئی۔

(۱۵) حضرت امیر معاویہ سلطنتِ مصطفویہ کے پہلے سلطانِ عادل اور اوّل ملوکِ اسلام ہیں۔

(۱۶) استخلاف فی الارض کی بنیادی شرط، اللہ تعالیٰ کی توحید پر قیام اور شرک سے دوری ہے۔

(۱۷) جہنم کے بعض مصائب کا بیان۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ
الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ
الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ
ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا
عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ
بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾
وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ
فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

اے ایمان والو! چاہیے کہ تم سے اذن لیں تمہارے ہاتھ کے مال غلام اور
وہ جو تم میں ابھی جوانی کو نہ پہنچے، تین وقت، نمازِ صبح سے پہلے اور جب
تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو دوپہر کو اور نمازِ عشاء کے بعد، یہ تین وقت
تمہاری شرم کے ہیں۔ ان تین کے بعد کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر آمد و رفت
رکھتے ہیں تمہارے یہاں ایک دوسرے کے پاس۔ اللہ یونہی بیان کرتا ہے
تمہارے لیے آیتیں، اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ اور جب تم میں لڑکے جوانی
کو پہنچ جائیں، تو وہ بھی اذن مانگیں جیسے اگلوں نے اذن مانگا۔ اللہ
یونہی بیان فرماتا ہے تم سے اپنی آیتیں، اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔
(۵۸، ۵۹)

تشریح الالفاظ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، اے ایمان والو! خطاب اہلِ ایمان ہی سے ہے کہ مسلمان کی شان ہی اطاعت و فرماں گزاری اور حکمِ مولیٰ کی تعمیل ہے بلا تردد۔ لِیَسْتَاْذِنْ، چاہیے کہ اذن لیں۔ اس کا مصدر اِسْتِیْذَان ہے یعنی اجازت طلبی، اور مادہ اس کا اِذن ہے جو اردو میں عام طور پر مستعمل ہے۔ کُمْ، تم سے۔ اَلَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ، تمہارے ہاتھ کے مال، تمہارے مملوک۔ غلام اور باندیاں۔ وَالَّذِیْنَ، اور وہ جو۔ لَمْ یَبْلُغُوْا، نہیں پہنچے۔ اَلْحُلُمَ، حدِ بلوغ، جوانی۔ مِنْکُمْ، تم میں سے۔ ثَلٰثَ، تین۔ مَرّٰت، اکثر اوقات۔ یہ جمع ہے مَرَّۃ کی بمعنی ایک بار۔ مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ، نمازِ صبح سے پہلے، اور یہ وہ وقت ہے مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور عام انسانوں کے لیے خصوصاً اور عام انسانوں کے لیے عموماً خوابگاہوں سے اٹھنے اور شب خوابی کا لباس اتار کر بیلی سی کے کپڑے پہننے کا۔ وَحِیْنَ، اور جس وقت۔ اس کی جمع آتی ہے اَحْیَان

حِلیۡـنَـۃٌ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ تَضَعُوۡنَ، اتار رکھتے ہو، اس کا مصدر وَضۡع ہے، جو کثیر معنی میں مستعمل ہے۔ ثِیَابَکُمۡ، اپنے کپڑے۔ ثِیَاب جمع ہے ثَوۡب کی، اس کی جمع اَثۡوَاب بھی آتی ہے۔ مِنَ الظَّھِیۡرَۃِ، دوپہر کے وقت۔ اَلظَّھِیۡرُ بھی اس معنی میں استعمال ہے اور یہ عموماً وہ وقت ہے قیلولہ کر لے اور بالخصوص موسم گرما میں کپڑے اتار کر تہبند باندھ لینے کا۔ وَمِنۡ بَعۡدِ صَلٰوۃِ الۡعِشَآءِ۔ اور نماز عشاء کے بعد کہ وقت ہے بیداری کا لباس اتارنے اور سوتے وقت کا لباس پہننے کا۔ ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّکُمۡ، یہ تین وقت تمہاری شرم کے ہیں کہ ان اوقات میں خلوت و تنہائی ہوتی ہے۔ پردے کا زیادہ اہتمام نہیں ہوتا۔ لَیۡسَ، نہیں ہے۔ عَلَیۡکُمۡ، تم پر۔ وَلَا عَلَیۡھِمۡ، اور نہ ان پر۔ جُنَاحٌ گناہ الزام۔ کثیر المعنی لفظ ہے۔ طَوّٰفُوۡنَ، آمد و رفت رکھنے والے۔ جمع ہے طَوَّاف کی، اس کا مصدر ہے طَوۡف اور طَوَاف۔ چکر لگانا، پھیرے کرنا، بار بار آنا جانا۔ بَعۡضُکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ۔ ایک دوسرے کے پاس۔ کَذٰلِکَ۔ یونہی، اسی طرح۔ یُبَیِّنُ، بیان و واضح کرتا ہے۔ توضیح کرتا اور کھول کر بتا دیتا ہے۔ لَکُمۡ، تمہارے لیے۔ عَلِیۡمٌ، علم والا۔ حَکِیۡمٌ حکمت والا کہ اس کے تمام احکام حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں اور اس کے احکام میں سب ہی پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے۔ وَاِذَا، اور جب۔ بَلَغَ۔ سن بلوغ کو پہنچا، بالغ ہوا۔ لفظ اِذَا نے اس میں استقبال کے معنی پیدا کر دیئے، یعنی جب حد بلوغ کو پہنچ جائیں۔ بالغ ہو جائیں۔ اَلۡاَطۡفَال، لڑکے۔ جو اب ناسمجھ نہیں، بلکہ بچپن کی مدود پھلانگ کر، لڑکپن کی حدیں طے کر رہے ہیں۔ یہ جمع ہے طِفۡل کی، بمعنی لڑکا، جو ابھی بالغ نہیں ہوا۔ طِفۡلَۃٌ، اس کا مونث ہے۔ عربی میں ذرا ذرا سے فرق سے یہ لفظ کثیر معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فَلۡیَسۡتَاۡذِنُوۡا۔ اذن مانگیں، اجازت چاہیں۔ کَمَا، جیسے کہ۔ اِسۡتَاۡذَنَ، اذن مانگا، اجازت طلب کی۔ اَلَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ۔ ان کے اگلے یعنی اس سے بڑے مرد۔

مطالب و مباحث

قرآن کریم میں جا بجا تذکرہ تین گروہوں کا آتا ہے۔ ایک اولیاء اللہ یعنی خدا کے دوست دار، اور اہلِ ایمان، جن کا شعار ہے تصدیق احکام شریعت اور ان کی تعمیل۔

دوسرے اعدائے دین، جو علمِ الٰہی میں ایمان سے محروم اور وضوحِ حق کے بعد بھی قبولِ حق سے روگرداں و گردن کش۔

تیسرے وہ کہ زبان پر کلمہ، دل میں انکار، ظاہراً مسلمان، باطناً حق و حقانیت کے منکر۔ اور ظاہر ہے کہ انسانی معاشرے کی اصلاح نہ ان منکروں کے ہاتھوں انجام پا سکتی ہے، نہ منافقوں کے بس کا یہ روگ ہے۔ اصلاح معاشرہ جس چیز کا نام ہے، وہ مسلمان ہی کا کام ہے۔ پھر اسلامی معاشرہ میں جس قدر ذمہ داریاں مسلمان عورتوں پر عائد ہوتی ہیں۔ ان کا مختلف انداز میں، مختلف اسلوب کلام میں، قرآن و حدیث میں مذکور ہے، خود اسی سورۂ مبارکہ میں معاشرتی اور خانگی زندگی سے متعلق جو ہدایات بیان فرمائی گئی ہیں، ان سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرے کی اصلاح میں عورت کا کیا مقام ہے نیز یہ کہ عورت کا بے حجابانہ، غیر مردوں، نامحرموں اور اجنبیوں سے خلط ملط رکھنا، کیسے کیسے مفاسد کی راہیں کھولتا اور کیسی کیسی برائیوں کو جنم دیتا ہے۔ اب پھر چند ایسے امور کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو اسلامی معاشرہ کے لیے لازم اور معاشرتی و خانگی زندگی کو خوب سے خوب تر اور خوشگوار سے خوشگوار تر بنانے کے لیے ضروری ہیں تاکہ حقوق اللہ کے ساتھ اہلِ ایمان حقوق العباد کی پابندی کا بھی لحاظ رکھیں اور وہ ایک شائستہ اور مہذب قوم کے افراد بن کر دنیا میں چمکیں، اور فلاحِ آخرت سے بہرہ ور ہوں۔

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے ایک انصاری غلام مُدلج بن عمرو کو دوپہر کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا کہ جاکر انہیں بلا لاتے۔ وہ غلام ویسے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر پہنچا، تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے مکان کا دروازہ بند کیے ہوئے اپنی دولت سرائے میں محوِ خواب ہیں۔ غلام نے بے محابا دروازہ کھٹکھٹایا اور آواز دی اور مکان میں داخل ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیدار ہوئے اور حقیقتِ حال آپ پر منکشف ہوئی، تو آپ کے دل میں خیال گزرا کہ کاش غلاموں کو بھی صاحبِ خانہ کی اجازت لے کر مکانوں میں داخل ہونے کا حکم ہوتا۔ پھر آپ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں باریاب ہوئے، تو یہ آیۂ کریمہ نازل ہو چکی تھی۔ آپ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور شکرِ الٰہی بجالاتے۔ (خازن)

ف ۱۲۳ عام آنے جانے والوں، عاقلوں، بالغوں، آزادوں کے واسطے حکم اوپر گزر چکا ہے کہ جب گھروں میں آئیں، اجازت لے کر آئیں، تاکہ اہلِ خانہ کو اچانک کسی غیر محرم و اجنبی کے گھر میں آجانے سے کوئی دحشت نہ ہو، شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ اب حکم مل رہا ہے مملوکوں کے لیے، غلاموں اور کنیزوں کے لیے جنہیں گھروں میں بار بار آنے جانے کی ضرورت رہتی ہے نیز نابالغ بچوں کے لیے جو بلا ضرورت بھی گھروں میں چکر لگاتے رہتے ہیں، ان کے لیے عام احکام کی پابندیاں دشوار تھیں، اب ان کے باب میں حکم الگ نازل ہو رہا ہے۔ اللہ اللہ! مسلمان حضرات کے گھروں کی اندرونی راحت کا اہتمام کس درجہ مدِ نظر ہے، کیسے کیسے جزئیات تک کے احکام، اس غرض کے لیے صادر ہو رہے ہیں۔ جمہور مفسرین و فقہاء کے نزدیک مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مراد غلام اور باندیاں دونوں ہیں، کیونکہ یہ لفظ عام استعمال کیا گیا ہے۔ پھر جو حکم بیان کیا گیا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے اس میں تخصیص کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ تخلیہ کے اوقات میں جس طرح خود اپنے بچوں کا اچانک آجانا مناسب نہیں، اسی طرح خادم کا بھی آجانا غیر مناسب ہے۔ ۱۲۰

ف۱۲۴ شرعاً بلوغ کا دار و مدار خواہی نخواہی عمر ہی پر نہیں رکھا گیا ہے کہ جب تک آدمی لڑکا خواہ لڑکی اتنے سال کا نہ ہو، بالغ ہی نہ مانا جائے۔ اگرچہ تمام آثارِ جوانی واضح و آشکار ہوں۔ عالم میں کوئی عالم اس کا قائل نہیں بلکہ حقیقتہً لڑکوں میں مدارِ کار، انزال و احتلام پر ہے۔ یعنی جب لڑکے کو انزال ہوگیا، وہ بالغ ہے۔ خواہ سوتے میں ہو جسے احتلام کہتے ہیں، یا حالتِ بیداری میں۔ اور لڑکیوں میں بلوغ کا مدار احتلام و حیض یا قیامِ حمل سے ہے۔ ان تینوں حالتوں میں جو حالت بھی لڑکی میں پائی جائے گی، وہ بالغ قرار پائے گی۔ اسی لیے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ لڑکا کم از کم بارہ برس اور لڑکی نو برس میں بالغ ہو سکتی ہے۔ ہاں جب یہ امور ظاہر نہ ہوں، تو اس وقت عمر پر حوالہ کیا گیا ہے۔ یعنی جب لڑکا یا لڑکی کامل پندرہ سال کے ہو جائیں، تو وہ شرعاً بالغ قرار دیئے جائیں گے اور بالغ کے جتنے احکام ہیں، وہ ان پر جاری ہوں گے۔ (درمختار، فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

ف۱۲۵ آیۂ کریمہ میں یہاں لفظ عَوْرَات استعمال ہوا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ یہ تین وقت تمہارے لیے عَوْرَات ہیں۔ اُردو میں تو یہ لفظ یعنی عورت، صنفِ اُناث کے لیے بولا جاتا ہے، مگر عربی میں اس کے معنی خلل اور خطرے کی جگہ کے ہیں اور اس چیز کے لیے بھی بولا جاتا ہے جس کا کھل جانا، آدمی کے لیے باعثِ شرم ہو، یا جس کا ظاہر ہو جانا، اس کو ناگوار ہو۔ نیز اس معنی میں بھی مستعمل ہے کہ کوئی چیز محفوظ ہو۔ یہ سب معنی باہم قریبی مناسبت رکھتے ہیں اور آیت کے مفہوم میں کسی نہ کسی حد تک سبھی شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں تم لوگ تنہا یا اپنی بیویوں کے ساتھ ایسی حالتوں میں ہوتے ہو، جن میں گھر کے بچوں اور خادموں کا اچانک تمہارے پاس آ جانا مناسب نہیں ہے، لہٰذا انہیں ہدایت کرو کہ ان تین اوقات میں، جب وہ تمہاری خلوت کی جگہ آنا چاہیں، تو پہلے اجازت لے لیا کریں۔ پھر اس حکم کی علت جبکہ یہی ہے کہ یہ تینوں وقت عام طور پر تخلیہ اور استراحت کے ہوتے ہیں اور آدمی اکثر ان اوقات میں بے تکلفی میں ہوتے ہیں۔ اس علت کے مدنظر کہا جا

سکتا ہے کہ تخصیص کچھ انہیں وقتوں کی نہیں۔ جہاں جیسی ضرورت ہو اور جب بھی ضرورت ہو، اپنے غلام، باندیوں اور نابالغ بچوں کو حکم دیا جا سکتا ہے کہ بے اطلاع اور بلا اجازت، فلاں وقت ہمارے پاس نہ آئیں۔ آخر اطلاع دے کر اور اجازت لے کر گھروں اور خلوت گاہوں میں آنے جانے میں کونسی ایسی بڑی دشواری ہے جس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

ف۱۲۶ یعنی ان تین وقتوں کے سوا، باقی اوقات میں غلام، بالغ ہوں، خواہ نابالغ، اور وہ لڑکے جو ابھی قریب البلوغ ہیں، بے اجازت داخل ہو سکتے ہیں۔ ان پر الزام بلا اجازت چلے آنے میں نہیں۔ اس صورت میں اگر تم کسی نامناسب اور بے تکلفی کی حالت میں ہو اور وہ بلا اذن حاصل کیے تمہارے پاس آجائیں تو تمہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا حق نہیں ہے کہ خود تمہاری اپنی غلطی ہے کہ کام کاج کے اوقات میں نامناسب حالت کیوں رکھی، اور تم پر الزام انہیں منع نہ کرنے میں نہیں، اور پس یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اپنے بچوں اور مملوکوں کو اسلامی تہذیب سکھانا، مسلمان باپ، دادوں اور ان کے آقاؤں پر ایک لازمی بات ہے۔ اگر انہوں نے اپنے بچوں اور مملوکوں کو اسلامی تعلیم و تربیت نہ سکھائی تو وہ خود جرم کے مرتکب اور مبتلائے گناہ ہوں گے۔ ۱۲

ف۱۲۷ یہ علت ہے اس اجازتِ عام کی، جو تین اوقاتِ مذکورہ کے سوا دوسرے تمام اوقات میں بچوں اور مملوکوں کو بلا اجازت آنے کی دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غلام تو تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں نہ کہ عورتوں کے پاس، کیونکہ غلام کا حکم، غیر محرم مرد کا سا ہے، اور لونڈیاں باندیاں عورتوں کے پاس بھی، اور اسی طرح نابالغ بچے سب جگہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ پس ہر وقت اجازت لینے میں دقت ہے اور چونکہ یہ اوقات پردہ کے نہیں، اس میں ان اعضائے مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں، لہٰذا بلا اجازت انہیں داخل ہونا جائز ہوا۔ اور فقہائے مفسرین نے یہیں سے یہ استنباط کیا کہ شریعت کے احکام، مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں اور ہر حکم کی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہے۔ خواہ وہ بیان کی گئی ہو یا

بیان نہ کی گئی ہو۔ ہماری سمجھ میں وہ علت آئے یا نہ آئے۔ تعمیل ارشاد کا دار و مدار اور ان احکام کی اطاعت و فرماں گزاری اس پر نہیں کہ ہماری سمجھ میں اس کی مصلحت بھی آجائے۔ ۱۲

ف۲۸ مطلب یہ ہے کہ جب اس کے احکام و فرامین، تمام تر مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں، اور اس کے احکام میں انفرادی و اجتماعی، سب ہی پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے، تو اس کے کسی حکم کو اگرچہ بظاہر وہ بہت خفیف، محض ایک ادنیٰ جزئیہ معلوم ہوتا ہو، اپنی سستی و کاہلی کے باعث، ناقابلِ عمل گمان مت کرو، کیونکہ جو احکام بظاہر محض ادنیٰ جزئیات معلوم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے قانون میں صد درجہ اہتمام کے مستحق ہیں۔ اس کی تاکید و تکرار صاف دلیل ہے، اس کے عظیم بالشان ہونے کی۔ انسان معمولی بات کا عادی ہو جائے تو بڑی باتوں کے اقدام پر اس کی جرأت بڑھتی ہے۔ اسی لیے گناہِ صغیرہ پر اصرار، اُسے کبیرہ بنا دیتا ہے۔ ۱۲

ف۲۹ یعنی جب بچے سیانے ہونے لگیں اور سنِ بلوغ کو پہنچیں تو جس طرح ان کے بڑوں پر، اندر آنے کے لیے ہر وقت اجازت کی ضرورت تھی، ان پر بھی اجازت لینا، انہیں تین اوقات پر موقوف نہیں، بلکہ تمام اوقات میں واجب ہوگی۔ اور اس حکم کی ان سے پابندی کرائی جائے گی تاکہ بے پردگی سے کسی فتنہ کی گنجائش نہ رہے اور زمانۂ جاہلیت کے طور طریق پھر کسی چور دروازے سے مسلمان گھروں میں داخل نہ ہو سکیں اور اسلامی معاشرہ کے دامن پر کوئی داغ نہ آئے۔ ۱۲

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

اور بوڑھی خانہ نشین[۱۳۰] عورتیں جنہیں نکاح کی آرزو نہیں، ان پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے بالائی کپڑے[۱۳۱] اتار رکھیں، جبکہ سنگھار نہ چمکائیں اور اس سے بھی بچنا[۱۳۲] ان کے لیے اور بہتر ہے، اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ (۶۰)

تشریح الالفاظ

اَلْقَوَاعِدُ جمع ہے قَاعِد کی نہ کہ قَاعِدَۃٌ کی۔ اور تائے تانیث اس لیے حذف کی گئی کہ یہ ان اوصاف میں سے ہے جو عورتوں سے مختص ہیں جیسے حَامِلٌ حمل والی عورت کو، حَائِضٌ حیض والی کو، اور طَالِقٌ طلاق والی عورت کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کا سن زیادہ ہو چکا۔ پیرانہ سالی کے باعث نہ انہیں حیض آتا ہے اور نہ ہی وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل ہیں۔ لَا یَرْجُوْنَ، آرزو نہیں رکھتیں، کوئی امید، کوئی خواہش ان کے دل میں نہیں۔ نِکَاحًا۔ عقد نکاح کی۔ فَلَیْسَ، نہیں ہے۔ عَلَیْهِنَّ، ان عورتوں پر۔ جُنَاحٌ، کوئی گناہ، کوئی الزام۔ اَنْ یَّضَعْنَ، یہ کہ اتار دیں۔ ثِیَابَهُنَّ، اپنے کپڑے۔ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ، نمائش کرنے والیاں نہ ہوں۔ اس کا مصدر تَبَرُّج ہے اور تَبَرُّج کے معنی ہیں اظہار و نمائش کے۔ اس اعتبار سے مُتَبَرِّجَہ (تَبَرُّج کرنے والی) وہ عورت ہے جو غیروں کے روبرو اپنے حسن اور اپنی آرائش و زیبائش کا اظہار کرے۔ بِزِیْنَةٍ۔ سنگھار۔ وَ، اور، اَنْ مصدریہ ہے جو فعل استقبال پر داخل ہو کر اسے معنی مصدری میں تبدیل کر دیتا ہے یَسْتَعْفِفْنَ، عفت کی خواہشمند ہیں، عفیفہ و پاک دامن رہیں اور حرف اَنْ اس پر داخل ہوا تو اس کے معنی ہوئے عفت مآبی۔ غیر مستحسن کاموں سے اجتناب و پرہیز کرنا۔ خَیْرٌ، بہتر۔ قابل ستائش۔

مطالب و مباحث

آزاد عاقل و بالغ مردوں کے احکام پہلے بیان فرماتے جا چکے ہیں اور ابھی اوپر بیان فرمایا گیا کہ مملوکوں، غلاموں، کنیزوں کو بھی نیز نابالغوں کو ان اوقات میں جو غالباً تخلیہ اور استراحت کے لیے ہوتے ہیں بے اطلاع و اجازت گھروں میں نہ آنا چاہیے، اور اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ایسی سن رسیدہ عورتیں کہ اب اصلاً محل رغبت نہ رہیں اور ان کی بے پردگی سے کسی فتنہ کے رونما ہونے کا احتمال باقی نہیں، وہ اگر غیر محرموں کے سامنے اس طرح آجائیں کہ ان کے جسم پر بالائی کپڑے نہ ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ اجازت اس وقت ہے، جبکہ چادر وغیرہ کو استعمال نہ کرنے سے اس کے پیش نظر اپنی آرائش و زینت کی نمود نہ ہو۔۱۲

ف۳ اَلْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ کے معنی ہی ہیں خانہ نشین عورتیں، تو وضع ثیاب یعنی بالائی کپڑوں کو اتارے رکھنا اور خانگی امور میں مصروف رہنا اسی حالت و ہیئت میں، اور اسی حالت میں غیر محرموں کا ان کے سامنے آجانا۔ اب کسی فتنہ و انتشار جذبات کا موجب نہیں، تو شرعاً بھی ان کی پابندی لازم نہیں کہ اوڑھے لپیٹے گھروں میں رہیں۔ ہاں! اتنی پابندی ضرور ہے کہ ان کے سروں کے بال، سینہ، پنڈلی، گلا وغیرہ جو عورتوں کے لیے خاص محل زینت و آرائش ہیں، وہ نہ کھولیں اور بالائی چادر وغیرہ کے اتار دینے کی اجازت کو اپنی آرائش و زینت کی نمائش کا بہانہ نہ بنائیں۔ اس حکم میں جوان بیبیوں اور بڑی بوڑھیوں کا ایک حکم ہے اور یہ قید یہاں بھی ہے کہ وہ اپنی محل آرائش کو ظاہر نہ کریں۔ تو قدرتی خواہ مصنوعی سنگھار کے موقعوں کو نامحرموں کے سامنے بے پردہ لانا، اس سن کی بوڑھیوں کے لیے بھی جائز نہیں جو حد نکاح سے گزر چکی ہوں اور جن کے صنفی جذبات سرد پڑ چکے ہوں۔ لیکن اگر اس میں آگ کی کوئی چنگاری ابھی باقی ہو اور بن ٹھن کر رہنے کا شوق ابھی ان کے

اندر پوشیدہ ہو تو پھر اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اور یہیں سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جوان جوان عورتوں کو اپنے جسم کے اخفاء میں کس قدر اہتمام شریعتِ مطہرہ کو مطلوب ہے۔ یہاں تک کہ چہرہ اور ہتھیلیاں جو بالذات داخلِ ستر نہیں، بقول فقہاء کے احتمالِ فتنہ کے باعث وہ بھی داخل ستر ہو جاتی ہیں۔ ۱۲

ف [۱۳۱] بالائی کپڑوں سے مراد ہیں، وہ کپڑے جو اصلی لباس پر اپنے بدن کی ساخت اور اپنے لباس کی کیفیت و ہیئت، نیز بعض اعضاء کے چھپانے کی نیت سے استعمال میں آتے ہیں، مثلاً برقع اور بالائی چادر، جو دوپٹہ پر اس لیے اوڑھی جاتی ہے کہ سر، چہرہ اور گردن پر کسی کی نگاہ نہ پڑے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ سن رسیدہ عورتوں کو سارے کپڑے اتار کر برہنہ، گھروں میں پھرتے رہنے کی اجازت ہے۔ شریعتِ مطہرہ اس برہنگی کو ہرگز برداشت نہیں کرتی کہ عورت خواہ مرد، مادر پدر آزاد گھروں میں دندناتے پھریں۔ ۱۲

ف [۱۳۲] خوب خیال کر لیا جائے کہ حجاب و ستر کی پابندیاں ایسی بوڑھیوں پر جن کی اپنی خواہشیں بھی مردہ ہو چکیں اور انہیں دیکھ کر مردوں میں بھی کوئی صنفی جذبہ، کوئی جنسی خواہش پیدا نہیں ہوتی، بلکہ فرض کر لیجیے کہ وہ اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے اس درجہ حسن و جمال و دل کشی و جذب نظری سے عاری ہو چکی ہیں کہ انہیں اور ان کی صورتیں دیکھ کر ایک قسم کی نفرت کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے، حجاب واجب نہیں، پھر بھی بہتر ان کے حق میں یہی ہے کہ وہ احتیاط رکھیں اور بالائی کپڑے جسم سے نہ اتار پھینکیں، مانا کہ یہ عفیفہ ہے، تو جن سے اس پر اندیشہ ہے وہ تو عفیف نہیں ع خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

پھر یہ تو فتنوں کی روک تھام کے ظاہری انتظامات ہیں، باقی پردوں میں رہتے ہوئے جو ناکردنیاں و ناگفتنیاں عمل میں آتی ہیں اور جو فتنے اٹھائے جاتے ہیں، اللہ سب کو سنتا اور جانتا ہے۔ تمہارا ظاہر و باطن تمہارے رمز و کنائے، تمہاری نیتیں اور تمہارے ارادے سب ہی اس پر روشن ہیں اور اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ فرمائے گا۔ ۱۲

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ
حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ
اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ
مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ
فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ
تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾

نہ اندھے پر[۱۳۳] تنگی اور نہ لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر روک اور نہ تم میں کسی پر[۱۳۴]
کہ کھاؤ اپنی اولاد[۱۳۵] کے گھر، یا اپنے باپ کے گھر، یا اپنی ماں کے گھر، یا اپنے

بھائیوں کے یہاں، یا اپنی بہنوں کے گھر، یا اپنے چچاؤں کے یہاں، یا اپنی پھوپھیوں کے گھر، یا اپنے ماموؤں کے یہاں، یا اپنی خالاؤں کے گھر، یا جہاں کی کنجیاں تمہارے قبضہ میں ہیں، یا اپنے دوست[۱۳۷] کے یہاں۔ تم پر کوئی الزام نہیں کہ مل کر کھاؤ[۱۳۸]، یا الگ الگ[۱۳۹]۔ پھر جب کسی گھر میں جاؤ تو اپنوں کو[۱۴۰] سلام کرو، ملتے وقت کی اچھی دعا، اللہ کے پاس سے مبارک پاکیزہ۔ اللہ یونہی بیان[۱۴۱] کرتا ہے کہ تم سے آیتیں کہ تمہیں سمجھ ہو۔ (۶۱)

تشریح الالفاظ

لَیْسَ، نہیں۔ عَلٰی، پر۔ اَلْاَعْمٰی، نابینا۔ بے بصر۔ اندھا۔ مجازاً اس کا استعمال جاہل کے لیے بھی آیا ہے۔ اَلْاَعْرَجُ، لنگڑا۔ حَرَجٌ، تنگی، مضائقہ، روک۔ اَلْمَرِیْضِ، بیمار۔ مجازاً کاہل اور کام چور کو بھی مریض کہہ دیا جاتا ہے۔ اَنْفُسِکُمْ، تمہارے لیے۔ اَنْفُس جمع ہے نَفْس کی بمعنی شخص۔ روح بھی اس سے مراد ہوتی ہے اور نَفَس بفتح فا سانس کے معنی میں آتا ہے اور اس کی جمع انفاس آتی ہے۔ اَنْ تَاْکُلُوْا، کہ تم کھاؤ، پیو۔ مِنْ بُیُوْتِکُمْ، اپنے گھروں سے۔ اس میں بیوی اور اولاد کے گھر داخل ہیں کہ اولاد کا گھر اپنا ہی گھر ہے۔ آبَاءِ۔ جمع ہے اَبٌ کی بمعنی باپ۔ اُمَّھَات جمع ہے اُمٌّ کی بمعنی ماں۔ ماں باپ دونوں کو ملا کر اَبَوَیْن کہتے ہیں۔ اِخْوَان جمع ہے اَخ کی بمعنی بھائی۔ اَخَوَات جمع ہے اُخْت کی بمعنی بہن۔ اَعْمَام جمع ہے عَمّ کی یعنی چچا۔ عَمَّات، جمع ہے عَمَّۃ کی یعنی پھوپھی۔ اَخْوَال جمع ہے خَال کی یعنی ماموں، مَفَاتِح جمع ہے مِفْتَاح کی بمعنی کنجی۔ صَدِیْق، دوست، جو پیارا ہو یعنی یار۔ جَمِیْعًا، یکجا اکٹھے ہو کر۔ اَشْتَاتًا جمع ہے شَتّ کی بمعنی متفرق، الگ الگ۔ فَاِذَا، پھر جب

دَخَلْتُمْ، داخل ہو تم۔ دُخُول اس کا مصدر ہے فَسَلِّمُوْا، پس تم سلام کرو۔ اس کا مصدر تَسْلِیم اور سَلَام ہے۔ تَحِیَّۃً، دُعائے خیر، مسلمان کے لیے طلبِ سلامتی دعم۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔ اللہ کے پاس سے۔ اس کے حکم سے ثابت و مشروع۔ مُبٰرَکَۃً، بابرکت۔ طَیِّبَۃً، پاکیزہ۔ اور تَحِیَّۃ کو بابرکت و پاکیزہ اس لیے فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان بھائی کے لیے دُعائے خیر و سلامتی جان و ایمان ہے تو ربِّ کریم سے زیادتی خیر اور طیب رزق کی امید رکھنی چاہیے۔

مطالب و مباحث

اپنی زندگی خوش اسلوبی سے گزارنا ہر متنفس ہر ذی روح کا فطری حق ہے، لیکن یوں نہیں کہ معاشرہ تباہ ہو جائے اور حلال و حرام جائز و ناجائز اور حق و ناحق کی تمیز اُٹھ جائے اور ان میں کوئی وجہ امتیاز باقی نہ رہے۔ اسلام کہتا ہے کہ خوش اسلوبی سے زندگی بسر کرنے میں خانگی زندگی کی پاکیزگی بڑی اہم شے ہے، اس سے صرفِ نظر کرنا یا خانگی زندگی گزارنے میں غفلت و لاپرواہی برتنا، اپنی خوشیوں اور پاکیزگیوں کا گلا گھونٹنا اور تباہی و بربادی کے اسباب فراہم کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں سورۂ مبارکہ کے آغاز اور ابھی اوپر والی آیات میں احکام ارشاد فرمائے۔

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اسلامی معاشرہ کا سنوارنا تمہارا دینی و اخلاقی فریضہ ہے اور اس فریضہ سے سبکدوشی کا آسان اور سیدھا سادا راستہ یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھا جائے، کسی کی حق تلفی نہ ہو، کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو، جبر و زبردستی کا دخل نہ ہو، نہ غریب و معذور کھانے پینے اور دوسری ضروریاتِ زندگی کو ترستے رہیں اور نہ اہلِ ثروت پر کوئی ناخوشگوار بار ڈالا جائے۔ نہ صاحبِ ثروت اپنے اموال کو مستحقین سے بچا بچا کر رکھے اور نہ مستحقین امداد یہ سمجھ کر کسی پر دباؤ ڈالیں کہ یہ ہمارا حق ہے، نہ یہ ان پر بار نہ وہ ان کے لیے ناگوار، جو معاملہ ہو باہمی رضامندی سے ہو اور احکامِ شرعیہ ہمیشہ ملحوظ رہیں۔

شانِ نزول

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ واکرم التسلیم کے ساتھ جہاد کو جاتے تو اپنے مکانوں کی چابیاں، نابیناؤں، بیماروں اور اپاہجوں کو دے جاتے۔ جو ان اعذار یعنی مجبوریوں کے باعث جہاد میں نہ جاسکتے ہوں اور انہیں اجازت دیتے کہ ان کے مکانوں سے کھانے کی چیزوں میں سے جس کی رغبت ہو وہ لے کر کھائیں پئیں، لیکن یہ معذورین اسے گوارا نہ کرتے۔ بایں خیال کہ کہیں اہل خانہ کو ہمارا اس طور پر کھانا پینا دل سے پسند نہ ہو۔ اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی اور نہ صرف معذوروں بلکہ عام مسلمانوں کو یہ اجازت دی گئی کہ جہاں صراحۃً یا عادتاً کھانے پینے کی اجازت موجود ہے یا ضمناً وعرفاً یہ معلوم ہے کہ منجانب صاحبِ خانہ بطیبِ قلب کھانے پینے کی اجازت دے دی گئی ہے، تو اب خواہی نخواہی کسی وہم اور وسوسہ میں نہ پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں وسعتیں رکھی ہیں، تو تم اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ اندھے اپاہج اور بیمار مسلمان، تندرست مسلمانوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانے پینے سے پرہیز کرتے، مبادا کہ کسی کو یہ گراں گزرے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جب اندھے، نابینا اور اپاہج مسلمان کسی دوسرے مسلمان بھائی کے پاس جاتے اور اس کے پاس انہیں کھلانے پلانے کو کچھ نہ ہوتا، تو وہ انہیں اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے یہاں لے جاتا کہ وہاں کھائیں پئیں، لیکن یہ بات کمالِ غیرت کے باعث انہیں گوارا نہ ہوتی اور ایک واہمہ سا دل میں پیدا ہوتا کہ شاید اس مسلمان کو ہمارا آنا اور کھانا پینا گوارا نہ تھا کہ دوسرے پر ٹال دیا۔ اور اگر واقعی اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ تو ہم نے اس کا پردہ فاش کیا اور پھر دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور انہیں بتایا گیا کہ واقعۃً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس قسم کے خیالات اور وسوسے تمہارے دلوں میں نہیں

آنے چاہئیں۔"

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب ان معذوروں کو کوئی مسلمان اپنے یا اپنے اعزہ و اقارب مثلاً بھائی، بہن، ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی وغیرہم کے مکان پر بلاتا، تو یہ لوگ خود ہی قبولِ دعوت سے گھبراتے کہ کہیں ہم ان پر بار نہ بن جائیں۔ اور ان اسبابِ نزول کے ساتھ ساتھ ایک یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ عرب جاہلیت میں کھانے پینے کے معاملہ میں ایک دستور یہ تھا کہ جو جس کے یہاں پہنچ جاتا، اگرچہ بن بلایا مہمان بن کر، تو کمالِ بے تکلفی سے اس کے یہاں کی چیزیں کھانا پینا شروع کر دیتا۔ یہ بے تکلفی بجائے خود تو اچھی چیز تھی، لیکن افراط اس میں اس قدر ہو گئی تھی کہ مستحقین پر نوبتِ ظلم کی پہنچ گئی تھی اور گھر والے بیچارے اکثر گھاٹے میں رہنے لگے تھے اور جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: لَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ پیو)، تو عام مسلمان اپنے کمالِ تقویٰ و فرطِ خشیت سے بہت ہی زیادہ احتیاط برتنے لگے، اور ان گھروں میں بھی احتیاطیں برتنے لگے جہاں کسی قسم کا کوئی تکلف روا نہ رکھا جاتا اور جہاں کھانے پینے کی رضا یقینی طور پر معلوم ہوتی۔ پھر اپنے ساتھ میں اندھوں، لنگڑوں، اپاہجوں، بیماروں اور دوسرے معذوروں کا لے جانا تو بالکل ہی رُک گیا۔ ان حالات میں اس آیۂ کریمہ کا نزول ہوا اور مسلمانوں کو بتایا گیا کہ جن گھروں کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ وہ گھر تو تمہارے لیے خانۂ بے تکلف ہیں، ان میں یہ تکلفات کیوں؟ بلکہ اگر غیروں کے گھر ہیں، تب بھی ان کے بلانے پر خود کھا لینے اور اپنے ساتھ معذوروں کو کھلا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، جبکہ معلوم ہو کہ صاحبِ خانہ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ غرض یہ کہ مدار اس حکم کا صاحبِ خانہ کی رضا پر ہے۔ اس کی اجازت و رضا ہو تو بے تکلف کھاؤ پیو۔ اس میں نہ تم پر کوئی الزام اور تنگی ہے اور نہ اُن معذوروں پر کوئی الزام۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اجازت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ صریحی، صریح الفاظ میں ہو۔ ضمنی عرفی اور حکمی اجازت بھی اجازت ہے۔

ف۱۳۳ اندھے ہوتے لولے لنگڑے ہوتے، اپاہج، معذور ہوئے تو جہاں تک ان کی اس مجبوری و معذوری کا تعلق ہے، وہ بجائے خود اس بات کا اعلان و اظہار ہے کہ وہ اپنی بھوک و پیاس مٹانے کے لیے ہر گھر اور ہر جگہ سے کھا پی سکتا ہے کہ اس کی معذوری سارے معاشرے پر اس کا حق قائم کر دیتی ہے۔ پھر جب شرعاً بھی اس کی اجازت مل رہی ہے تو اب بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت کسی بھی جگہ کھانے پینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ف۱۳۴ یعنی ان معذوروں کے علاوہ اور دوسرے عام مسلمان بھی یہ بات یاد رکھیں کہ ان کے اپنے حق میں اپنے گھر، اُن کے اُن عزیزوں کے گھر بھی جن کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس حکم میں اپنے گھروں کی مانند ہیں۔ تو اپنے عزیزوں اور دوستوں کے یہاں کھانا پینا بھی ایسا ہی ہے جیسا اپنے گھر کھانا پینا۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے گھر میں آدمی بے تکلف کھاتا پیتا ہے اور اپنے گھر میں اس سلسلہ میں کسی سے کوئی اجازت نہیں لیتا۔ ہاں فرق ہے تو صرف اتنا کہ عزیزوں اور دوستوں کے گھروں میں بے تکلف کھانا پینا اس وقت روا ہے جبکہ صاحبِ خانہ کی رضا کا یقین ہو۔ ۱۲

ف۱۳۵ آیتِ کریمہ میں فِیْ بُیُوْتِکُمْ (اپنے گھروں میں) فرمایا گیا۔ اولاد کے گھروں کا ذکر یہاں کہیں نہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آدمی کی اولاد کا گھر اس کا اپنا ہی گھر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے)

اسی طرح شوہر کے لیے بیوی کا گھر اور بیوی کے لیے شوہر کا گھر بھی اپنا ہی گھر ہے کہ عرفاً اس میں کوئی ممانعت نہیں ہوتی، بلکہ باہمی انبساط کے باعث زن و شوہر کے املاک میں تفاوت و فرق نہیں سمجھا جاتا۔ ۱۲

ف۱۳۶ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ "اس سے مراد آدمی کا وکیل اور اس کا کارپرداز و کارندہ ہے۔" اور آیۂ کریمہ کو اپنے عموم پر رکھا جائے کہ دوستوں سے مراد بے تکلف اور جگری دوست ہیں، جن کی غیر موجودگی میں اگر یار لوگ ان کا حلوہ اڑا جائیں تو ناگوار گزرنا درکنار

انہیں اس پر اُتلی خوشی ہو۔ اسی لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ آدمی کسی کے گھر جاتے اور گھر کا
مالک موجود نہ ہو، اور اس کی بیوی نہ بچے کھانے کو کچھ پیش کریں تو بے تکلف کھایا پیا جا سکتا ہے۔
اور اس سے متصل مَا مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهٗ سے مراد وہ گھر ہیں، جن کا یہ مخاطب امین و نگران
ہو۔ اور آیۂ کریمہ کا یہ حصہ صاف بتاتا ہے کہ سمدھیانہ میں کھانا پینا بھی شرعاً کوئی عیب والی
بات نہیں۔ بعض لوگ جہاں لڑکی بیاہی ہو، وہاں کھانا پینا باعثِ عار سمجھتے ہیں۔ یہ تمام تر
مشرکینِ ہند کی صحبت کا اثر ہے، اسلام اسے ہرگز پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتا۔ ۱۲

ک ۱۳ علمائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرطِ تقویٰ سے بعض صحابہ کو اپنے
اپنے متعلق یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ساتھ کھانے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں زیادہ کھا جاؤں اور
ساتھیوں کے حصہ کی حق تلفی ہو کر رہے۔ آیۂ کریمہ میں بتایا گیا کہ ایسے ضعیف وسوسے کہ شاید
میں زیادہ کھا جاؤں، تو دوسرے کی حق تلفی ہو جائے اور وہ پیٹ بھر کر نہ کھا سکے، شریعت
کا مطمحِ نظر نہیں اور نہ ایسی باریک بینیاں اجتماعی طور پر کھانے پینے میں قابلِ اعتنا نہیں۔
جبکہ دوسری طرف بعض قبیلے تنہا کھانے کو بُرا جانتے ہیں۔ چنانچہ قبیلۂ بنی لیث بن عمرو کے
لوگ تنہا بغیر مہمان کے کھانا کھانے کو بُرا جانتے تھے۔ حتیٰ کہ کبھی کبھی جب مہمان نہ ملتا، تو
صبح سے شام تک کھانا لیے بیٹھے رہتے اور فاقہ میں گزار دیتے۔ آیۂ کریمہ میں اس قسم کی بے جا
پابندیوں کو اٹھا دینے کا گویا کہ حکم دیا جا رہا ہے۔ ۱۲

ل ۱۴ قدیم زمانے کے اہلِ عرب میں بعض قبیلوں کی تہذیب یہ تھی کہ ہر ایک الگ الگ
کھانا لے کر بیٹھے اور اپنا اپنا کھائے۔ وہ مل کر ایک ہی جگہ کھانا کھانا بُرا سمجھتے تھے جیسا کہ ہندؤوں
میں آج بھی عام دستور یہی ہے، بلکہ اونچی ذات کا ہندو، نیچی ذات والے ہندؤوں کے ساتھ کھانا
آج بھی بڑی عیب ناک بات سمجھتا ہے۔ آیۂ کریمہ ایسے دستور کو بھی ختم کرنا چاہتی ہے۔ اور آیۂ کریمہ ہی
سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تنہا کھانا، جبکہ کسی ہندوانہ رسم کی پابندی کے لحاظ سے نہ ہو، جائز و
مباح ہے مگر مل کر کھانے میں بڑی برکت ہے جیسا کہ احادیثِ کریمہ میں وارد ہے۔ ۱۲

خورونوش کے سُنن وآداب

انسانی زندگی کے رات دن کے ضروری مشاغل مثلاً کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، بولنا چالنا، آنا جانا وغیرہا اگر تہذیب وتمدن کے دائرہ میں ہوں اور ان سے کسی قسم کی وحشت وناگواری کے آثار مُترشح نہ ہوں، تو یہی کسی قوم کے آداب کہلاتے ہیں، اور انہیں آداب کی پابندیٔ انسان کو وحشی قوموں سے ممتاز بنادیتی ہے، اور انسان مہذب شائستہ اور باوقار بن جاتا ہے۔

اسلام نے زندگی کی ان مصروفیات میں ایسی لازوال پاکیزگی کی روح ڈال دی ہے، جو انسانیت کو تہذیب وتمدن کی دنیا میں اعلیٰ مقام تک پہنچاتی ہے۔ ان اسلامی آداب کی پابندی، ایک طرف اس پابندِ کار کے لیے باعثِ رحمت ہے، تو دوسری جانب دوسروں کے لیے بھی کسی ایذا رسانی یا ناگواری یا نفرتِ طبعی کی موجب نہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے قول وفعل سے جو بہترین نمونۂ امت کو عطا فرمایا اور انہیں زندگی کے آداب سے سنوارا ہے، ان میں خورونوش کے چند آداب یہ ہیں:

(۱) کھانے سے پہلے اور کھانے سے فارغ ہوکر ہاتھ دھونا۔

(۲) کھانے سے پہلے ہاتھ دھوکر پونچھے نہ جائیں اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوکر رُومال یا تولیہ سے پونچھ لیں کہ کھانے کا اثر چکنائی وغیرہ کا اثر باقی نہ رہے۔ اور سنت یہ ہے کہ دونوں دفعہ ہاتھ گٹوں تک دھوئے جائیں۔ صرف ایک ہاتھ یا انگلیاں دھولینا کافی نہیں۔ نہ اس سے سنت ادا ہو، نہ ادائے سنت کا ثواب ملے۔

(۳) کھانا زندگی کی بقا اور جسم کے قیام کا اعلیٰ ذریعہ ہے، اس لیے دنیا کے اور کاموں کے مقابلہ میں یہاں خدا تعالیٰ کا نام لینا اور زیادہ اہتمام کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے کھانا بسم اللہ شریف پڑھ کر شروع کیا جائے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص کھانا

کھائے تو یہ کہے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَبْدِلْنَا خَيْرًا مِّنْهُ - اور جب دُودھ پیے تو یہ کہے اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ (الٰہی ہمیں اس میں برکت دے اور زیادہ عطا فرما) کیونکہ دودھ کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں جو کھانے اور پانی دونوں کی قائم مقام ہو۔

(۴) اگر بسم اللہ کہنا بھول گیا ہے تو جب یاد آئے تو یہ کہے، بِسْمِ اللّٰہِ فِیْ اَوَّلِہٖ وَ آخِرِہٖ۔

(۵) بسم اللہ بلند آواز سے کہے کہ جنہیں یاد نہ ہو انہیں یاد آجاتے۔

(۶) روٹی پر سالن کا پیالہ یا چٹنی کی پیالی یا نمکدانی وغیرہ نہ رکھی جائے کہ روٹی بڑی محترم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "روٹی کی عزت کرو، یہ جس قوم سے نکل جاتی ہے پھر واپس نہیں آتی۔" اسی لیے علماء کرام نے روٹی سے ہاتھ یا چھری وغیرہ صاف کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

(۷) تکیہ لگا کر یا ننگے سر کھانا نہ کھائیں کہ پہلی صورت میں تکبر کا اظہار بھی ہے اور طبی حیثیت سے بھی مضر، اور دوسری صورت میں روٹی کی تکریم کے خلاف۔ بائیں ہاتھ کو زمین پر ٹیک دیکر کھانا ٹیکہ لگا کر کھانے میں شامل ہے۔ اس سے بھی بچیں۔

(۸) داہنے ہاتھ سے کھانا کھائیں کہ یہ فطرت کے مطابق بھی ہے اور اس میں طبی فوائد بھی ہیں۔

(۹) رکابی یا پیالے کے بیچ میں سے ابتداءً نہ کھائے۔ بلکہ ایک کنارے سے کھاتے جو اس کے قریب ہے۔

(۱۰) گرم کھانا نہ کھاتے، نہ کھانے کو پھونکے نہ اسے سونگھے کہ اس سے بے صبری اور اضطرار قلبی کا اظہار ہوتا ہے۔ کھانا خوب چبا چبا کر کھائے۔ جلد بازی مضر صحت ہے۔

(۱۱) کھانے کے دوران بیہودہ باتیں نہ کرے اور نہ ہی خاموش رہے کہ بالکل چپ بنا

مجوسیوں کا طریقہ ہے، لہٰذا ایک آدھ اچھی بات کرلے۔

(۱۲) جب کھانا ایک قسم کا ہو تو ہر طرف ہاتھ نہ مارے۔ ایک طرف سے کھائے۔ ان اگر طباق میں مختلف قسم کی چیزیں ہوں تو اِدھر اُدھر سے کھانے کی اجازت ہے۔

(۱۳) کھانا بیٹھ کر کھائے، مگر میز کرسی پر نہیں، بلکہ فرش وغیرہ پر۔ اور اگر میز کرسی پر کھانا پڑ ہی جائے، تو پیر اوپر اٹھا لے تاکہ نصاریٰ سے مشابہت نہ رہے۔ اور کھڑے ہو کر کھانا پینا جیسا کہ اب ان علاقوں میں ایک وبا کی شکل میں پھیلتا جارہا ہے، مغربی تہذیب کا ایک غیر مہذب حصہ ہے اسے مُسلمان کیوں اختیار کریں؟ مسلمانوں کے سامنے سلف صالحین کی زندگیاں ہیں، انہیں تو ہر کام میں انہیں کے طریقہ پر کرنا چاہیئے۔

(۱۴) کھانے سے فارغ ہو کر شکر الٰہی بجالائیں اور یہ دُعا پڑھیں،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

(اللہ تعالیٰ کا شکر جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مُسلمان بنایا)

سب لوگ فارغ ہو گئے ہوں تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بھی زور سے کہیں تاکہ دوسرے بھی شکرِ خدا بجالائیں۔

(۱۵) پانی داہنے ہاتھ سے پئیں اور تین سانس لیں اور ہر مرتبہ برتن کو منہ سے ہٹا کر سانس لیں۔ پہلی اور دوسری مرتبہ ایک ایک گھونٹ، اور تیسری مرتبہ حسبِ خواہش۔ اور پانی کو چوس کر پیے، غٹ غٹ کرکے بڑے بڑے گھونٹ نہ پیے کہ یہ بدتہذیبی میں شمار ہے۔ پانی بسم اللہ پڑھ کر پیے تو جب پی چکے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے

ف[۱۳۹] ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا دنیا کی ساری قوموں کا معمول ہے مسلمانوں کو بھی اس کی چند پابندیوں کے ساتھ عام اجازت دی جاچکی ہے۔ انہیں پابندیوں میں سے ایک پابندی یہ ہے کہ ملاقات وزیارت کے لیے جانے والا منہ باندھے ہوئے صرف

واخلہ کی اجازت پاکر گھر میں داخل نہ ہو جاتے، بلکہ اس طرح جائے کہ اس کا جانا ان کے لیے محبت و آشتی اور امن و سلامتی کا پیغام ہو اور سب سے پہلے جو کلمہ اس کی زبان سے نکلے، وہ ہو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بیٹے جب گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کرو۔ تم پر اور تمہارے گھر والوں پر اس کی برکت ہو گی۔" (ترمذی) یہاں یہ گمان نہ کیا جائے کہ حدیث شریف میں بیٹے کے لفظ سے تخاطب یہ بتا رہا ہے کہ یہ حکم چھوٹوں کے لیے ہے کہ ان کا اہل خانہ اور اپنے بڑوں کو سلام کرنا موجب برکت ہے، اس لیے کہ ایک حدیث شریف میں صاف صریح ارشاد فرمایا گیا کہ سلام بات چیت کرنے سے پہلے ہے۔" یہاں کوئی تخصیص نہیں، بلکہ حکم عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام بازاروں میں جاتے یا عام گزرگاہوں سے گزر فرماتے تو جو ملتا اُسے سلام کرتے۔ بلکہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ جب بچوں کے سامنے سے گزرتے، تو انہیں سلام کرتے۔ پھر خود قرآنِ کریم کے الفاظِ کریمہ خود بتا رہے ہیں کہ اس حکم میں کوئی تخصیص نہیں، بلکہ الفاظ کا عموم تمام چھوٹے بڑوں کو شامل ہے اور سب خرد و کلاں اس میں داخل ہیں۔ البتہ یہ حکم اس وقت ہے کہ گھر میں جو لوگ موجود ہوں، وہ اپنے ہم عقیدہ ہوں اور ان کے دین و نظریات و عقائد میں کوئی خلل نہ ہو۔

احادیثِ کریمہ میں یہود و نصاریٰ کو ابتداءً سلام کرنے کی صراحۃً ممانعت آئی ہے اور اسی میں داخل ہیں تمام مشرکین و ہنود اور تمام بدمذہب و بددین، کہ یہ سب دین کے مُعاند اور مسلمانوں سے عداوت میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ یونہی خالی مکان میں داخل ہو، جہاں کوئی نہیں ہے، تو درود شریف پڑھے اور یوں سلام عرض کرے: اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ۔ ملا علی قاری نے شرح شفا میں لکھا ہے،

"خالی مکان میں سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سلام عرض کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ اسلام کے گھروں میں رُوحِ اقدس جلوہ فرما ہوتی ہے۔"

آیۂ کریمہ میں اس سلام وتحیۃ کو مُبٰرَکَۃً بھی فرمایا یعنی وہ بابرکت ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس پر ثواب مُرتّب ہوتا ہے اور طَیِّبَۃً بھی فرمایا کہ پاکیزہ ہے اور یہ اس اعتبار سے کہ اس سے مخاطبین کا دل خوش ہو جاتا ہے اور خوشی کی ایک ٹھنڈی ٹھنڈی لہر باطن میں دوڑ جاتی ہے۔

ف۱۴ ان احکام کے سلسلہ میں یہ فقرہ مکرر ہی نہیں تیسری بار لایا گیا ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کو ان احکام کا کس قدر اہتمام مقصود ہے اور اسلامی معاشرہ کو سنوارنے اور پاکیزہ سے پاکیزہ ترین بنانے میں یہ فرامین کتنا دخل رکھتے ہیں۔ ۱۲

احکام وفوائد کا خُلاصہ

سورۂ کریمہ کے آٹھویں رکوع سے جو فوائد واحکام حاصل ہوتے ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) غلاموں، کنیزوں نیز اپنے یا پرائے نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کو تعلیم دی جارہی ہے کہ تخلیہ کے اوقات میں بلا اجازت گھروں میں نہ آئیں جائیں۔

(۲) شرعاً بلوغ کا دار ومدار عمر ہی پر نہیں رکھا گیا۔ البتہ اگر دوسرے آثارِ جوانی آشکارا نہ ہوں، تو پندرہ سال کامل ہو جانے پر شرعاً وہ بالغ قرار پائے جائیں گے۔

(۳) تخلیہ واستراحت کے اوقات عموماً تین ہیں، مگر تخصیص انہیں تین وقتوں کی نہیں۔

(۴) اپنے بچوں کو اسلامی تہذیب سکھانا ایک لازمی فریضہ ہے جس سے غفلت گناہ ہے

(۵) ہر حکمِ شرعی کی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوتی ہے، خواہ ہماری عقل میں نہ آتے۔

(۶) ادنیٰ جزئیات بھی قانونِ الٰہی میں بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

(۷) بوڑھی خانہ نشین عورتیں اگر بالائی چادر وغیرہ گھروں میں اتار دیں تو کوئی مضائقہ نہیں، جبکہ اُن کے پیشِ نظر اپنی آرائش وزینت کی نمود ونمائش نہ ہو۔

(۸) سن رسیدہ عورتوں کے حق میں بھی بہتر یہی ہے کہ وہ احتیاط رکھیں اور گھروں میں بھی بے پردہ نہ رہیں۔

(۹) اسلام میں خوش اسلوبی سے زندگی بسر کرنے میں خانگی زندگی کو بڑا عمل دخل ہے۔

(۱۰) آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا ایک دینی و اخلاقی فریضہ ہے۔

(۱۱) کھانے پینے میں بے جا تکلف بھی شرعاً پسند نہیں اور ناحق بوجھ بن جانا بھی ناپسندیدہ ہے۔

(۱۲) معذور آدمی اپنی بھوک پیاس مٹانے کے لیے ہر گھر سے کھا پی سکتا ہے۔

(۱۳) گھروں میں داخلہ کے بعد اہلِ خانہ کو سلام کرنا' بابرکت اور پاکیزہ عادت ہے، اسے اختیار کرنا چاہیے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۶۲﴾

ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوتے ہوں جس کے لیے جمع کیے گئے

ہیں تو نہ جائیں، جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں۔ وہ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں، وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیے، تو ان میں جسے تم چاہو اجازت دے دو، اور ان کے لیے اللہ سے معافی مانگو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۶۲)

تشریح الالفاظ

اِنَّمَا - اِنَّ حرفِ تاکید ہے اور اس میں حرف ما کا اضافہ تاکید کے ساتھ حصر کا بھی فائدہ دیتا ہے جیسے ہم اردو میں کہیں "بات تو بس یا واقعی یہی ہے"۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ۔ ایمان والے۔ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا، وہ جو ایمان لائے اور دلی یقین رکھتے ہیں۔ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، اللہ اور اس کے رسول پر۔ وَاِذَا کَانُوْا، اور جب یہ لوگ موجود و حاضر ہوتے ہیں۔ مَعَهٗ، اس رسول کے پاس۔ عَلٰی، پر۔ اَمْرٍ جَامِعٍ ہر وہ کام جس میں ضرورتِ اہتمام و اجتماع کی پڑتی ہے۔ یا ہر وہ معاملہ جس میں خطابِ عام کی ضرورت پڑے، جیسے جہاد، تدبیرِ جنگ اور جمعہ و عیدین اور مفادِ عامہ سے متعلق مشاورت۔ غرض ہر وہ اجتماع جو اللہ و رسول کے لیے ہو۔ لَمْ یَذْهَبُوْا نہیں گئے۔ جاتے نہیں۔ حَتّٰی، یہاں تک کہ۔ یَسْتَاْذِنُوْهُ، اس رسول سے اجازت لے لیتے ہیں، یعنی بلا اجازت لے نہیں جاتے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ، بیشک جو لوگ۔ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ، اجازت مانگتے ہیں اے رسول تم سے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ، وہ وہی لوگ ہیں۔ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، ایمان لاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر۔ یعنی وہ کامل الایمان ہیں اور ان کا اجازت چاہنا فرمانبرداری کا نشان اور دلیلِ صحت و سندِ کمالِ ایمان ہے۔ فَاِذَا، پھر جب۔ اسْتَاْذَنُوْكَ، وہ تم سے اجازت مانگیں۔ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ، اپنے کسی کام کے لیے۔ شَان، کثیر المعنی لفظ

قدر و منزلت اور قصد و ارادت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ فَأْذَنْ تو اجازت دے دو۔ لِمَنْ شِئْتَ جسے تم چاہو۔ مِنْهُمْ ان میں سے۔ وَاسْتَغْفِرْ مغفرت کی دعا کرو، معافی مانگو۔ لَهُمُ۔ اُن کے لیے، ان کے حق میں۔ اَللّٰهَ۔ اللہ سے۔ اِنَّ اللّٰهَ، بے شک اللہ ہے، غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ مہربان۔

مطالب و مباحث

ابھی اوپر کی آیات میں ذکر تھا کسی کی ملاقات و زیارت کی نیت سے گھر میں داخلہ کے لیے استیذان یعنی اجازت طلبی کا، کہ گھروں میں جب آئیں اجازت لے کر آئیں اور اس اجازت طلبی کو اپنے لیے کوئی ذلت نہ جانیں کہ یہ تو ذریعہ ہے بہت سے مفاسد کی جڑیں کاٹ دینے کا۔ اب یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ جس مجلسوں میں تمہیں بلایا اور جمع کیا گیا ہے۔ ان سے بغیر اجازت حاصل کیے چلے جانا مسلمان کی شان نہیں۔ خصوصاً منظمانِ دینی کی متبرک محفلوں سے اور بالخصوص رسولِ اکرم عالمِ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسِ مشاورت سے یا ایسے ہی کسی اور اہم اجتماع سے۔ منافقین پر تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسِ مبارک ہی میں حاضری بار تھی۔ پھر اہم قومی و دینی اجتماع مثلاً خطبۂ جمعہ میں حاضری تو اور بھی زیادہ گراں گزرتی تھی۔ جب موقع پاتے تو چپکے سے کھسک جاتے۔ ان کے مقابلہ میں یہاں مدح و ستائش ایمان والوں کی ہو رہی ہے کہ ان کی شان تو یہ ہے کہ اگر انہیں کوئی ضرورت مجلسِ مبارک سے چلے جانے کی پیش آ بھی جاتی ہے، تو بھی جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں، اور آپ انہیں اجازت نہ دے دیں، یہ اپنی جگہ سے ہلتے بھی نہیں۔ انہیں کے حق میں فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں کامل اور صحیح معنی میں خدا و رسول کو ماننے والے ہیں۔ ان کے سینے نورِ ایمان سے معمور ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں کہ ایمان کے تقاضے کیا ہیں۔

ف ۱۴۱ آیۂ کریمہ سے مقصود مومنین مخلصین کی مدح وستائش ہے اور ضمناً ان منافقین کی مذمت جو مجلسِ مبارکِ رسول علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے موقع پاتے ہی کھسک جایا کرتے تھے، جبکہ مسلمانوں کا معمول یہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم منبر شریف پر تشریف فرما ہوتے اور کسی صحابی کو رفع حاجت یا کسی اور عذر و ضرورت کے لیے مسجد سے باہر جانا ناگزیر ہو جاتا، تو وہ ایسی جگہ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہِ مبارک اس پر پڑ جاتی اور آپ سمجھ جاتے کہ یہ واقعی کسی ضرورت کے لیے جانا چاہتا ہے، چنانچہ آپ اجازت مرحمت فرماتے اور مسجد کریم سے باہر چلا جاتا۔ ۱۲

ف ۱۴۲ یعنی کسی عذرِ واقعی کے باعث اگر کسی کو مجلسِ مبارک سے جانا ناگزیر ہو جائے۔ یا کسی دینی ضرورت کے لیے معیت و خدمت کا شرف حاصل نہ کر سکے اور اجازت پا کر چلا جائے یا پیچھے رہ جائے تو اب یہ فعل قابلِ مواخذہ نہیں کہ اس نے آدابِ مجلس کو ملحوظِ خاطر رکھا، اور منافقوں کی سی رَوِش اختیار نہ کی۔ ۱۲

ف ۱۴۳ چنانچہ مروی ہے کہ غزوۂ تبوک میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دورانِ سفر مدینۂ طیبہ واپسی کی اجازت طلب کی اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بکمالِ شفقت اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا،

اِرْجِعْ فَلَسْتَ بِمُنَافِقٍ۔ (واپس ہو جاؤ تم کوئی منافق تھوڑے ہی ہو)

اسی طرح حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غزوۂ بدر میں حاضری سے باز رہنا بربنائے ضرورت تھا کہ زوجۂ مبارکہ کا وصال ہو چکا تھا، تجہیز و تکفین باقی تھی۔ آپ بھی نہ رہتے، تو یہ امور کون انجام دیتا، چنانچہ آپ نے اذن طلبی کی اور سرکار سے اجازت حاصل کی۔ اور آیۂ کریمہ کے یہ الفاظ صاف صاف انکشاف فرما رہے ہیں کہ آپ کی اجازت اللہ ہی کی اجازت ہے اور اس میں اللہ کی رضا شامل ہے کیوں نہ ہو کہ آپ کا وجودِ مبارک خالق و مخلوق کے درمیان ایک وسیلۂ عظمیٰ ہے۔

وَخَصَّكَ بِالْهُدٰى فِيْ كُلِّ اَمْرٍ فَلَسْتَ تَشَآءُ اِلَّا مَا يَشَآءُ
(خازن)

(اللہ وہی چاہتا ہے جو یہ چاہتے ہیں، کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے)
تو آیہ کریمہ کا ماحصل یہ ہے کہ آپ ان میں سے، جن کے لیے مناسب سمجھیں اجازت دے دیں، اور جن کے لیے مناسب سمجھیں
نہ دیں. ضرورت کے اہم اور غیر اہم ہونے کا فیصلہ تمام تر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں ہے
فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ بعض احکام حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر چھوڑ دیئے گئے ہیں.

ف ۱۲۴ اس سے معلوم ہوا کہ اجازت لے کر چلے جانا ایک امر جائز ہے اور شرعاً اس پر مواخذہ و
عتاب نہیں، لیکن بہرحال کچھ بہتر نہیں بلکہ ایک صورت نقص ہی کی ہے، اسی لیے استغفار کا حکم دیا گیا،
تاکہ اس غیر حاضری کا تدارک کیا جائے اور استغفار جس طرح تلافی معصیت و گناہ کے لیے ہے تلافیٔ
نقص و نقصان کے لیے بھی ہے. تو افضل یہی ہے کہ حاضر رہیں اور اجازت طلب کریں اور یہیں سے یہ
بات مستفاد ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جانشینوں اور دینی پیشواؤں کی مجلس
سے بھی بے اجازت نہ جانا چاہیے، خصوصاً جبکہ کسی اجتماعی مقصد کے پیش نظر مسلمانوں کو جمع کیا جائے"

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ
بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ
لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ
فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَ
يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو۔ جیسا کہ تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے، بیشک اللہ جانتا ہے، جو تم میں چپکے سے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر، تو ڈریں[۱۴۴] وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے[۱۴۶] یا ان پر دردناک عذاب پڑے[۱۴۵]۔ سُن لو بے شک اللہ ہی کا ہے[۱۴۶] جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک وہ جانتا ہے جس حال پر تم ہو اور اس دن کو جس میں اس کی طرف پھیرے جائیں گے، تو وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا۔ اور اللہ سب[۱۴۶] کچھ جانتا ہے۔ (۶۳ و ۶۴)

تشریح الالفاظ

لَا تَجْعَلُوْا، نہ ٹھہراؤ، خیال میں نہ لاؤ یا نہ سمجھو، فعل نہی ہے صیغہ جمع مذکر حاضر مصدر اس کا جَعَل ہے، جو مختلف معانی میں مستعمل ہے، مثلاً بنانا، پیدا کرنا، گمان کرنا، مقرر کرنا۔ دُعَاء، پکارنا، رغبت کرنا، کسی کو کسی کام کی طرف چلانا، حاضر ہونے کے لیے کہنا، بلانا۔ بَیْنَکُمْ، باہم آپس میں، کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا، جیسا تم میں سے کسی کا دوسرے کو پکارنا، بلانا یا مخاطب کرنا۔ قَدْ یَعْلَمُ، بے شک جانتا ہے، خوب آگاہ ہے۔ اَلَّذِیْنَ، اُن لوگوں کو جو۔ یَتَسَلَّلُوْنَ، چپکے سے نکل جاتے ہیں۔ خاموشی سے کھسک جاتے ہیں۔ تَسَلُّلٌ، اس کا مصدر ہے یعنی کسی مجلس و اجتماع سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر چلا جانا۔ ایک کے بعد دوسرے کا چپ چاپ کھسک جانا۔ لِوَاذًا، آڑ لیتے ہوئے۔ یہ اس حالت کا بیان ہے جو کھسک جانے والے اختیار کرتے تھے اور ان منافقوں کی عادات و اطوار کا ذکر ہے، جو صحابہ کی آڑ لیتے، سرکتے سرکتے مسجد سے نکل جاتے تھے۔ فَلْیَحْذَرْ، ڈرنا چاہیئے۔ ڈریں اور ڈرتے رہیں۔ اَلَّذِیْنَ، وہ لوگ جو۔ یُخَالِفُوْنَ، خلاف کرتے

ہیں۔ عَنْ اَمْرِہٖ، حکم رسول کے۔ اَنْ، کہ، تُصِیْبَهُمْ، پہنچے انہیں، نازل ہو، آپڑے فِتْنَةٌ، آفت، دنیاوی تکلیف واذیت۔ اَوْ، یا۔ یُصِیْبَهُمْ، پڑے اُن پر، آپکڑے عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ دردناک المناک عذاب جس سے چھٹکارا نہ ملے، اور اُخروی مواخذہ جس سے آدمی بچ نہ سکے۔ اَلِیْمٌ اَلَمٌ سے بنایا گیا۔ یہ لفظ اُردو میں بھی دُکھ، تکلیف اور اذیت کے معنی میں مستعمل ہے۔ اَلَا۔ حرف تنبیہ ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ آسمان وزمین جس کی ملکیت میں ہے، اس کی مخالفت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی آدمی خود ہی سوچ لے کہ اسے کس عذاب میں گرفتار کرے گی۔ اِنَّ، بے شک۔ لِلّٰهِ، اللہ ہی کا ہے۔ اللہ ہی کی ملک ہے۔ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ قَدْ، حرفِ تاکید ہے۔ مضارع پر داخل ہو کر اس میں تقلیل کے معنی بھی پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اس آیۂ کریمہ میں تاکید ہی کے لیے لایا گیا ہے۔ اور یہاں یَعْلَمُ، پر اس کا دخول حکم الٰہی کی مخالفت کرنے والوں کو بتانے کے لیے بھی ہے کہ تمہاری کارستانیاں، خواہ تم ان کے چھپانے کی کتنی ہی کوششیں کرو، علم الٰہی سے باہر نہیں کہ وہی خالق ومالک ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین اور ان کے تمام مشتملات کا، تو تاکید علم، تاکیدِ وعید کے لیے ہے۔ مخالفت کرنے والے سوچ لیں کہ کس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ وَیَوْمَ، اور (وہ جانتا ہے) اس دن کو۔ یُرْجَعُوْنَ، پھیرے جائیں گے، لوٹائے جائیں وہ لوگ۔ اِلَیْهِ، اُس کی طرف۔ فَیُنَبِّئُهُمْ۔ تو وہ انہیں بتا دے گا، انہیں آگاہ کر دے گا (بروز قیامت) بِمَا عَمِلُوْا، جو کچھ انہوں نے کیا، یعنی وہ تمام بدعملیاں جسے لوگوں سے انہوں نے چھپا چھپا کر رکھا اور انہیں ان کارگزاریوں پر سزا دے گا۔

مطالب ومباحث

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس مبارک میں آکر بلا اجازت لیے ہوئے

وہاں سے اٹھ کر چلے آنا ابھی بتایا گیا کہ یہ مسلمانوں کی شان نہیں اور مسلمان اس مجلسِ مبارک سے بغیر اجازت کے جاتا نہیں۔ نیز بتایا گیا کہ جو اجازت لیتا ہے، وہ مومن ہی ہوتا ہے، منافق نہیں ہوتا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ جو بلا اجازت اس مبارک مجلس سے اٹھ جاتے ہیں، وہ منافق ہی کہے جا سکتے ہیں۔ اور یہیں سے اندازہ ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی عزت و وجاہت اور اس عظمت و علوِ مرتبت کا، جو انہیں بارگاہِ الٰہی میں حاصل ہے کہ جو ان سے پھرا، اللہ تعالیٰ ہی سے پھر گیا۔

اور اب صراحۃً بالتصریح مجلسِ مبارک میں حاضری کے آداب تعلیم فرماتے جا رہے ہیں تاکہ اس بارگاہِ بے کس پناہ کی عظمت و تقدس کا علم عامۃ المسلمین کو ہو جائے۔ اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ ان کی عزت، ان کی عظمت، اللہ ہی کی عزت ہے اور اللہ ہی کی عظمت ہے اور ان کی تعظیم، اللہ ہی کی تعظیم ہے۔ ان کی شان، اللہ ہی کی شان ہے، اور انہیں جو وجاہت حاصل ہے، اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہے۔ انہیں اپنے اوپر قیاس کرنا، ان کی مبارک مجلسوں کو اپنی محفلوں پر قیاس کرنا ایمان و اسلام سے محرومی اور رحمتِ خداوندی سے مہجوری کی باعث ہے اور آخرکار، دردناک عذاب ان جیسوں کا انجام۔

شانِ نزول

منافقین پر روزِ جمعہ مسجد میں ٹھہر کر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خطبے کا سننا گراں ہوتا تھا، تو وہ چپکے چپکے، آہستہ آہستہ صحابہ کی آڑ لے کر یکے بعد دیگرے سرکتے سرکتے مسجد سے نکل جاتے تھے، یا مثلاً کوئی مسلمان اجازت لے کر اٹھا، یہ بھی اس کی آڑ میں ساتھ ساتھ مسجد سے نکل کر چل دیتے۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور ان منافقوں کو تنبیہ فرمائی گئی کہ اگر وہ اپنی ناکردنیوں سے باز نہ آئے تو دنیا میں فضیحت و رسوائی اور آخرت میں دردناک عذاب کے لیے تیار رہیں۔

فائدہ دُعاءَ الرّسُول آیۂ کریمہ میں لفظ دُعا استعمال ہوا ہے جس کے معانی میں سے تین معنی کا مراد ہونا مفسرین کرام نے بیان فرمایا ہے یعنی بلانا۔ دُعا کرنا اور پکارنا۔ اور اس فقرہ میں دُعاء کی اضافت اگر الرّسُول کی طرف مصدر کی اضافت فاعل کی طرف سمجھی جائے، یعنی اس دعا کا صدور الرّسُول سے ہو رہا ہے، تو پہلے دونوں معنی مراد ہیں۔ یعنی رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلا لیتے ہو کہ جی چاہا آئے اور جی نہ چاہا تو نہ آئے، بلکہ رسول کا بلانا اور اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے کہنا ایک حاکمانہ اور غیر معمولی حیثیت واہمیت رکھتا ہے۔ دوسرا کوئی بلائے اور تم نہ آؤ تو تمہیں آزادی ہے اور شرعاً تم پر نہ کوئی گرفت ہے، نہ یہ کوئی گناہ کی بات۔ لیکن رسول بلائے اور تم نہ جاؤ یا دل میں ذرہ بھر بھی تنگی محسوس کرو، تو یہ ایمان سے محرومی کا باعث ہے، کیونکہ جس کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پکاریں، اس پر تعمیل واجابت واجب ہو جاتی ہے اور ادب سے حاضر بارگاہ ہو جانا لازم ہو جاتا ہے اور بلا اجازت واپس آجانا حرام۔

یونہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دُعائے خیر یا دُعائے بد کو آدمیوں کی سی دُعا نہ سمجھو۔ وہ تم سے خوش ہو کر دعاؤں سے نوازیں گے تو دُنیا وآخرت میں سعادت ونعمت سے نوازے جاؤ گے اور اگر ناراض ہو کر تمہارے خلاف دُعائے بد فرمائیں گے، تو تمہاری شامتِ اعمال سے وہ دعائے بد دارین میں تمہارے لیے وبالِ جان بن کر رہے گی اور کسی کے لیے اس بدنصیبی سے بدتر کوئی بدنصیبی نہیں کہ اللہ کا پیارا نبی اس کے لیے دُعائے بد کرے

پہلی توجیہ کی تائید میں وہ حدیثِ پاک شاہدِ عدل ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ سعید بن معلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پکارا۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا اس لیے اس وقت حاضر نہ ہو سکا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے

اِسْتَجِیْبُوا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ۔ (اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔)

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انہیں پکارا۔ تو انھوں نے جلدی جلدی نماز تمام کر کے حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہیں ہر لب دینے سے کیا بات مانع ہوئی ؟ (کہ دیر سے پہنچے) عرض کیا، حضور! میں نماز پڑھ رہا تھا، حضور نے فرمایا "کیا تم نے قرآنِ پاک میں یہ نہیں پایا کہ اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔" عرض کیا "بے شک آئندہ ایسا نہ ہوگا"

اسی لیے اہلِ سنّت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طاعت، عین طاعتِ الٰہی ہے۔ طاعتِ الٰہی بے طاعت حضور ناممکن ہے۔ یہاں تک کہ آدمی اگر فرض نماز میں ہو اور حضور اُسے بلائیں تو فوراً جواب دے اور حاضرِ خدمت ہو۔ اور یہ شخص کتنی ہی دیر تک حضور سے کلام کرے بدستور نماز میں ہے اور اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ دُعَاءَ الرَّسُوْلِ کے فقرہ میں مصدر کی اضافت مفعول کی جانب مانی جاتے اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوں گے "اے لوگو! رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ندا کرو تو ادب وتکریم اور توقیر وتعظیم کے ساتھ، آپ کے معظم ومکرم القاب سے، نرم آواز کے ساتھ، متواضعانہ ومنکسرانہ لہجہ میں یَا نَبِیَّ اللّٰہِ۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنِ۔ یَا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنِ۔ یَا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنِ کہہ کر پکارو۔

چنانچہ ابو نعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں راوی ہیں کہ پہلے حضور کو یَا اَبَا الْقَاسِمِ کہا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعظیم کو اس سے نہی فرمائی جب سے صحابہ کرام یَا نَبِیَّ اللّٰہِ۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہا کرتے تھے۔ ولہٰذا علماء کرام تصریح

فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لے کر ندا کرنی حرام ہے۔
اور واقعی محلِ انصاف ہے جسے اس کا مالک و مولیٰ تبارک و تعالیٰ نام لے کر نہ پکارے
غلام کی کیا مجال کہ راہِ ادب سے تجاوز کرے، بلکہ علمائے محققین نے فرمایا: اگر یہ لفظ کسی
دعا میں وارد ہو جو خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تعلیم فرمائی، تاہم اس کی جگہ یا رسول اللہ
یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ کہنا چاہیے۔ حالانکہ الفاظِ دعا میں حتی الوسع تغییر نہیں کی جاتی (تجلی الیقین)
اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم و توقیر
جس طرح اس وقت تھی کہ حضور اس عالم میں، ظاہری نگاہوں کے سامنے تشریف فرما تھے
اب بھی اسی طرح فرضِ اعظم ہے۔

تنبیہ جلیل

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ محبت کی علامات میں سے یہ بھی
ہیں کہ شانِ اقدس میں جو الفاظ استعمال کیے جائیں، ادب میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ کوئی ایسا
لفظ جس میں کم تعظیمی کی بو بھی ہو کبھی زبان پر نہ لائے۔ اگر حضور کو پکارے تو نام پاک کے
ساتھ ندا کرے کہ یہ جائز نہیں، بلکہ یوں کہے، یَا نَبِیَّ اللہ۔ یَا رَسُول اللہ یَا حَبِیْبَ اللہ
اگر مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو تو روضہ شریف کے سامنے چار ہاتھ کے فاصلے سے
دست بستہ جیسے نماز میں کھڑا ہوا جاتا ہے۔ کھڑے ہو کر سر جھکائے صلوٰۃ و سلام عرض
کرے۔ بہت قریب نہ جائے، نہ ادھر اُدھر دیکھے۔ اور خبردار، خبردار، خبردار! آواز کبھی
بلند نہ کرنا کہ عمر بھر کا سارا کیا دھرا اکارت جائے گا۔
اور آپ کے معظم و مکرم القاب کے ساتھ حرفِ یا بڑھا کر آپ کو ندا کرنا جسے
وہابیہ شرک کہتے ہیں، ایسا جائز و ثابت ہے کہ نماز میں واجب ہے۔ مسلمانو! اب ان
جمے کچھ کہ اپنے شریکوں کو جمع کریں اور قہر والے عرش کے مالک سے لڑائی لیں کہ تو نے

کیوں ایسی شریعت بھیجی، جس نے نماز کی ہر دو رکعت پر التحیات واجب کی اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سلام عرض کرنا واجب کیا۔ اگر ندا معاذ اللہ شرک ہے، تو یہ عجیب شرک ہے کہ عین نماز میں شریک و داخل ہے۔

اور یہ جاہلانہ خیال محض باطل ہے کہ التحیات زمانہ اقدس سے ویسی ہی چلی آتی ہے تو مقصود ان لفظوں کی ادا ہے، نہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ندا. حاشا وکلا شریعت مطہرہ نے نماز میں کوئی ایسا ذکر نہیں رکھا ہے جس میں صرف زبان سے لفظ نکالے جائیں اور معنی مراد نہ ہوں۔ علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ الفاظِ تشہد سے ان کے معانی کا قصد اور انشاء ضروری ہے۔ گویا اللہ عزوجل کے لیے تحیت کرتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے اور اولیاء اللہ پر سلام بھیجتا ہے، نہ کہ واقعہ معراج کی حکایت مدِ نظر ہو (ردالمحتار۔ عالمگیری)

تو قطعاً یہی درکار ہے کہ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ سے حمدِ الٰہی کا قصد رکھے، اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، سے یہ ارادہ کرے کہ اس وقت میں اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتا اور حضور سے بالقصد عرض کر رہا ہوں کہ سلام حضور پر اے نبی، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ ۱۲ (تفصیل کے لیے دیکھیں احیاء العلوم وغیرہ)

ف ۱۴۶ اشارہ انہیں چپکے سے کھسک جانے والے منافقین کی طرف ہے اور اس میں منافقین کی ایک اور علامت بتائی گئی ہے کہ اسلام کی اجتماعی خدمات کے لیے جب بلایا جاتا ہے، تو وہ آ تو جاتے ہیں، لیکن یہ حاضری ان پر سخت گراں گزرتی ہے اور کسی نہ کسی طرح چُپ چپا کر نکل بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ۱۲

ف ۱۴۷ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتنہ کا مطلب "ظالموں کا تسلط لیا ہے یعنی ظالم حکمرانوں کا بزور وجبر عوام الناس پر مُسلط ہو جاتا" اور حضرت ...

جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں: "فتنہ وہ ہے جو دل کو سخت بنادے اور گمراہی و پریشانی کی طرف لے جائے خواہ یہ اولاد سے ہو یا بادشاہِ وقت کی طرف سے۔"

اسی لیے علماء کرام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام و فرامین کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں ظالم حکمرانوں کا مسلط ہو جانا، ہولناک حوادث کا رونما ہونا، قتل و غارت گری کا پھیل جانا، زلزلوں اور آسمانی و زمینی آفتوں کا ظاہر ہونا، نظامِ جماعت کا پراگندہ ہو جانا، داخلی انتشار کا بڑھنا، مسلمانوں کی شوکت و قوت کا ٹوٹ جانا، ان پر غیروں کا حاوی ہو جانا سب کچھ ہی سامنے آسکتا ہے۔ اور مصیبت، بڑی مصیبت یہ ہے کہ دلوں میں قساوت و سختی پیدا ہو جاتے اور ارتکابِ گناہ کے باوجود دُنیاوی آسائشوں کا تانتا بندھ جائے کہ یہ استدراج کی صورت ہے جس میں گناہوں کے ارتکاب کے باوجود نعمتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں تاکہ اس کی سرکشیوں پر اچانک اس کی گرفت کی جاتے یا پھر آخرت میں خوب کَس کر پکڑا جاتے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

ف ۱۲۱ کافروں کے لیے قرآنِ عظیم میں جابجا جس عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ اس کی صفت عَظِیْم بھی آئی ہے، یعنی بڑا عذاب کہ کسی خاص و غیر متعارف و ناشناسا نوعیت کا ہوگا۔ اور یہاں منافقوں کے لیے جس عذاب کی وعید ہے، وہ اَلِیْم ہے اور اَلِیْم کے معنی ہیں مُؤْلِم یعنی دُکھ پہنچانے والا۔ اذیت میں ڈالنے والا۔ گویا تکلیف و اذیت کا پہلو اسی عذاب میں زیادہ نمایاں ہوگا۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ جو منافق تھے، وہ کافر تو تھے ہی لیکن کافر کے علاوہ بھی کچھ اور تھے۔ یعنی فریب کار اور کذّاب۔ تو عذابِ عظیم جو کافروں کے لیے ہے۔ اس کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی بنا پر ہو ہی چکے۔ یہ منافقت کا عذاب الیم اس پر مستزاد ہوگا۔ گویا منافقوں پر دونوں عذابوں کا مجموعہ ہوگا۔ اور یہاں کی مسلسل قانون شکنی اور نافرمانی وہاں عذابِ الیم کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ گویا جو تخم انہوں نے اس دنیا میں بوتے، وہی کل تناور درختوں کی شکل میں نمودار ہوں گے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔

اور ما اَنْتُمْ عَلَیْہِ (جس حال پر تم ہو) یہ منافقوں کے لیے خاص بھی ہو سکتا ہے اور علیہ ان کے لیے عام بھی۔ تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزیاں کرنے والے خواہ کوئی ہوں، یہ سمجھ رکھیں کہ ان کی مسلسل و پیہم یہ خلاف ورزیاں انہیں اس حال تک پہنچا دیں گی کہ ان پر ظالم و جابر حکمران مسلط ہو جائیں گے۔ جنہیں نہ ان کی عظمتوں کا لحاظ ہوگا، نہ ان کی عزت و وقار کا کوئی پاس۔ ۱۲

ف۱۴۹ یعنی جب سب کچھ اسی کا ہے اور اس کے علم میں ہے تو کیا بعید ہے کہ اللہ کے دین یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے رُوگردانی کرنے والوں کی یہیں اسی دنیا میں گرفت ہو جائے کہ یہاں بھی اور وہاں بھی اختیار و اقتدار کامل اسی کا ہے۔ ۱۲

ف۱۵۰ اور جب اللہ سب کچھ جانتا ہے اور اس سے کوئی ذرہ چُھپا ہوا نہیں، پھر وہی مختارِ مطلق ہے اور اسی کے لیے اقتدارِ کامل ہے۔ وہ سزا دینا چاہے تو جب اور جہاں چاہے دے سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ بندہ مخلوق کی نگاہوں سے چُھپ کر کوئی کام گزرے اور کسی کو کانوں کان اس کی خبر نہ ہو سکے، لیکن حق تعالیٰ سے کسی کا کوئی حال کسی وقت بھی پوشیدہ نہیں، تو کوئی بھی اس کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ آسمانوں پر اس کی حکومت، زمین پر اس کی سلطنت اور جس طرح وہ تمام بندوں کے احوال سے واقف ہے۔ وہ یہ بھی خوب جانتا ہے کہ کس جرم پر کسے اور کتنی سزا ملنی چاہیے اور روزِ حساب قریب ہے۔ ہر ایک کا کیا دھرا زندہ اس کے سامنے ہوگا جس سے انکار بھی کسی کو ممکن نہ ہوگا۔ اور کل بروزِ حشر آفتاب نصف النہار یہ حقیقت روشن و آشکار ہو جائے گی کہ جو ایمان والے اور خدا اور رسول کے اطاعت گزار و فرماں بردار تھے، وہ نعمتوں اور آسائشوں میں ہوں گے اور ہر قسم کی نعمتوں میں مستغرق، جبکہ ان کے برخلاف اطاعت و فرماں برداری سے جی چرا کر بغاوت و انکار پر کمربستہ رہنے والے سخت ترین عذابوں میں گرفتار۔ ۱۲

الٰہی ہمیں اپنے چاہنے والوں کے نقشِ قدم پر چلا، انہیں کے زمرے میں اٹھا، اور

کل انہیں کے جھنڈوں کے سائے تلے جنت الفردوس تک پہنچا۔ آمین یا الٰہ العالمین

بجاہ النبی الامی الامین علیہا لصلوٰۃ والتسلیم۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

ربِ کریم کے فضلِ عمیم کا شکر اور ہزار بار شکر کہ اسی کی توفیق، اسی کی تیسیر سے اس فقیرِ بے توقیر کی ایک دیرینہ تمنا بار آور ثابت ہوئی اور آج ۲۴ شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۷ جون ۱۹۸۲ء بروز پنجشنبہ "سورۃ النور" کی یہ اجمالی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔ اور ۲۲ شوال ۱۴۰۲ھ، مطابق ۱۲ اگست ۱۹۸۲ء نظرِ ثانی سے فراغت پائی۔ فلہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ۔

الٰہی! تیرے اس بندۂ خطا کار، سیاہ روزگار، معصیت شعار کو اعتراف ہے کہ تو نے اپنے محض فضل و کرم سے بندگانِ دین کے طفیل، علمِ دین سے بہرہ ور کیا اور تصنیف و تالیف کا شوق دل میں ڈالا، لیکن اس کے باوجود، تیرا یہ بندۂ گناہگار جو کسی شمار میں نہیں، تیرے دین کی خدمت کما حقہٗ نہ بجا لا سکا۔

الٰہی! تیرا وعدہ ہے اور تیرا وعدہ سچا کہ نیکوکاروں کے طفیل ہم جیسے بدکاروں کے نامۂ اعمال سے سیاہ کاریوں کو مٹا دیا جائے گا، نہیں نہیں، بلکہ بہ کمالِ رحمت ان کے سیئات کو حسنات میں تبدیل فرما دیا جائے گا۔

الٰہی! تو نکتہ نواز ہے اور تیری رحمت تیرے غضب پر سابق۔ ہمیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور سلامتیٔ ایمان کے ساتھ نیکوں میں ہمارا حشر فرما اور اپنے فضل و کرم سے دُنیا و آخرت کی ہر بلا سے محفوظ و مامون رکھ۔ آمین! وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و اٰلہٖ و اصحابہٖ و حزبہٖ اجمعین، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

العبد محمد خلیل خاں القادری البرکاتی النوری عفی عنہ

دار العلوم احسن البرکات ٹرسٹ حیدرآباد سندھ
(پاکستان)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی (کرنا) چاہتا ہے اسے دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے

سُنّی بہشتی زیور (کامل)

جلد اوّل

(حصہ اوّل تا پنجم)

خلیل ملّت حضرت علّامہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی قدس سرہٗ

الناشر

فرید بُک سٹال

اُردو بازار، لاہور ۲ فون نمبر ۳۱۲۱۷۳

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے

سُنّی بہشتی زیور (کامل)

جلد دوم

(حصہ ششم تا نہم)

خلیل ملت حضرت علامہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی قدس سرہٗ

فرید بُک سٹال

۳۸۔ اُردو بازار، لاہور۲ فون نمبر ۷۳۱۲۱۷۳

شریعت، طریقت اور حقیقت کے فوائد و مقاصد

تصنیف : حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ العزیز

ترجمہ : مفتی محمد خلیل خاں برکاتی

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

رسالہ ہدایت قبالہ

فیصلہ ہفت مسئلہ

شیخ المشائخ حضرت شاہ امداد اللہ صاحب
مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

مع

توضیحات و تشریحات

از

مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی مارہری
مہتمم خدمۃ المدرسین دارالعلوم احسن البرکات (ٹرسٹ)
حیدرآباد (سندھ) پاکستان

فرید بک سٹال
۳۸ اردو بازار
لاہور — ۲

سراج الامۃ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہ و اجتہاد کی
روشنی میں اہل اسلام کی صحیح رہنمائی کرنے والی، تمام سال کے نوافل مخصوصہ اور
جمعہ، عیدین، جنازہ وغیرہا کے احکام پر مشتمل اپنی نوعیت کی قابل مطالعہ کتاب لاجواب یعنی

الصلوٰۃ

تصنیفِ لطیف

خلیل العلماء حضرت مولانا مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہروی

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

العقیدۃ الحسنۃ

المعروف بہ

عقائد الاسلام

تصنیف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

ترجمہ وتشریح

خلیل العلماء مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہروی

فرید بکسٹال لاہور

سبع سنابل

جسے بارگاہِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا میں شرفِ قبول حاصل ہوا

مصنف

میر عبدالواحد بلگرامی

مترجم

مفتی محمد خلیل خاں برکاتی

مقدمہ

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور ۲